قرآنی واقعات و عجائبات کا بہترین گلدستہ

عجائب القرآن
مع
غرائب القرآن

مؤلف شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی

دنیا کی سب سے قیمتی گائے | سب سے پہلا قاتل و مقتول | حضرت سلیمان علیہ السلام اور ایک چیونٹی | دوڑنے والا پتھر

الٹ پلٹ ہوجانے والا شہر | چار قابلِ عبرت عورتیں | حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار معجزات | سامری کا بچھڑا

مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی)
SC1256

قرآنی واقعات وعجائبات کا بہترین گلدستہ

عجائب القرآن

مع

غرائب القرآن

مؤلف

عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی
شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفٰی اعظمی

پیش کش

مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوت اسلامی)

(شعبۂ تخریج)

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

یاد داشت

دورانِ مطالعہ ضرورتاً انڈر لائن کیجئے ، اشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرما لیجئے ، اِنْ شَاءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ علم میں ترقّی ہوگی.

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

قرآنی واقعات وعجائبات کا بہترین گلدستہ

عجائب القرآن

مع

غرائب القرآن

مؤلف

عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَ

شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی

پیش کش

مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

(شعبۂ تخریج)

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

المدینۃ العلمیۃ

از شیخِ طریقت، امیرِ اہلِ سنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ

مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطّار** قادری رضوی ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَبِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **''دعوتِ اسلامی''** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ **علمِ شریعت** کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسنِ خوبی سرانجام دینے کے لئے **متعدد مجالس** کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس ''**المدینۃ العلمیۃ**'' بھی ہے جو **دعوتِ اسلامی** کے **علماء ومفتیانِ کرام** کَثَّرَ ھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

﴿1﴾ شعبۂ کُتُبِ اعلیٰ حضرت **﴿2﴾ شعبۂ درسی کُتُب**

﴿3﴾ شعبۂ اصلاحی کُتُب **﴿4﴾ شعبۂ تراجمِ کتب**

﴿5﴾ شعبۂ تفتیشِ کُتُب **﴿6﴾ شعبۂ تخریج**

''**المدینۃ العلمیۃ**'' کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجدِّدِ دین ومِلّت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بِدعت،

عالِمِ شَرِیْعت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیْر و بَرَکت، حضرتِ علاّمہ مولٰینا الحاج الحافِظ القاری شاہ امام اَحمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی گِراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوَسْع سَہْل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس عِلمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ''دعوتِ اسلامی'' کی تمام مجالس بَشُمُول ''المدینۃ العلمیۃ'' کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

اٰمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم



رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

نمبر شمار	غرائب القرآن کی فہرست	صفحہ نمبر
1	عرضِ مصنف........................	242
2	تخلیق آدم علیہ السلام........................	243
3	خلافتِ آدم علیہ السلام........................	248

پیش لفظ

الحمد للہ عزوجل! ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے اکابرین کی کتب کو احسن اسلوب میں پیش کریں ۔اس سلسلے میں امامِ اہلِ سنت مولانا امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے کئی رسائل (تخریج وتسہیل شدہ) طبع ہو کر عوام وخواص سے خراجِ تحسین پا چکے ہیں ۔جب کہ **''بہار شریعت''** حصہ اول بھی شائع ہو چکا ہے۔اب **''عجائب القرآن مع غرائب القرآن''** پیشِ خدمت ہے جو شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ کی تالیف ہے۔ اس میں قرآنی واقعات کو انتہائی دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

طباعتِ جدید کے لئے اس کتاب کے مسودے کی تطبیق مستند نسخہ جات سے کی گئی ہے۔حوالہ جات کی تخریج کردی گئی ہے اور آیات کا ترجمہ امامِ اہلِ سنت مجددِ دین وملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' سے درج کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں **''اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش''** کرنے کے لئے مدنی انعامات پر عمل اور مدنی قافلوں کا مسافر بنتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور دعوتِ اسلامی کی تمام مجالس بشمول **مجلس المدینۃ العلمیۃ** کو دن گیارھویں رات بارھویں ترقی عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

شعبہ تخریج (مجلس المدینۃ العلمیۃ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

کیوں لکھا؟ اور کیا لکھا؟

ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ھ میں چند مقتدر علماء اہل سنت نے اپنی خواہش بصورت فرمائش ظاہر فرمائی کہ میں قرآن مجید کا ایک ترجمہ سلیس اور عام فہم زبان میں لکھ دوں، اس وقت پہلی بار مجھ پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ میں نے جواب میں ان حضرات سے اپنی ضعیفی اور بیماری کا عذر کر کے اس کام سے معافی طلب کر لی۔ اور عرض کر دیا کہ اگر چند سال قبل آپ لوگوں نے اس طرف توجہ دلائی ہوتی تو میں ضرور یہ کام شروع کر دیتا مگر اب جب کہ ضعیفی کے ساتھ مرض فالج نے میری توانائیوں کو بالکل مضمحل کر دیا ہے، اتنا بڑا کام میرے بس کی بات نہیں۔ پھر بعض عزیزوں نے کہا کہ اگر پورے قرآن مجید کا ترجمہ آپ نہیں لکھتے تو "نوادر الحدیث" کی طرح قرآن مجید کی چند آیتوں ہی کا ترجمہ اور تفسیر لکھ کر آیتوں کی مناسب تشریح کر دیتے تو بہت اچھا اور بے حد مفید علمی کام ہو جاتا۔

یہ کام میرے نزدیک بہت سہل تھا۔ چنانچہ میں نے توکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کر دیا۔ مگر ابھی تقریباً ایک سو صفحات کا مسودہ لکھنے پایا تھا کہ ناگہاں ۱۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کو رات میں سوتے ہوئے فالج کا دوسری مرتبہ حملہ ہوا۔ اور بایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں اس طرح مفلوج ہو گئے کہ ان میں حس و حرکت ہی باقی نہ رہی۔ فوراً ہی بذریعہ جیپ براؤن شریف سے دو طالب علموں کی مدد سے اپنے مکان پر گھوسی آ گیا اور دو ماہ پلنگ پر پڑا رہا۔ مگر الحمد للہ! کہ بہت جلد خداوند کریم کا فضل عظیم ہو گیا کہ ہاتھ پاؤں میں حس و حرکت پیدا ہو گئی اور تین ماہ کے بعد میں کھڑا ہونے لگا اور رفتہ رفتہ بحمدہ تعالیٰ اس قابل ہو گیا کہ جمعہ و جماعت کے لئے مسجد تک جانے لگا۔ چنانچہ وہ

مسودہ جو ناتمام رہ گیا تھا، اب بحالت مرض اس کو مکمل کر کے ''عجائب القرآن'' کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

اس مجموعہ میں قرآن مجید کی مختلف سورتوں سے چن کر پینسٹھ ان عجیب عجیب چیزوں اور تعجب خیز و حیرت انگیز واقعات کو جن کا قرآن مجید میں مختصر تذکرہ ہے، نقل کر کے ان کی مناسب تفصیل وتوضیح تحریر کر دی ہے اور ان واقعات کے دامنوں میں جو عبرتیں اور نصیحتیں چھپی ہوئی ہیں، ان کو بھی ''درسِ ہدایت'' کے عنوان سے پیش کر دیا ہے۔

دعا ہے کہ خداوند کریم میری دوسری تصنیفات کی طرح اس انیسویں کتاب کو بھی مقبولیت دارین کی کرامتوں سے سرفراز فرما کر نافع الخلائق بنائے اور اس خدمت کو میرے اور میرے والدین نیز میرے اساتذہ وتلامذہ ومریدین واحباب کے لئے زادِ آخرت وذریعۂ مغفرت بنائے اور میرے نواسہ مولوی فیض الحق صاحب سلمہ المولیٰ تعالیٰ کو عالم باعمل بنائے۔ اور ان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ اس کتاب کی تدوین وتبییض اور طباعت وغیرہ میں میرے دست وبازو بنے رہے۔ (آمین)

یہ کتاب اس حال میں تحریر کر رہا ہوں کہ کمزوری ونقاہت سے چلنا پھرنا دشوار ہو رہا ہے۔ مگر الحمدللہ کہ داہنا ہاتھ کام کر رہا ہے اور دل ودماغ بالکل درست ہیں۔ علاج کا سلسلہ جاری ہے۔

قارئین وناظرین کرام دعا فرمائیں کہ مولیٰ تعالیٰ مجھے جلد شفایاب فرمائے تاکہ میں آخرِ حیات تک درسِ حدیث ودینی تصانیف ومواعظ کا سلسلہ جاری رکھ سکوں۔

وماذلك على الله بعزيز وهو حسبي ونعم الوكيل والحمدلله رب العلمين

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله وصحبه اجمعين۔

عبدالمصطفى الاعظمى عفى عنه

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

﴿1﴾ جنتی لاٹھی

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ مقدس لاٹھی ہے جس کو ''عصاءِ موسیٰ'' کہتے ہیں اس کے ذریعہ آپ کے بہت سے اُن معجزات کا ظہور ہوا جن کو قرآن مجید نے مختلف عنوانوں کے ساتھ بار بار بیان فرمایا ہے۔

اِس مقدس لاٹھی کی تاریخ بہت قدیم ہے جو اپنے دامن میں سینکڑوں اُن تاریخی واقعات کو سمیٹے ہوئے ہے جن میں عبرتوں اور نصیحتوں کے ہزاروں نشانات ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں جن سے اہل نظر کو بصیرت کی روشنی اور ہدایت کا نور ملتا ہے۔

یہ لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد برابر دس ہاتھ لمبی تھی۔ اور اس کے سر پر دو شاخیں تھیں جو رات میں مشعل کی طرح روشن ہو جایا کرتی تھیں۔ یہ جنت کے درخت پیلو کی لکڑی سے بنائی گئی تھی اور اس کو حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ چنانچہ حضرت سید علی اُجھوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ۔

وَاٰدَمُ مَعَہٗ اُنْزِلَ الْعُوْدُ وَالْعَصَا لِمُوْسٰی مِنَ الْاٰسِ النَّبَاتِ الْمُکَرَّمِ

وَاَوْرَاقُ تِیْنٍ وَّالْیَمِیْنُ بِمَکَّۃَ وَخَتْمُ سُلَیْمٰنَ النَّبِیِّ الْمُعَظَّمِ

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ عود (خوشبودار لکڑی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو عزت والی پیلو کی لکڑی کا تھا، انجیر کی پتیاں، حجر اسود جو مکہ معظمہ میں ہے اور نبی معظم حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی یہ پانچوں چیزیں جنت سے اُتاری گئیں۔

(تفسیر الصاوی، ج۱، ص۶۹، البقرۃ: ۶۰)

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ مقدس عصاء حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو یکے بعد دیگرے بطور میراث کے ملتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو ملا جو ''قومِ مدین'' کے نبی تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت فرما کر مدین تشریف لے گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی حضرت بی بی صفوراء رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح فرما دیا۔ اور آپ دس برس تک حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر آپ کی بکریاں چراتے رہے۔ اُس وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے حکمِ خداوندی (عزوجل) کے مطابق آپ کو یہ مقدس عصا عطا فرمایا۔

پھر جب آپ اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے کر مدین سے مصر اپنے وطن کے لئے روانہ ہوئے۔ اور وادی مقدس مقام ''طُویٰ'' میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلّی سے آپ کو سرفراز فرما کر منصبِ رسالت کے شرف سے سربلند فرمایا۔ اُس وقت حضرت حق جل مجدہ نے آپ سے جس طرح کلام فرمایا قرآن مجید نے اُس کو اِس طرح بیان فرمایا کہ

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ (پ ۱٦، طٰه: ۱۷، ۱۸)

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے، اے موسیٰ عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اِس میں اور کام ہیں۔

مَاٰرِبُ اُخْرٰى (دوسرے کاموں) کی تفسیر میں حضرت علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مثلاً

{۱} اس کو ہاتھ میں لے کر اُس کے سہارے چلنا {۲} اُس سے بات چیت کر کے دل بہلانا {۳} دن میں اُس کا درخت بن کر آپ پر سایہ کرنا {۴} رات میں اس کی دونوں شاخوں کا

روشن ہو کر آپ کو روشنی دینا {۵} اُس سے دشمنوں، درندوں اور سانپوں، بچھوؤں کو مارنا {۶} کنوئیں سے پانی بھرنے کے وقت اس کا رسی بن جانا اور اُس کی دونوں شاخوں کا ڈول بن جانا {۷} بوقتِ ضرورت اُس کا درخت بن کر حسبِ خواہش پھل دینا {۸} اس کو زمین میں گاڑ دینے سے پانی نکل پڑنا وغیرہ۔ (مدارك التنزيل، ج ۳، ص ۲۵۱، پ ۱٦، طه: ۱۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اِس مُقدّس لاٹھی سے مذکورہ بالا کام نکالتے رہے مگر جب آپ فرعون کے دربار میں ہدایت فرمانے کی غرض سے تشریف لے گئے اور اُس نے آپ کو جادوگر کہہ کر جھٹلایا تو آپ کے اس عصا کے ذریعہ بڑے بڑے معجزات کا ظہور شروع ہو گیا، جن میں سے تین معجزات کا تذکرہ قرآنِ مجید نے بار بار فرمایا جو حسب ذیل ہیں۔

عصا اژدھا بن گیا:۔اس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے ایک میلہ لگوایا۔ اور اپنی پوری سلطنت کے جادوگروں کو جمع کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کے لئے مقابلہ پر لگا دیا۔ اور اس میلہ کے ازدحام میں جہاں لاکھوں انسانوں کا مجمع تھا، ایک طرف جادوگروں کا ہجوم اپنی جادوگری کا سامان لے کر جمع ہو گیا۔ اور اُن جادوگروں کی فوج کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا ڈٹ گئے۔ جادوگروں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر اپنے جادو کی لاٹھیوں اور رسیوں کو پھینکا تو ایک دم وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر پورے میدان میں ہر طرف پھنکاریں مار کر دوڑنے لگیں اور پورا مجمع خوف و ہراس میں بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا اور فرعون اور اس کے تمام جادوگر اس کرتب کو دکھا کر اپنی فتح کے گھمنڈ اور غرور کے نشہ میں بدمست ہو گئے اور جوشِ شادمانی سے تالیاں بجا بجا کر اپنی مسرت کا اظہار کرنے لگے کہ اتنے میں ناگہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنی مقدس لاٹھی کو اُن سانپوں کے ہجوم میں ڈال دیا تو یہ لاٹھی ایک بہت بڑا اور نہایت ہیبت ناک اژدہا بن کر جادوگروں کے تمام سانپوں کو نگل گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر تمام جادوگر اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ میں

گر پڑے اور باآوازِ بلند یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى یعنی ہم سب حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے۔

چنانچہ قرآنِ مجید نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿۷۰﴾ (پ ۱۶، طٰہٰ ۶۵ تا ۷۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔ بولے اے موسیٰ یا تو تم ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں موسیٰ نے کہا بلکہ تمہیں ڈالو جبھی اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے زور سے اُن کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں تو اپنے جی میں موسیٰ نے خوف پایا ہم نے فرمایا ڈر نہیں بیشک تو ہی غالب ہے اور ڈال تو دے جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے اور اُن کی بناوٹوں کو نگل جائے گا وہ جو بنا کر لائے ہیں وہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں آوے تو سب جادوگر سجدے میں گرالئے گئے بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے۔

عصا مارنے سے چشمے جاری ہو گئے:۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن مُلکِ شام تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے دورِ حکومت میں یہ لوگ مصر میں آ کر آباد ہو گئے اور ملکِ شام پر قوم عمالقہ کا تسلط اور قبضہ ہو گیا۔ جو بدترین قسم کے کفار تھے۔ جب فرعون دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے خطرات سے اطمینان ہو گیا

تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قوم عمالقہ سے جہاد کر کے ملکِ شام کو اُن کے قبضہ وتسلط سے آزاد کرائیں۔ چنانچہ آپ چھ لاکھ بنی اسرائیل کی فوج لے کر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے مگر ملکِ شام کی حدود میں پہنچ کر بنی اسرائیل پر قوم عمالقہ کا ایسا خوف سوار ہو گیا کہ بنی اسرائیل ہمت ہار گئے اور جہاد سے منہ پھیر لیا۔ اس نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ سزا دی کہ یہ لوگ چالیس برس تک ''میدان تیہ'' میں بھٹکتے اور گھومتے پھرے اور اس میدان سے باہر نہ نکل سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اُن لوگوں کے ساتھ میدانِ تیہ میں تشریف فرما تھے۔ جب بنی اسرائیل اس بے آب و گیاہ میدان میں بھوک و پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے اُن لوگوں کے کھانے کے لئے ''من وسلویٰ'' آسمان سے اُتارا۔ مَن شہد کی طرح ایک قسم کا حلوہ تھا، اور سلویٰ بھنی ہوئی بٹیریں تھیں۔ کھانے کے بعد جب یہ لوگ پیاس سے بے تاب ہونے لگے اور پانی مانگنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مار دیا تو اُس پتھر میں بارہ چشمے پھوٹ کر بہنے لگے اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندان اپنے اپنے ایک چشمے سے پانی لے کر خود بھی پینے لگے اور اپنے جانوروں کو بھی پلانے لگے اور پورے چالیس برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو عصا اور پتھر کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ اور معجزہ کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ (پ ۱، البقرة: ۶۰)

ترجمہ کنزالایمان :۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

عصا کی مار سے دریا پھٹ گیا:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مدت

درازتک فرعون کو ہدایت فرماتے رہے اور آیات ومعجزات دکھاتے رہے مگر اس نے حق کو قبول نہیں کیا بلکہ اور زیادہ اس کی شرارت و سرکشی بڑھتی رہی۔ اور بنی اسرائیل نے چونکہ اس کی خدائی کو تسلیم نہیں کیا اِس لئے اس نے اُن مومنین کو بہت زیادہ ظلم وستم کا نشانہ بنایا اِس دوران میں ایک دم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی اُتری کہ آپ اپنی قوم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر رات میں مصر سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات میں مصر سے روانہ ہو گئے۔

جب فرعون کو پتا چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کی گرفتاری کے لئے چل پڑا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تو بنی اسرائیل فرعون کے خوف سے چیخ پڑے کہ اب تو ہم فرعون کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کی پوزیشن بہت نازک ہوگئی کیونکہ اُن کے پیچھے فرعون کا خونخوار لشکر تھا اور آگے موجیں مارتا ہوا دریا تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن تھے اور بنی اسرائیل کو تسلی دے رہے تھے۔ جب دریا کے پاس پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم اپنی لاٹھی دریا پر ماردو۔ چنانچہ جونہی آپ نے دریا پر لاٹھی ماری تو فوراً ہی دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں اور بنی اسرائیل ان سڑکوں پر چل کر سلامتی کے ساتھ دریا سے پار نکل گئے۔ فرعون جب دریا کے قریب پہنچا اور اس نے دریا کی سڑکوں کو دیکھا تو وہ بھی اپنے لشکروں کے ساتھ اُن سڑکوں پر چل پڑا۔ مگر جب فرعون اور اس کا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو اچانک دریا موجیں مارنے لگا اور سب سڑکیں ختم ہو گئیں اور فرعون اپنے لشکروں سمیت دریا میں غرق ہو گیا۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا کہ

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ
الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾

(پ ۱۹،الشعراء: ٦١ تا ٦٧)

ترجمۂ کنزالایمان:۔ پھر جب آمنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا موسیٰ والوں نے کہا ہم کو اُنہوں نے آلیا موسیٰ نے فرمایا۔ یوں نہیں بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جبھی دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ۔ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے بچالیا موسیٰ اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو ڈبو دیا بیشک اس میں ضرور نشانی ہے اور اُن میں اکثر مسلمان نہ تھے۔

یہ ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مقدس لاٹھی کے ذریعہ ظاہر ہونے والے وہ تینوں عظیم الشان معجزات جن کو قرآن کریم نے مختلف الفاظ اور متعدد عنوانوں کے ساتھ بار بار بیان فرما کر لوگوں کے لئے عبرت اور ہدایت کا سامان بنا دیا ہے۔ **(واللّٰہ تعالیٰ اعلم)**

﴿۲﴾ دوڑنے والا پتھر

یہ ایک ہاتھ لمبا ایک ہاتھ چوڑا چوکور پتھر تھا، جو ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جھولے میں رہتا تھا۔ اس مبارک پتھر کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزات کا ظہور ہوا۔ جن کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہوا ہے۔

پہلا معجزہ:۔ اس پتھر کا پہلا عجیب کارنامہ جو درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا وہ اس پتھر کی دانشمندانہ لمبی دوڑ ہے اور یہی معجزہ اس پتھر کے ملنے کی تاریخ ہے۔

اس کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ عام دستور تھا کہ وہ بالکل ننگے بدن ہو کر مجمع عام میں غسل کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام گو کہ اسی قوم کے ایک فرد تھے اور

اسی ماحول میں پلے بڑھے تھے، لیکن خداوند قدوس نے اُن کو نبوت و رسالت کی عظمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس لئے آپ کی عصمتِ نبوت بھلا اس حیا سوز بے غیرتی کو کب گوارا کر سکتی تھی۔ آپ بنی اسرائیل کی اس بے حیائی سے سخت نالاں اور انتہائی بیزار تھے اس لئے آپ ہمیشہ یا تو تنہائی میں یا تہبند پہن کر غسل فرمایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ آپ کبھی بھی ننگے ہو کر غسل نہیں فرماتے تو ظالموں نے آپ پر بہتان لگا دیا کہ آپ کے بدن کے اندرونی حصہ میں یا تو برص کا سفید داغ یا کوئی ایسا عیب ضرور ہے کہ جس کو چھپانے کے لئے یہ کبھی برہنہ نہیں ہوتے اور ظالموں نے اس تہمت کا اس قدر اعلان اور چرچا کیا کہ ہر کوچہ و بازار میں اس کا پروپیگنڈہ پھیل گیا۔ اس مکروہ تہمت کی شورِش کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب نازک پر بڑا صدمہ و رنج گزرا اور آپ بڑی کوفت اور اذیت میں پڑ گئے۔ تو خداوند قدوس اپنے مقدس کلیم کے رنج و غم کو بھلا کب گوارا فرماتا۔ اور اپنے ایک برگزیدہ رسول پر ایک عیب کی تہمت بھلا خالق عالم کو کب اور کیونکر اور کس طرح پسند ہو سکتی تھی۔ اَرحم الرَّاحمین نے آپ کی برأت اور بے عیبی ظاہر کر دینے کا ایک ایسا ذریعہ پیدا فرما دیا کہ دم زدن میں بنی اسرائیل کے پروپیگنڈوں اور اُن کے شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے اور آپ کی برأت اور بے عیبی کا سورج آفتاب عالمتاب سے زیادہ روشن و آشکارا ہو گیا۔

اور وہ یوں ہوا کہ ایک دن آپ پہاڑوں کے دامنوں میں چھپے ہوئے ایک چشمہ پر غسل کے لئے تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر کہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان نہیں ہے، آپ اپنے تمام کپڑوں کو ایک پتھر پر رکھ کر اور بالکل برہنہ بدن ہو کر غسل فرمانے لگے، غسل کے بعد جب آپ لباس پہننے کے لئے پتھر کے پاس پہنچے تو کیا دیکھا کہ وہ پتھر آپ کے کپڑوں کو لئے ہوئے سرپٹ بھاگا چلا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس پتھر کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے کہ ثوبی حجر، ثوبی حجر۔ یعنی اے پتھر! میرا کپڑا۔ اے پتھر میرا

کپڑا۔ مگر یہ پتھر برابر بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ شہر کی بڑی بڑی سڑکوں سے گزرتا ہوا گلی کوچوں میں پہنچ گیا۔ اور آپ بھی برہنہ بدن ہونے کی حالت میں برابر پتھر کو دوڑاتے چلے گئے۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ہر چھوٹے بڑے نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سر سے پاؤں تک آپ کے مقدس بدن میں کہیں بھی کوئی عیب نہیں ہے بلکہ آپ کے جسم اقدس کا ہر حصہ حسن و جمال میں اس قدر نقطۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ عام انسانوں میں اس کی مثال تقریباً محال ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے ہر ہر فرد کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ وَاللّٰہِ مَابِمُوْسٰی مِنْ بَاس یعنی خدا کی قسم موسیٰ بالکل ہی بے عیب ہیں۔

جب یہ پتھر پوری طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت کا اعلان کر چکا تو خود بخود ٹھہر گیا۔ آپ نے جلدی سے اپنا لباس پہن لیا اور اس پتھر کو اٹھا کر اپنے جھولے میں رکھ لیا۔

(بخاری شریف، کتاب الانبیاء، باب ۳۰، ج ۲، ص ۴۴۲، رقم ۳۴۰۴، وتفسیر الصاوی، ج ۵، ص ۱۶۵۹، پ ۲۲، الاحزاب: ۶۹)

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴿۶۹﴾ (پ ۲۲، الاحزاب: ۶۹)

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اُن جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے اسے بری فرما دیا اس بات سے جو اُنہوں نے کہی۔ اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والا ہے۔

دوسرا معجزہ: "میدان تیہ" میں اسی پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مار دیا تھا تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تھے جس کے پانی کو چالیس برس تک بنی اسرائیل میدان تیہ میں استعمال کرتے رہے۔ جس کا پورا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ قرآن مجید کی آیت

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ (پ ۱، البقرۃ: ۶۰)

میں ''پتھر'' سے یہی پتھر مراد ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: معجزات کے منکرین جو ہر چیز کو اپنی ناقص عقل کی عینک ہی سے دیکھا کرتے ہیں۔ اس پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا محال قرار دے کر اس معجزہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری عقل اس کو قبول نہیں کرسکتی کہ اتنے چھوٹے سے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ حالانکہ یہ منکرین اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بعض پتھروں میں خداوند تعالیٰ نے یہ تاثیر پیدا فرما دی ہے کہ وہ بال مونڈ دیتے ہیں، بعض پتھروں کا یہ اثر ہے کہ وہ سرکہ کو تیز اور ترش بنا دیتے ہیں، بعض پتھروں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ لوہے کو دور سے کھینچ لیتے ہیں، بعض پتھروں سے موذی جانور بھاگ جاتے ہیں، بعض پتھروں سے جانوروں کا زہر اتر جاتا ہے، بعض پتھر دل کی دھڑکن کے لئے تریاق ہیں، بعض پتھروں کو نہ آگ جلا سکتی ہے نہ گرم کرسکتی ہے، بعض پتھروں سے آگ نکل پڑتی ہے، بعض پتھروں سے آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے تو جب خداوند قدوس نے پتھروں میں قسم قسم کے اثرات پیدا فرما دیئے ہیں تو پھر اس میں کون سی خلافِ عقل اور محال بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پتھر میں اللہ تعالیٰ نے یہ اثر بخش دیا اور اس میں یہ خاصیت عطا فرما دی کہ وہ زمین کے اندر سے پانی جذب کر کے چشموں کی شکل میں باہر نکالتا رہے یا اس پتھر میں یہ تاثیر ہو کہ جو ہوا اس پتھر سے ٹکراتی ہو وہ پانی بن کر مسلسل بہتی رہے یہ خداوند قادر و قدیر کی قدرت سے ہرگز ہرگز نہ کوئی بعید ہے نہ محال نہ خلافِ عقل۔ لہٰذا اس معجزہ پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اِس کا انکار کفر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (پ ۱، البقرۃ: ۷۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو اُن سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

بہر حال پتھروں سے پانی نکلنا یہ روزانہ کا چشم دید مشاہدہ ہے تو پھر بھلا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہو جانا کیونکر خلافِ عقل اور محال قرار دیا جا سکتا ہے۔

﴿۳﴾ میدانِ تیہ

جب فرعون دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان نصیب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کا لشکر لے کر ارضِ مقدس (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں۔ اُس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی قوم کا قبضہ تھا جو بدترین کفار تھے اور بہت طاقتور و جنگجو اور نہایت ہی ظالم لوگ تھے چنانچہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر قوم عمالقہ سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے مگر جب بنی اسرائیل بیت المقدس کے قریب پہنچے تو ایک دم بزدل ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس شہر میں ''جبارین'' (عمالقہ) ہیں جو بہت ہی زور آور اور زبردست ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ شہر میں رہیں گے ہم ہرگز ہرگز شہر میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کا خدا جا کر اس زبردست قوم سے جنگ کریں۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بنی اسرائیل کی زبان سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا رنج و صدمہ ہوا اور آپ نے باری تعالیٰ کے دربار میں یہ عرض کیا کہ

رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ (پ۶، المآئدۃ:۲۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو اُن

بے حکموں سے جدا رکھ۔

اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب وجلال کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ (پ ۶، المائدۃ: ۲۶)

ترجمہ کنزالایمان: تو وہ زمین اُن پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم اُن بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ چھ لاکھ بنی اسرائیل ایک میدان میں چالیس برس تک بھٹکتے رہے مگر اس میدان سے باہر نہ نکل سکے۔ اسی میدان کا نام ''میدان تیہ'' ہے۔ اس میدان میں بنی اسرائیل کے کھانے کے لئے ''من وسلویٰ'' نازل ہوا۔ اور پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مار دیا تو پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے بار بار مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس میں سے سورۂ مائدہ میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا ہے جو بلاشبہ ایک عجیب الشان واقعہ ہے جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی تعجب خیز اور حیرت انگیز داستان ہے مگر اس کے باوجود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت وشفقت بنی اسرائیل پر ہمیشہ رہی کہ جب یہ لوگ میدان تیہ میں بھوکے پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگ کر اُن لوگوں کے کھانے کے لئے من وسلویٰ نازل کرایا۔ اور پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کرادیئے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر اور آپ کے حلم اور تحمل کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

﴿۴﴾ روشن ہاتھ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہدایت کے لئے اُس کے دربار میں بھیجا تو دو معجزات آپ کو عطا فرما کر بھیجا۔ ایک ''عصا'' دوسرا ''ید بیضا'' (روشن ہاتھ) حضرت

موسیٰ علیہ السلام اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتے تھے تو ایک دم آپ کا ہاتھ روشن ہو کر چمکنے لگتا تھا، پھر جب آپ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال دیتے تو وہ اپنی اصلی حالت پر ہو جایا کرتا تھا۔ اس معجزہ کو قرآنِ عظیم نے مختلف سورتوں میں بار بار ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا کہ

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾ (پ۱۶،طٰہٰ:۲۲،۲۳)

ترجمہ کنزالایمان: اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا خوب سپید نکلے گا بے کسی مرض کے ایک اور نشانی کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔

اسی معجزہ کا نام ''ید بیضاء'' ہے جو ایک عجیب اور عظیم معجزہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک سے رات اور دن میں آفتاب کی طرح نور نکلتا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص۵۶۳،پ۱۶،طٰہٰ۲۲)

﴿۵﴾ مَنّ و سَلوٰی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کے افراد کے ساتھ میدانِ تیہ میں مقیم تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے کھانے کے لئے آسمان سے دو کھانے اتارے۔ ایک کا نام ''من'' اور دوسرے کا نام ''سلویٰ'' تھا۔ من بالکل سفید شہد کی طرح ایک حلوہ تھا۔ یا سفید رنگ کی شہد ہی تھی جو روزانہ آسمان سے بارش کی طرح برستی تھی اور سلویٰ پکی ہوئی بٹیریں تھیں جو دکھنی ہوا کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا شمار کراتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ (پ۱،البقرۃ:۵۷)

ترجمہ کنزالایمان: اور تم پر مَن اور سلویٰ اُتارا۔

اس مَن وسلویٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم تھا کہ روزانہ تم لوگ اس کو کھالیا کرو اور کل کے لئے ہرگز ہرگز اس کا ذخیرہ مت کرنا۔ مگر بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں کو یہ ڈر لگنے لگا اگر کسی دن من وسلویٰ نہ اترا تو ہم لوگ اس بے آب وگیاہ، چٹیل میدان میں بھوکے مرجائیں گے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے کچھ چھپا کر کل کے لئے رکھ لیا تو نبی کی نافرمانی سے ایسی نحوست پھیل گئی کہ جو کچھ لوگوں نے کل کے لئے جمع کیا تھا وہ سب سڑ گیا اور آئندہ کے لئے اس کا اُترنا بند ہو گیا اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل نہ ہوتے تو نہ کھانا کبھی خراب ہوتا اور نہ گوشت سڑتا، کھانے کا خراب ہونا اور گوشت کا سڑنا اسی تاریخ سے شروع ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے نہ کھانا بگڑتا تھا نہ گوشت سڑتا تھا۔

(تفسیر روح البیان، ج ۱، پ ۱، البقرۃ ۵۷)

﴿۶﴾ بارہ ھزار یھودی بندر ھو گئے

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم کے ستر ہزار آدمی ''عقبہ'' کے پاس سمندر کے کنارے ''ایلہ'' نامی گاؤں میں رہتے تھے اور یہ لوگ بڑی فراخی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا اس طرح امتحان لیا کہ سنیچر کے دن مچھلی کا شکار اُن لوگوں پر حرام فرما دیا اور ہفتے کے باقی دنوں میں شکار حلال فرما دیا مگر اس طرح اُن لوگوں کو آزمائش میں مبتلا فرما دیا کہ سنیچر کے دن بے شمار مچھلیاں آتی تھیں اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں تو شیطان نے اُن لوگوں کو یہ حیلہ بتا دیا کہ سمندر سے کچھ نالیاں نکال کر خشکی میں چند حوض بنالو اور جب سنیچر کے دن اُن نالیوں کے ذریعہ مچھلیاں حوض میں آجائیں تو نالیوں کا منہ بند کر دو۔ اور اس دن شکار نہ کرو بلکہ دوسرے دن آسانی کے ساتھ اُن مچھلیوں کو پکڑ لو۔ اُن لوگوں کو یہ شیطانی حیلہ بازی پسند آ گئی اور اُن لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ جب مچھلیاں نالیوں اور حوضوں میں مقید ہو گئیں تو یہی اُن کا شکار ہو گیا۔ تو سنیچر ہی کے دن شکار کرنا پایا گیا جو اُن کے لئے حرام تھا۔ اس

موقع پران یہودیوں کے تین گروہ ہو گئے۔

﴿۱﴾ کچھ لوگ ایسے تھے جو شکار کے اس شیطانی حیلہ سے منع کرتے رہے اور ناراض و بیزار ہو کر شکار سے باز رہے۔

﴿۲﴾ اور کچھ لوگ اس کام کو دل سے برا جان کر خاموش رہے دوسروں کو منع نہ کرتے تھے بلکہ منع کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ تم لوگ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے۔

﴿۳﴾ اور کچھ وہ سرکش و نافرمان لوگ تھے جنہوں نے حکم خداوندی کی اعلانیہ مخالفت کی اور شیطان کی حیلہ بازی کو مان کر سنیچر کے دن شکار کر لیا اور ان مچھلیوں کو کھایا اور بیچا بھی۔

جب نافرمانوں نے منع کرنے کے باوجود شکار کر لیا تو منع کرنے والی جماعت نے کہا کہ اب ہم ان معصیت کاروں سے کوئی میل ملاپ نہ رکھیں گے چنانچہ ان لوگوں نے گاؤں کو تقسیم کر کے درمیان میں ایک دیوار بنا لی اور آمدورفت کا ایک الگ دروازہ بھی بنا لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر شکار کرنے والوں پر لعنت فرما دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک دن خطا کاروں میں سے کوئی باہر نہیں نکلا۔ تو انہیں دیکھنے کے لئے کچھ لوگ دیوار پر چڑھ گئے تو کیا دیکھا کہ وہ سب بندروں کی صورت میں مسخ ہو گئے ہیں۔ اب لوگ ان مجرموں کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو وہ بندر اپنے رشتہ داروں کو پہچانتے تھے اور ان کے پاس آ کر اُن کے کپڑوں کو سونگھتے تھے اور زار و زار روتے تھے، مگر لوگ اُن بندر بن جانے والوں کو نہیں پہچانتے تھے۔ اُن بندر بن جانے والوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ یہ سب تین دن تک زندہ رہے اور اس درمیان میں کچھ بھی کھا پی نہ سکے بلکہ یوں ہی بھوکے پیاسے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ شکار سے منع کرنے والا گروہ ہلاکت سے سلامت رہا۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ دل سے برا جان کر خاموش رہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاکت سے بچا لیا۔

(تفسیرالصاوی، ج ۱،ص ۷۲،پ ۱،البقرۃ: ۶۵)

اس واقعہ کا اجمالی بیان تو سورہ بقرہ کی اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ (پ ۱،البقرۃ: ۶۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور بے شک ضرور تمہیں معلوم ہے تم میں کے وہ جنہوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

اور مفصل واقعہ سورۂ اعراف میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

اوران سے حال پوچھواس بستی کا کہ دریا کنارے تھی۔ جب وہ ہفتے کے بارے میں حد سے بڑھتے۔ جب ہفتے کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا نہ آتیں اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے ان کی بے حکمی کے سبب اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا۔ بولے تمہارے رب کے حضور معذرت کو اور شاید انہیں ڈر ہو پھر جب وہ بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھی ہم نے بچا لئے وہ جو برائی سے منع کرتے تھے۔ اور ظالموں کو بُرے عذاب میں پکڑا بدلہ ان کی نافرمانی کا۔ پھر جب انہوں نے ممانعت کے حکم سے سرکشی کی ہم نے ان سے فرمایا ہو جاؤ بندر دتکارے ہوئے۔

(پ ۹،الاعراف: ۱۶۳ تا ۱۶۶)

درس ہدایت:۔ معلوم ہوا کہ شیطانی حیلہ بازیوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانیوں کا انجام کتنا برا اور کس قدر خطرناک ہوتا ہے۔ اور خدا کے نبی جن بد نصیبوں پر لعنت فرما دیں وہ کیسے ہولناک عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو کر عذاب نار میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ (**نعوذ باللہ منہ**)

اصحابِ ایلہ کے اس دل ہلا دینے والے واقعہ میں ہر مسلمان کے لئے بہت بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کا سامان ہے۔ کاش! اس واقعہ سے مسلمانوں کے قلوب میں خوفِ خداوندی کی لہر پیدا ہو جائے اور وہ اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانیوں کی پگڈنڈیوں میں بھٹکنے سے منہ موڑ کر صراطِ مستقیم کی شاہراہ پر چل پڑیں اور دونوں جہانوں کی سربلندیوں سے سرفراز ہو کر اعزاز و اکرام کی سلطنت کے تاجدار بن جائیں۔

﴿۷﴾ دنیا کی سب سے قیمتی گائے

یہ بہت ہی اہم اور نہایت ہی شاندار قرآنی واقعہ ہے۔ اور اسی واقعہ کی وجہ سے قرآن مجید کی اس سورۃ کا نام ''سورۂ بقرہ'' (گائے والی سورۃ) رکھا گیا ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت ہی نیک اور صالح بزرگ تھے اور ان کا ایک ہی بچہ تھا جو نابالغ تھا۔ اور ان کے پاس فقط ایک گائے کی بچھیا تھی۔ ان بزرگ نے اپنی وفات کے قریب اس بچھیا کو جنگل میں لے جا کر ایک جھاڑی کے پاس یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ یا اللہ (عزوجل) میں اس بچھیا کو اس وقت تک تیری امانت میں دیتا ہوں کہ میرا بچہ بالغ ہو جائے۔ اس کے بعد ان بزرگ کی وفات ہو گئی اور بچھیا چند دنوں میں بڑی ہو کر درمیانی عمر کی ہو گئی اور بچہ جوان ہو کر اپنی ماں کا بہت ہی فرمانبردار اور انتہائی نیکوکار رہا۔ اس نے اپنی رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ میں سوتا تھا، اور ایک حصہ میں عبادت کرتا تھا، اور ایک حصہ میں اپنی ماں کی خدمت کرتا تھا۔ اور روزانہ صبح کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور ان کو فروخت کر کے ایک تہائی رقم صدقہ کر دیتا اور ایک تہائی اپنی ذات پر خرچ کرتا اور ایک تہائی رقم اپنی والدہ کو دے دیتا۔

ایک دن لڑکے کی ماں نے کہا کہ میرے پیارے بیٹے! تمہارے باپ نے میراث میں ایک بچھیا چھوڑی تھی جس کو انہوں نے فلاں جھاڑی کے پاس جنگل میں خدا (عزوجل) کی

امانت میں سونپ دیا تھا۔اب تم اس جھاڑی کے پاس جا کر یوں دعا مانگو کہ اے حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل وحضرت اسحٰق (علیہم السلام) کے خدا! تو میرے باپ کی سونپی ہوئی امانت مجھے واپس دے دے اور اس بچھیا کی نشانی یہ ہے کہ وہ پیلے رنگ کی ہے۔اور اس کی کھال اس طرح چمک رہی ہوگی کہ گویا سورج کی کرنیں اس میں سے نکل رہی ہیں۔یہ سن کر لڑکا جنگل میں اس جھاڑی کے پاس گیا اور دعا مانگی تو فوراً ہی وہ گائے دوڑتی ہوئی آ کر اس کے پاس کھڑی ہوگئی اور یہ اس کو پکڑ کر گھر لایا تو اس کی ماں نے کہا۔بیٹا تم اس گائے کو لے جا کر بازار میں تین دینار میں فروخت کر ڈالو۔لیکن کسی گاہک کو بغیر میرے مشورہ کے مت دینا۔ان دنوں بازار میں گائے کی قیمت تین دینار ہی تھی۔بازار میں ایک گاہک آیا جو درحقیقت فرشتہ تھا۔اس نے کہا کہ میں گائے کی قیمت تین دینار سے زیادہ دوں گا مگر تم ماں سے مشورہ کئے بغیر گائے میرے ہاتھ فروخت کر ڈالو۔لڑکے نے کہا کہ تم خواہ کتنی بھی زیادہ قیمت دو مگر میں اپنی ماں سے مشورہ کئے بغیر ہرگز ہرگز اس گائے کو نہیں بیچوں گا۔لڑکے نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا تو ماں نے کہا کہ یہ گاہک شاید کوئی فرشتہ ہو۔تو اے بیٹا! تم اس سے مشورہ کرو کہ ہم اس گائے کو ابھی فروخت کریں یا نہ کریں۔چنانچہ اس لڑکے نے بازار میں جب اس گاہک سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ ابھی تم اس گائے کو نہ فروخت کرو۔آئندہ اس گائے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لوگ خریدیں گے تو تم اس گائے کے چمڑے میں سونا بھر کر اس کی قیمت طلب کرنا تو وہ لوگ اتنی ہی قیمت دے کر خریدیں گے۔

چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد بنی اسرائیل کے ایک بہت مالدار آدمی کو جس کا نام عامیل تھا۔اس کے چچا کے دونوں لڑکوں نے اس کو قتل کر دیا۔اور اس کی لاش کو ایک ویرانے میں ڈال دیا۔صبح کو قاتل کی تلاش شروع ہوئی مگر جب کوئی سراغ نہ ملا تو کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قاتل کا پتا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ایک گائے ذبح

کرواور اس کی زبان یا دم کی ہڈی سے لاش کو مارو تو وہ زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ یہ سن کر بنی اسرائیل نے گائے کے رنگ، اس کی عمر وغیرہ کے بارے میں بحث و کرید شروع کر دی۔ اور بالآخر جب وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ فلاں قسم کی گائے چاہئے تو ایسی گائے کی تلاش شروع کر دی یہاں تک کہ جب یہ لوگ اس لڑکے کی گائے کے پاس پہنچے تو ہو بہو یہ ایسی ہی گائے تھی جس کی ان لوگوں کو ضرورت تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے گائے کو اس کے چمڑے میں بھر کر سونا اس کی قیمت دے کر خریدا اور ذبح کر کے اس کی زبان یا دم کی ہڈی سے مقتول کی لاش کو مارا تو وہ زندہ ہو کر بول اٹھا کہ میرے قاتل میرے چچا کے دونوں لڑکے ہیں جنہوں نے میرے مال کے لالچ میں مجھ کو قتل کر دیا ہے یہ بتا کر پھر وہ مر گیا۔ چنانچہ ان دونوں قاتلوں کو قصاص میں قتل کر دیا گیا اور مرد صالح کا لڑکا جو اپنی ماں کا فرمانبردار تھا کثیر دولت سے مالا مال ہو گیا۔ (تفسیر الصاوی، ج ۱، ص ۷۵، پ ۱، البقرۃ: ۷۱)

اس پورے مضمون کو قرآن مجید کی مقدس آیتوں میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں۔ فرمایا خدا کی پناہ کہ میں جاہلوں سے ہوں۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے گائے کیسی۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ اوسر بلکہ ان دونوں کے بیچ میں تو کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے ہمیں بتا دے اس کا رنگ کیا ہے کہا وہ فرماتا ہے، وہ ایک پیلی گائے ہے۔ جس کی رنگت ڈہڈہاتی دیکھنے والوں کو خوشی دیتی۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صاف بیان کرے وہ گائے کیسی ہے بے شک گائیوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے، بے عیب ہے جس میں کوئی داغ نہیں۔ بولے اب آپ ٹھیک

بات لائے۔تو اسے ذبح کیا اور ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔اور جب تم نے ایک خون کیا تو ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے۔اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔تو ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔اللہ یونہی مردے جلائے گا اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمہیں عقل ہو۔ (پ ۱،البقرۃ: ۶۷تا۸۳)

درس ہدایت :۔اس واقعہ سے بہت سی عبرت انگیز اور نصیحت خیز باتیں اور احکام معلوم ہوئے ان میں سے چند یہ ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں:

﴿۱﴾ خدا کے نیک بندوں کے چھوڑے ہوئے مال میں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے۔دیکھ لو کہ اس مرد صالح نے صرف ایک بچھیا چھوڑ کر وفات پائی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ ان کے وارثوں کو اس ایک بچھیا کے ذریعے بے شمار دولت مل گئی۔

﴿۲﴾ اس مرد صالح نے اولاد پر شفقت کرتے ہوئے بچھیا کو اللہ کی امانت میں سونپا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ اولاد پر شفقت رکھنا اور اولاد کے لئے کچھ مال چھوڑ جانا یہ اللہ والوں کا طریقہ ہے۔

﴿۳﴾ ماں باپ کی فرماں برداری اور خدمت گزاری کرنے والوں کو خداوند کریم غیب سے بے شمار رزق کا سامان عطا فرما دیتا ہے۔دیکھ لو کہ اس یتیم لڑکے کو ماں کی خدمت اور فرماں برداری کی بدولت اللہ تعالیٰ نے کس قدر صاحبِ مال اور خوش حال بنا دیا۔

﴿۴﴾ خداوند قدوس کے احکام میں بحث اور کرید کرنا مصیبتوں کا سبب ہوا کرتا ہے۔دیکھ لو بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو فرض ادا ہو جاتا مگر ان لوگوں نے جب بحث اور کرید شروع کر دی کہ کیسی گائے ہو؟ کیسا رنگ ہو؟ کتنی عمر ہو؟ تو مصیبت میں پڑ گئے کہ انہیں ایک ایسی گائے ذبح کرنی پڑی جو بالکل نایاب تھی۔اسی لئے اس کی قیمت اتنی زیادہ ادا کرنی پڑی کہ دنیا میں کسی گائے کی اتنی قیمت نہ ہوئی،

نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔

﴿۵﴾ جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی امانت میں سونپ دے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اس میں بے حساب خیر و برکت عطا فرما دیتا ہے۔

﴿۶﴾ جو اپنے اہل وعیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دے اللہ تعالیٰ اس کے اہل وعیال کی ایسی پرورش فرماتا ہے کہ جس کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔

﴿۷﴾ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو پیلے رنگ کا جوتا پہنے گا وہ ہمیشہ خوش رہے گا۔ اور اس کو غم بہت کم ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیلی گائے کے لئے یہ فرمایا کہ "تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾" کہ وہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے۔

(تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۱۶۰، پ ۱، البقرۃ: ۶۹)

﴿۸﴾ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور جس قدر بھی زیادہ بے عیب اور خوبصورت اور قیمتی ہو اسی قدر زیادہ بہتر ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۸﴾ ستر ہزار مردے زندہ ہو گئے

یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم کا ایک بڑا ہی عبرت خیز اور انتہائی نصیحت آمیز واقعہ ہے جس کو خداوند قدوس نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کون تھے ؟:۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ ہیں جو منصب نبوت پر سرفراز کئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اقدس کے بعد آپ کے خلیفۂ اول حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی۔ ان کے بعد حضرت کالب بن یوحنا علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلافت سے سرفراز ہو کر مرتبہ نبوت پر فائز ہوئے۔ پھر ان کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین اور نبی ہوئے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب ابن العجوز (بڑھیا کے بیٹے) ہے۔ اور آپ ذوالکفل بھی کہلاتے ہیں۔ "ابن العجوز" کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب کہ ان کی والدہ ماجدہ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ اور آپ کا لقب ذوالکفل اس لئے ہوا کہ آپ نے اپنی کفالت میں لے کر ستر انبیاء کرام کو قتل سے بچا لیا تھا جن کے قتل پر یہودی قوم آمادہ ہو گئی تھی۔ پھر یہ خود بھی خدا کے فضل و کرم سے یہودیوں کی تلوار سے بچ گئے اور برسوں زندہ رہ کر اپنی قوم کو ہدایت فرماتے رہے۔

(تفسیر الصاوی، ج ۱، ص ۲۰٦، پ ۲، البقرۃ ۲۴۳)

مردوں کے زندہ ہونے کا واقعہ:۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت جو حضرت حزقیل علیہ السلام کے شہر میں رہتی تھی، شہر میں طاعون کی وبا پھیل جانے سے ان لوگوں پر موت کا خوف سوار ہو گیا۔ اور یہ لوگ موت کے ڈر سے سب کے سب شہر چھوڑ کر ایک جنگل میں بھاگ گئے اور وہیں رہنے لگے تو اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی یہ حرکت بہت زیادہ ناپسند ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب کے فرشتہ کو اس جنگل میں بھیج دیا۔ جس نے ایک پہاڑ کی آڑ میں چھپ کر اور چیخ مار کر بلند آواز سے یہ کہہ دیا کہ "موتوا" یعنی تم سب مر جاؤ اور اس مہیب اور بھیانک چیخ کو سن کر بغیر کسی بیماری کے بالکل اچانک یہ سب کے سب مر گئے جن کی تعداد ستر ہزار تھی۔ ان مردوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ لوگ ان کے کفن و دفن کا کوئی انتظام نہیں کر سکے اور ان مردوں کی لاشیں کھلے میدان میں بے گور و کفن آٹھ دن تک پڑی پڑی سڑنے لگیں اور بے انتہا تعفن اور بدبو سے پورے جنگل بلکہ اس کے اطراف میں بدبو پیدا ہو گئی۔ کچھ لوگوں نے ان کی لاشوں پر رحم کھا کر چاروں طرف سے دیوار اٹھا دی تا کہ یہ لاشیں درندوں سے محفوظ رہیں۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا اس جنگل میں ان لاشوں کے پاس گزر ہوا تو اپنی قوم کے ستر ہزار انسانوں کی اس موتِ ناگہانی اور بے گور و کفن لاشوں کی فراوانی دیکھ کر رنج و غم سے ان کا دل بھر گیا۔ آبدیدہ ہو گئے اور باری تعالیٰ کے دربار میں دکھ بھرے دل سے گڑ گڑا کر دعا مانگنے لگے کہ یا اللہ یہ میری قوم کے افراد تھے جو اپنی نادانی سے یہ غلطی کر بیٹھے کہ موت کے ڈر سے شہر چھوڑ کر جنگل میں آ گئے۔ یہ سب میرے شہر کے باشندے ہیں ان لوگوں سے مجھے انس تھا اور یہ لوگ میرے دکھ سکھ کے شریک تھے۔ افسوس کہ میری قوم ہلاک ہو گئی اور میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ اے میرے رب یہ وہ قوم تھی جو تیری حمد کرتی تھی اور تیری توحید کا اعلان کرتی تھی اور تیری کبریائی کا خطبہ پڑھتی تھی۔

آپ بڑے سوزِ دل کے ساتھ دعا میں مشغول تھے کہ اچانک آپ پر یہ وحی اتر پڑی کہ اے حزقیل (علیہ السلام) آپ ان بکھری ہوئی ہڈیوں سے فرما دیجئے کہ اے ہڈیو! بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم اکٹھا ہو جاؤ۔ یہ سن کر بکھری ہوئی ہڈیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور ہر آدمی کی ہڈیاں جمع ہو کر ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے۔ پھر یہ وحی آئی کہ اے حزقیل (علیہ السلام) آپ فرما دیجئے کہ اے ہڈیو! تم کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ تم گوشت پہن لو۔ یہ کلام سنتے ہی فوراً ہڈیوں کے ڈھانچوں پر گوشت پوست چڑھ گئے۔ پھر تیسری بار یہ وحی نازل ہوئی۔ اے حزقیل اب یہ کہہ دو کہ اے مردو! خدا کے حکم سے تم سب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ نے یہ فرما دیا تو آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلتے ہی ستر ہزار لاشیں دم زدن میں ناگہاں یہ پڑھتے ہوئے کھڑی ہو گئیں کہ "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ۔ پھر یہ سب لوگ جنگل سے روانہ ہو کر اپنے شہر میں آ کر دوبارہ آباد ہو گئے۔ اور اپنی عمروں کی مدت بھر زندہ رہے لیکن ان لوگوں پر اس موت کا اتنا نشان باقی رہ گیا کہ ان کی اولاد کے جسموں سے سڑی ہوئی لاش کی

بدبو برابر آتی رہی اور یہ لوگ جو کپڑا بھی پہنتے تھے وہ کفن کی صورت میں ہوجاتا تھا۔ اور قبر میں جس طرح کفن میلا ہوجاتا تھا ایسا ہی میلا پن ان کے کپڑوں پر نمودار ہوجاتا تھا۔ چنانچہ یہ اثرات آج تک ان یہودیوں میں پائے جاتے ہیں جو ان لوگوں کی نسل سے باقی رہ گئے ہیں۔

(تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۳۷۸، پ ۲، البقرۃ: ۲۴۳)

یہ عجیب وغریب واقعہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں خداوند قدوس نے اس طرح بیان فرمایا کہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ (پ ۲، البقرۃ: ۲۴۳)

ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ پھر اُنہیں زندہ فرما دیا بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

درس ہدایت: بنی اسرائیل کے اس محیرالعقول واقعہ سے مندرجہ ذیل ہدایات ملتی ہیں:

﴿۱﴾ آدمی موت کے ڈر سے بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکتا۔ لہٰذا موت سے بھاگنا بالکل ہی بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو موت مقدر فرما دی ہے وہ اپنے وقت پر ضرور آئے گی نہ ایک سیکنڈ اپنے وقت سے پہلے آ سکتی ہے نہ ایک سیکنڈ بعد آئے گی لہٰذا بندوں کو لازم ہے کہ رضاء الٰہی پر راضی رہ کر صابر و شاکر رہیں اور خواہ کتنی ہی وبا پھیلے یا گھمسان کا رن پڑے اطمینان و سکون کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور یہ یقین رکھیں کہ جب تک میری موت نہیں آتی مجھے کوئی نہیں مار سکتا اور نہ میں مر سکتا ہوں اور جب میری موت آ جائے گی تو میں کچھ بھی کروں، کہیں بھی چلا جاؤں، بھاگ جاؤں یا ڈٹ کر کھڑا رہوں میں کسی حال میں بچ نہیں سکتا۔

﴿۲﴾ اس آیت میں خاص طور پر مجاہدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ جہاد سے گریز کرنا یا میدان

جنگ چھوڑ کر بھاگ جانا ہرگز موت کو دفع نہیں کرسکتا لہٰذا مجاہدین کو میدانِ جنگ میں دل مضبوط کر کے ڈٹے رہنا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ میں موت کے وقت سے پہلے نہیں مر سکتا، نہ کوئی مجھے مار سکتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والا اس قدر بہادر اور شیر دل ہو جاتا ہے کہ خوف اور بزدلی کبھی اس کے قریب نہیں آتی اور اس کے پائے استقلال میں کبھی بال برابر بھی کوئی لغزش نہیں آسکتی۔ اسلام کا بخشا ہوا یہی وہ مقدس عقیدہ ہے کہ جس کی بدولت مجاہدین اسلام ہزاروں کفار کے مقابلہ میں تنہا پہاڑ کی طرح جم کر جنگ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فتح مبین ان کے قدموں کا بوسہ لیتی تھی۔ اور وہ ہر جنگ میں مظفر و منصور ہو کر اجرِ عظیم اور مالِ غنیمت کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے گھروں میں اس حال میں واپس آتے تھے کہ ان کے جسموں پر زخموں کی کوئی خراش بھی نہیں ہوتی تھی اور وہ کفار کے دل بادل لشکروں کا صفایا کر دیتے تھے۔ شاعرِ مشرق نے اس منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے کسی مجاہد اسلام کی زبان سے یہ ترانہ سنایا ہے کہ ؎

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
حق سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

(کلیاتِ اقبال، بانگِ درا، ص ۱۶۴)

لطیفہ:۔ منقول ہے کہ بنوامیہ کا بادشاہ عبدالملک بن مروان جب ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی تو موت کے ڈر سے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے شہر سے بھاگ نکلا اور ساتھ میں اپنے

خاص غلام اور کچھ فوج بھی لے لی اور وہ طاعون کے ڈر سے اس قدر خائف اور ہراساں تھا کہ زمین پر پاؤں نہیں رکھتا تھا بلکہ گھوڑے کی پشت پر سوتا تھا۔ دورانِ سفر ایک رات اس کو نیند نہیں آئی۔ تو اس نے اپنے غلام سے کہا کہ تم مجھے کوئی قصہ سناؤ۔ تو ہوشیار غلام نے بادشاہ کو نصیحت کرنے کا موقع پا کر یہ قصہ سنایا کہ ایک لومڑی اپنی جان کی حفاظت کے لئے ایک شیر کی خدمت گزاری کیا کرتی تھی تو کوئی درندہ شیر کی ہیبت کی وجہ سے لومڑی کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اور لومڑی نہایت ہی بے خوفی اور اطمینان سے شیر کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ اچانک ایک دن ایک عقاب لومڑی پر جھپٹا تو لومڑی بھاگ کر شیر کے پاس چلی گئی۔ اور شیر نے اس کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا۔ عقاب دوبارہ جھپٹا اور لومڑی کو شیر کی پیٹھ پر سے اپنے چنگل میں دبا کر اڑ گیا۔ لومڑی چلا چلا کر شیر سے فریاد کرنے لگی تو شیر نے کہا کہ اے لومڑی! میں زمین پر رہنے والے درندوں سے تیری حفاظت کر سکتا ہوں لیکن آسمان کی طرف سے حملہ کرنے والوں سے میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ یہ قصہ سن کر عبدالملک بادشاہ کو بڑی عبرت حاصل ہوئی اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ میری فوج ان دشمنوں سے تو میری حفاظت کر سکتی ہے جو زمین پر رہتے ہیں مگر جو بلائیں اور وبائیں آسمان سے مجھ پر حملہ آور ہوں، ان سے مجھ کو نہ میری بادشاہی بچا سکتی ہے نہ میرا خزانہ اور نہ میرا لشکر میری حفاظت کر سکتا ہے۔ آسمانی بلاؤں سے بچانے والا تو بجز خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچ کر عبدالملک بادشاہ کے دل سے طاعون کا خوف جاتا رہا اور وہ رضاءِ الٰہی پر راضی رہ کر سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے شاہی محل میں رہنے لگا۔

(تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۳۷۸، پ ۲، البقرۃ: ۲۴۴)

﴿۹﴾ سو برس تک مردہ رہے پھر زندہ ہو گئے

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ واقعہ حضرت عزیر بن شرخیا علیہ السلام کا ہے جو بنی اسرائیل کے ایک نبی ہیں۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں تو

ان پر خدا کی طرف سے یہ عذاب آیا کہ بخت نصر بابلی ایک کافر بادشاہ نے بہت بڑی فوج کے ساتھ بیت المقدس پر حملہ کردیا اور شہر کے ایک لاکھ باشندوں کو قتل کردیا۔ اور ایک لاکھ کو ملک شام میں ادھر ادھر بکھیر کر آباد کردیا۔ اور ایک لاکھ کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنالیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام بھی انہیں قیدیوں میں تھے۔ اس کے بعد اس کافر بادشاہ نے پورے شہر بیت المقدس کو توڑ پھوڑ کر مسمار کردیا اور بالکل ویران بناڈالا۔

بخت نصر کون تھا؟:۔ قوم عمالقہ کا ایک لڑکا ان کے بت ''نصر'' کے پاس لاوارث پڑا ہوا ملا چونکہ اس کے باپ کا نام کسی کو نہیں معلوم تھا، اس لئے لوگوں نے اس کا نام بخت نصر (نصر کا بیٹا) رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کہراسف بادشاہ کی طرف سے سلطنت بابل پر گورنر مقرر ہو گیا۔ پھر یہ خود دنیا کا بہت بڑا بادشاہ ہو گیا۔

(تفسیر جمل، ج ۱، ص ۳۲۱، پ ۳، البقرۃ: ۲۵۹)

کچھ دنوں کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام جب کسی طرح ''بخت نصر'' کی قید سے رہا ہوئے تو ایک گدھے پر سوار ہو کر اپنے شہر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اپنے شہر کی ویرانی اور بربادی دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔ چاروں طرف چکر لگایا مگر انہیں کسی انسان کی شکل نظر نہیں آئی۔ ہاں یہ دیکھا کہ وہاں کے درختوں پر خوب زیادہ پھل آئے ہیں جو پک کر تیار ہو چکے ہیں مگر کوئی ان پھلوں کو توڑنے والا نہیں ہے۔ یہ منظر دیکھ کر نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکل پڑا کہ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا یعنی اس شہر کی ایسی بربادی اور ویرانی کے بعد بھلا کس طرح اللہ تعالیٰ پھر اس کو آباد کرے گا؟ پھر آپ نے کچھ پھلوں کو توڑ کر تناول فرمایا، اور انگوروں کو نچوڑ کر اس کا شیرہ نوش فرمایا پھر بچے ہوئے پھلوں کو اپنے جھولے میں ڈال لیا اور بچے ہوئے انگور کے شیرہ کو اپنی مشک میں بھر لیا اور اپنے گدھے کو ایک مضبوط رسی سے باندھ دیا۔ اور پھر آپ ایک درخت کے نیچے

لیٹ کر سو گئے اور اسی نیند کی حالت میں آپ کی وفات ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے درندوں، پرندوں، چرندوں اور جن و انسان سب کی آنکھوں سے آپ کو اوجھل کر دیا کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکا۔ یہاں تک کہ ستر برس کا زمانہ گزر گیا تو ملک فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس کے اس ویرانے میں داخل ہوا۔ اور بہت سے لوگوں کو یہاں لاکر بسایا اور شہر کو پھر دوبارہ آباد کر دیا۔ اور بچے کھچے بنی اسرائیل کو جو اطراف و جوانب میں بکھرے ہوئے تھے سب کو بلا بلا کر اس شہر میں آباد کر دیا۔ اور ان لوگوں نے نئی عمارتیں بنا کر اور قسم قسم کے باغات لگا کر اس شہر کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور بارونق بنا دیا۔

جب حضرت عزیر علیہ السلام کو پورے ایک سو برس وفات کی حالت میں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرمایا تو آپ نے دیکھا کہ آپ کا گدھا مر چکا ہے اور اس کی ہڈیاں گل سڑ کر ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ مگر تھیلے میں رکھے ہوئے پھل اور مشک میں رکھا ہوا انگور کا شیرہ بالکل خراب نہیں ہوا، نہ پھلوں میں کوئی تغیر نہ شیرے میں کوئی بو باس یا بدمزگی پیدا ہوئی ہے اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اب بھی آپ کے سر اور داڑھی کے بال کالے ہیں اور آپ کی عمر وہی چالیس برس ہے۔ آپ حیران ہو کر سوچ بچار میں پڑے ہوئے تھے کہ آپ پر وحی اتری اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے دریافت فرمایا کہ اے عزیر! آپ کتنے دنوں تک یہاں رہے؟ تو آپ نے خیال کر کے کہا کہ میں صبح کے وقت سویا تھا اور اب عصر کا وقت ہو گیا ہے، یہ جواب دیا کہ میں دن بھر یا دن بھر سے کچھ کم سوتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، اے عزیر! تم پورے ایک سو برس یہاں ٹھہرے رہے، اب تم ہماری قدرت کا نظارہ کرنے کے لئے ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کی ہڈیاں گل سڑ کر بکھر چکی ہیں اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں پر نظر ڈالو کہ ان میں کوئی خرابی اور بگاڑ نہیں پیدا ہوا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے عزیر! اب تم دیکھو کہ کس طرح ہم ان ہڈیوں کو اٹھا کر ان پر گوشت پوست چڑھا کر اس گدھے کو زندہ کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت

عزیر علیہ السلام نے دیکھا کہ اچانک بکھری ہوئی ہڈیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور ایک دم تمام ہڈیاں جمع ہو کر اپنے اپنے جوڑ سے مل کر گدھے کا ڈھانچہ بن گیا اور لمحہ بھر میں اس ڈھانچے پر گوشت پوست بھی چڑھ گیا اور گدھا زندہ ہو کر اپنی بولی بولنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام نے بلند آواز سے یہ کہا

اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾ (پ ۳، البقرۃ: ۲۵۹)

ترجمہ کنزالایمان: میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام شہر کا دورہ فرماتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں ایک سو برس پہلے آپ کا مکان تھا۔ تو نہ کسی نے آپ کو پہچانا نہ آپ نے کسی کو پہچانا۔ ہاں البتہ یہ دیکھا کہ ایک بہت ہی بوڑھی اور اپاہج عورت مکان کے پاس بیٹھی ہے جس نے اپنے بچپن میں حضرت عزیر علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا یہی عزیر کا مکان ہے تو اس نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ پھر بڑھیا نے کہا کہ عزیر کا کیا ذکر ہے؟ ان کو تو سو برس ہو گئے کہ وہ بالکل ہی لاپتہ ہو چکے ہیں یہ کہہ کر بڑھیا رونے لگی تو آپ نے فرمایا کہ اے بڑھیا! میں ہی عزیر ہوں تو بڑھیا نے کہا کہ سبحان اللہ آپ کیسے عزیر ہو سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اے بڑھیا! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سو برس مردہ رکھا۔ پھر مجھ کو زندہ فرما دیا اور میں اپنے گھر آ گیا ہوں تو بڑھیا نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام تو ایسے باکمال تھے کہ ان کی ہر دعا مقبول ہوتی تھی اگر آپ واقعی حضرت عزیر (علیہ السلام) ہیں تو میرے لئے دعا کر دیجئے کہ میری آنکھوں میں روشنی آجائے اور میرا فالج اچھا ہو جائے۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دعا کر دی تو بڑھیا کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں اور اس کا فالج بھی اچھا ہو گیا۔ پھر اس نے غور سے آپ کو دیکھا تو پہچان لیا اور بول اٹھی کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ یقیناً حضرت عزیر علیہ السلام ہی ہیں پھر وہ بڑھیا آپ کو لے کر بنی اسرائیل کے محلّہ میں گئی۔ اتفاق سے وہ سب لوگ ایک مجلس میں جمع

تھے اور اسی مجلس میں آپ کا لڑکا بھی موجود تھا جو ایک سو اٹھارہ برس کا ہو چکا تھا۔ اور آپ کے چند پوتے بھی تھے جو سب بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے مجلس میں شہادت دی اور اعلان کیا کہ اے لوگو! بلاشبہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہی ہیں مگر کسی نے بڑھیا کی بات کو صحیح نہیں مانا۔ اتنے میں ان کے لڑکے نے کہا کہ میرے باپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک کالے رنگ کا مسہ تھا جو چاند کی شکل کا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنا کرتا اتار کر دکھایا تو وہ مسہ موجود تھا۔ پھر لوگوں نے کہا کہ حضرت عزیر کو تو توراۃ زبانی یاد تھی اگر آپ عزیر ہیں تو زبانی توراۃ پڑھ کر سنائیے۔ آپ نے بغیر کسی جھجک کے فوراً پوری توراۃ پڑھ کر سنا دی۔ بخت نصر بادشاہ نے بیت المقدس کو تباہ کرتے وقت چالیس ہزار توراۃ کے عالموں کو چن چن کر قتل کر دیا تھا اور توراۃ کی کوئی جلد بھی اس نے زمین پر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت عزیر نے توراۃ صحیح پڑھی ہے یا نہیں؟ تو ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ جس دن ہم لوگوں کو بخت نصر نے گرفتار کیا تھا اس دن ایک ویرانے میں ایک انگور کی بیل کی جڑ میں توریت کی ایک جلد دفن کر دی گئی تھی اگر تم لوگ میرے دادا کے انگور کی جگہ کی نشان دہی کر دو تو میں توراۃ کی ایک جلد برآمد کر دوں گا۔ اس وقت پتا چل جائے گا کہ حضرت عزیر نے جو توراۃ پڑھی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ چنانچہ لوگوں نے تلاش کر کے اور زمین کھود کر توراۃ کی جلد نکال لی تو وہ حرف بہ حرف حضرت عزیر کی زبانی یاد کی ہوئی توراۃ کے مطابق تھی۔ یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ بے شک حضرت عزیر یہی ہیں اور یقیناً یہ خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے یہ غلط اور مشرکانہ عقیدہ یہودیوں میں پھیل گیا کہ معاذ اللہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ آج تک دنیا بھر کے یہودی اس باطل عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ **(معاذ اللہ)**

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۱، ص ۳۲۲، پ ۳، البقرۃ: ۲۵۹)

اللہ تعالٰی نے قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ میں اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَاۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَاۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًاؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴿۲۵۹﴾ (پ۳،البقرۃ:۲۵۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھئی پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا اسے کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا، عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم۔ فرمایا نہیں بلکہ تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بُو نہ لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ (کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

درس ہدایت:۔﴿۱﴾ان آیتوں میں صاف صاف موجود ہے کہ ایک ہی جگہ پر ایک ہی آب و ہوا میں حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا تو مر کر گل سڑ گیا اور اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئیں مگر پھلوں اور شیرۂ انگور اور خود حضرت عزیر علیہ السلام کی ذات میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ سو برس میں ان کے بال بھی سفید نہیں ہوئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی قبرستان کے اندر ایک ہی آب و ہوا میں اگر بعض مردوں کی لاشیں گل سڑ کر فنا

ہو جائیں اور بعض بزرگوں کی لاشیں سلامت رہ جائیں اور ان کے کفن بھی میلے نہ ہوں ایسا ہوسکتا ہے، بلکہ بارہا ایسا ہوا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کا یہ قرآنی واقعہ اس کی بہترین دلیل ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۲﴾ بیت المقدس کی تباہی اور ویرانی دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام غم میں ڈوب گئے اور فکرمند ہو کر یہ کہہ دیا کہ اس شہر کی بربادی اور ویرانی کے بعد کیونکر اللہ تعالیٰ اس شہر کو دوبارہ آباد فرمائے گا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے وطن اور شہر سے محبت کرنا اور الفت رکھنا یہ صالحین اور اللہ والوں کا طریقہ ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۱۰﴾ تابوتِ سکینہ

یہ شمشاد کی لکڑی کا ایک صندوق تھا جو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ یہ آپ کی آخرِ زندگی تک آپ کے پاس ہی رہا۔ پھر بطور میراث یکے بعد دیگرے آپ کی اولاد کو ملتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد بنی اسرائیل کے قبضے میں رہا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گیا تو آپ اس میں توراۃ شریف اور اپنا خاص خاص سامان رکھنے لگے۔

یہ بڑا ہی مقدس اور بابرکت صندوق تھا۔ بنی اسرائیل جب کفار سے جہاد کرتے تھے اور کفار کے لشکروں کی کثرت اور ان کی شوکت دیکھ کر سہم جاتے اور ان کے سینوں میں دل دھڑکنے لگتے تو وہ اس صندوق کو اپنے آگے رکھ لیتے تھے تو اس صندوق سے ایسی رحمتوں اور برکتوں کا ظہور ہوتا تھا کہ مجاہدین کے دلوں میں سکون و اطمینان کا سامان پیدا ہو جاتا تھا اور مجاہدین کے سینوں میں لرزتے ہوئے دل پتھر کی چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہو جاتے تھے۔ اور جس قدر صندوق آگے بڑھتا تھا آسمان سے **نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ** ؕ کی بشارت عظمیٰ نازل ہوا کرتی اور فتح مبین حاصل ہو جایا کرتی تھی۔

بنی اسرائیل میں جب کوئی اختلاف پیدا ہوتا تھا تو لوگ اسی صندوق سے فیصلہ کراتے تھے۔صندوق سے فیصلہ کی آواز اور فتح کی بشارت سنی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو اپنے آگے رکھ کر اور اس کو وسیلہ بنا کر دعائیں مانگتے تھے تو ان کی دعائیں مقبول ہوتی تھیں اور بلاؤں کی مصیبتیں اور دباؤں کی آفتیں ٹل جایا کرتی تھیں۔ الغرض یہ صندوق بنی اسرائیل کے لئے تابوتِ سکینہ، برکت و رحمت کا خزینہ اور نصرتِ خداوندی کے نزول کا نہایت مقدس اور بہترین ذریعہ تھا مگر جب بنی اسرائیل طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے اور ان لوگوں میں معاصی وطغیان اور سرکشی وعصیان کا دور دورہ ہو گیا تو ان کی بداعمالیوں کی نحوست سے ان پر خدا کا یہ غضب نازل ہو گیا کہ قوم عمالقہ کے کفار نے ایک لشکر جرار کے ساتھ ان لوگوں پر حملہ کر دیا،ان کافروں نے بنی اسرائیل کا قتل عام کر کے ان کی بستیوں کو تاخت وتاراج کر ڈالا۔عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر سارے شہر کو تہس نہس کر ڈالا،اور اس متبرک صندوق کو بھی اٹھا کر لے گئے۔اس مقدس تبرک کو نجاستوں کے کوڑے خانہ میں پھینک دیا۔لیکن اس بے ادبی کا قوم عمالقہ پر یہ وبال پڑا کہ یہ لوگ طرح طرح کی بیماریوں اور بلاؤں کے ہجوم میں جھنجھوڑ دیئے گئے۔ چنانچہ قوم عمالقہ کے پانچ شہر بالکل برباد اور ویران ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کافروں کو یقین ہو گیا کہ یہ صندوق رحمت کی بے ادبی کا عذاب ہم پر پڑ گیا ہے تو ان کافروں کی آنکھیں کھل گئیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر لاد کر بیلوں کو بنی اسرائیل کی بستیوں کی طرف ہانک دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چار فرشتوں کو مقرر فرما دیا جو اس مبارک صندوق کو بنی اسرائیل کے نبی حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔ اس طرح پھر بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی نعمت دوبارہ ان کو مل گئی۔ اور یہ صندوق ٹھیک اس وقت حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس پہنچا، جب کہ حضرت شمویل علیہ السلام نے طالوت کو بادشاہ بنا دیا تھا۔اور بنی اسرائیل طالوت

کی بادشاہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے اور یہی شرط ٹھہری تھی کہ مقدس صندوق آجائے تو ہم طالوت کی بادشاہی تسلیم کرلیں گے۔ چنانچہ صندوق آ گیا اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی پر رضامند ہو گئے۔

(تفسیر الصاوی، ج ۱، ص ۲۰۹۔تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۳۸۵۔پ ۲، البقرۃ ۲۴۷)

تابوتِ سکینہ میں کیا تھا؟: اس مقدس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی مقدس جوتیاں اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ، حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی، توراۃ کی تختیوں کے چند ٹکڑے، کچھ من وسلویٰ، اس کے علاوہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صورتوں کے حلیے وغیرہ سب سامان تھے۔

(تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۳۸۶، پ ۲، البقرۃ: ۲۴۸)

قرآن مجید میں خداوند قدوس نے سورۂ بقرہ میں اس مقدس صندوق کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ (پ ۲، البقرۃ: ۲۴۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی، اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔

درسِ ہدایت:۔ بنی اسرائیل کے صندوق کے اس واقعہ سے چند مسائل وفوائد پر روشنی پڑتی ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہیں:

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی خداوند قدوس کے دربار میں بڑی عزت وعظمت ہے اوران کے ذریعہ مخلوقِ خدا کو بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھ لو! اس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں، آپ کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی، تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ صندوق اس قدر مقبول اور مکرم و معظم ہوگیا کہ فرشتوں نے اس کو اپنے نورانی کندھوں پر اٹھا کر حضرت شمویل علیہ السلام کے دربارِ نبوت میں پہنچایا اور خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس بات کی شہادت دی کہ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ یعنی اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ یعنی مومنوں کے قلوب کا اطمینان اوران کی روحوں کی تسکین کا سامان تھا۔ مطلب یہ کہ اس پر رحمتِ الٰہی کے انوار و برکات کا نزول اور اس پر رحمتوں کی بارش ہوا کرتی تھی تو معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات جہاں اور جس جگہ بھی ہوں گے ضرور ان پر رحمت خداوندی کا نزول ہوگا۔ اور اس پر نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں سے مومنین کو سکونِ قلب اور اطمینانِ روح کے فیوض و برکات ملتے رہیں گے۔

﴿۲﴾ جس صندوق میں اللہ والوں کے لباس و عصا اور جوتیاں ہوں جب اس صندوق پر اطمینان کا سکینہ اور انوار و برکات کا خزینہ خدا کی طرف سے اترنا، قرآن سے ثابت ہے تو بھلا جس قبر میں ان بزرگوں کا پورا جسم رکھا ہوگا، کیا ان قبروں پر رحمت و برکت اور سکینہ و اطمینان نہیں اترے گا؟ ہر عاقل انسان جس کو خداوند عالم نے بصارت کے ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت بھی عطا فرمائی ہے، وہ ضرور اس بات پر ایمان لائے گا کہ جب بزرگوں کے لباس اوران کی جوتیوں پر سکینہ رحمت کا نزول ہوتا ہے تو ان بزرگوں کی قبروں پر بھی رحمتِ خداوندی کا خزینہ ضرور نازل ہوگا۔ اور جب بزرگوں کی قبروں پر رحمتوں کی بارش ہوتی ہے تو جو مسلمان ان مقدس قبروں کے پاس حاضر ہوگا ضرور اس پر بھی بارشِ انوار رحمت کے چند قطرات برس ہی جائیں گے کیونکہ جو موسلا دھار بارش میں کھڑا ہوگا ضرور اس کا کپڑا اور بدن بھیگے گا، جو دریا میں

غوطہ لگائے گا ضرور اس کا بدن پانی سے تر ہو گا، جو عطر کی دوکان پر بیٹھے گا ضرور اس کو خوشبو نصیب ہوگی۔تو ثابت ہوگیا کہ جو بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیں گے ضرور وہ فیوض و برکات کی دولتوں سے مالا مال ہوں گے اور ضرور ان پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہو گا جس سے ان کے مصائب و آلام دور ہوں گے اور دین و دنیا کے فوائد و منافع حاصل ہوں گے۔

﴿۳﴾ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ بزرگوں کے تبرکات یا ان کی قبروں کی اہانت و بے ادبی کریں گے وہ ضرور قہرِ قہار اور غضبِ جبار میں گرفتار ہوں گے کیونکہ قوم عمالقہ جنہوں نے اس صندوق کی بے ادبی کی تھی ان پر ایسا قہرِ الٰہی کا پہاڑ ٹوٹا کہ وہ بلاؤں کے ہجوم سے بلبلا اٹھے اور کافر ہوتے ہوئے انہوں نے اس بات کو مان لیا کہ ہم پر بلاؤں اور وباؤں کا حملہ اسی صندوق کی بے ادبی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لئے ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو بیل گاڑی پر لاد کر بنی اسرائیل کی بستی میں بھیج دیا تا کہ وہ لوگ غضبِ الٰہی کی بلاؤں کے پنجہ قہر سے نجات پالیں۔

﴿۴﴾ جب اس صندوق کی برکت سے بنی اسرائیل کو جہاد میں فتح مبین ملتی تھی تو ضرور بزرگوں کی قبروں سے بھی مومنین کی مشکلات دفع ہوں گی اور مرادیں پوری ہوں گی کیونکہ ظاہر ہے کہ بزرگوں کے لباس سے کہیں زیادہ اثرِ رحمت بزرگوں کے بدن میں ہوگا۔

﴿۵﴾ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قوم سرکشی اور عصیان کے طوفان میں پڑ کر اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمان ہو جاتی ہے اس قوم کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے پڑھ لیا کہ جب بنی اسرائیل سرکش ہو کر خدا کے نافرمان ہو گئے اور قسم قسم کی بدکاریوں میں پڑ کر گناہوں کا بھوت ان کے سروں پر عفریت بن کر سوار ہو گیا تو ان کے جرموں کی نحوستوں نے انہیں یہ برا دن دکھایا کہ صندوق سکینہ ان کے پاس سے قوم عمالقہ کے کفار اٹھا لے گئے اور بنی اسرائیل کئی برسوں تک اس نعمت عظمٰی سے محروم ہو گئے۔ (واللہ تعالٰی اعلم)

﴿11﴾ذبح ہو کر زندہ ہوجانے والے پرندے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک مرتبہ خداوندقدوس کے دربار میں یہ عرض کیا کہ یااللہ تو مجھے دکھادے کہ تو مردوں کوکس طرح زندہ فرمائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم کیا اس پر تمہارا ایمان نہیں ہے،تو آپ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ میں اس پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میری تمنا یہ ہے کہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تاکہ میرے دل کو قرار آجائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندوں کو پالو اور ان کوخوب کھلا پلا کر اچھی طرح ہلا ملا لو پھر تم انہیں ذبح کر کے اور ان کا قیمہ بنا کر اپنے گردونواح کے چند پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا گوشت رکھ دو۔ پھر ان پرندوں کو پکارو تو وہ پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آجائیں گے اور تم مردوں کے زندہ ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرغ، ایک کبوتر، ایک گدھ، ایک مور۔ ان چار پرندوں کو پالا۔ اور ایک مدت تک ان چاروں پرندوں کو کھلا پلا کر خوب ہلا ملا لیا۔ پھر ان چاروں پرندوں کو ذبح کر کے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان چاروں کا قیمہ بنا کر تھوڑا تھوڑا گوشت اطراف و جوانب کے پہاڑوں پر رکھ دیا اور دور سے کھڑے ہو کر ان پرندوں کا نام لے کر پکارا کہ یٰۤاَیُّھَا الدِّیۡکُ (اے مرغ) یٰۤاَیَّتُھَا الۡحَمَامَۃُ (اے کبوتر) یٰۤاَیُّھَا النَّسۡرُ (اے گدھ) یٰۤاَیُّھَا الطَّاؤُسُ (اے مور) آپ کی پکار پر ایک دم پہاڑوں سے گوشت کا قیمہ اڑنا شروع ہو گیا اور ہر پرند کا گوشت، پوست، ہڈی، پر، الگ ہو کر چار پرند تیار ہو گئے اور وہ چاروں پرند بلا سروں کے دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے اور اپنے سروں سے جڑ کر دانہ چگنے لگے اور اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے مردوں کے زندہ ہونے کا منظر دیکھ لیا اور ان کے دل کو اطمینان و قرار مل گیا۔

اس واقعہ کا ذکر خداوند کریم نے قرآنِ مجید کی سورۂ بقرہ میں ان لفظوں کے ساتھ بیان فرمایا

ہے کہ

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ (۲۶۰) (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھادے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔ فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

درسِ ہدایت:۔مذکورہ بالا قرآنی واقعہ سے مندرجہ ذیل مسائل پر خاص طور سے روشنی پڑتی ہے۔ان کو بغور پڑھیے اور ہدایت کا نور حاصل کیجئے اور دوسروں کو بھی روشنی دکھائیے۔

مردوں کو پکارنا:۔چاروں پرندوں کا قیمہ بنا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہاڑوں پر رکھ دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ثُمَّ ادْعُهُنَّ یعنی ان مردہ پرندوں کو پکارو۔ چنانچہ آپ نے چاروں کو نام لے کر پکارا تو اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ مردوں کو پکارنا شرک نہیں ہے کیونکہ جب مردہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے پکارنے کا حکم فرمایا اور ایک جلیل القدر پیغمبر نے ان مردوں کو پکارا تو ہرگز ہرگز یہ شرک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خداوند کریم کبھی بھی کسی کو شرک کا حکم نہیں دے گا نہ کوئی نبی ہرگز ہرگز کبھی شرک کا کام کرسکتا ہے۔تو جب مرے ہوئے پرندوں کو پکارنا شرک نہیں تو وفات پائے ہوئے خدا کے ولیوں اور شہیدوں کا پکارنا کیونکر شرک ہوسکتا ہے، جو لوگ ولیوں اور شہیدوں کے پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور یاغوث کا نعرہ لگانے والوں کو مشرک

کہتے ہیں، انہیں تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچنا چاہیے کہ اس قرآنی واقعہ کی روشنی میں انہیں ہدایت کا نور نظر آجائے اور وہ اہل سنت کے طریقے پر صراط مستقیم کی شاہراہ پر چل پڑیں۔(واللہ الموفق)

تصوف کا ایک نکتہ:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار پرندوں کو ذبح کیا ان میں سے ہر پرند ایک بری خصلت میں مشہور ہے مثلاً مور کو اپنی شکل وصورت کی خوبصورتی پر گھمنڈ رہتا ہے اور مرغ میں کثرت شہوت کی بری خصلت ہے اور گدھ میں حرص اور لالچ کی بری عادت ہے اور کبوتر کو اپنی بلند پروازی اور اونچی اڑان پر نخوت وغرور ہوتا ہے۔ تو ان چاروں پرندوں کے ذبح کرنے سے ان چاروں خصلتوں کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ چاروں پرند ذبح کئے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کے زندہ ہونے کا منظر نظر آیا اور ان کے دل میں نور اطمینان کی تجلی ہوئی۔ جس کی بدولت انہیں نفسِ مطمئنہ کی دولت مل گئی تو جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا دل زندہ ہو جائے اور اس کو نفسِ مطمئنہ کی دولت نصیب ہو جائے اس کو چاہیے کہ مرغ ذبح کرے یعنی اپنی شہوت پر چھری پھیر دے اور مور کو ذبح کرے یعنی اپنی شکل وصورت اور لباس کے گھمنڈ کو ذبح کر ڈالے اور گدھ کو ذبح کرے یعنی حرص اور لالچ کا گلا کاٹ ڈالے اور کبوتر کو ذبح کرے یعنی اپنی بلند پروازی اور اونچے مرتبوں کے غرور ونخوت پر چھری چلا دے۔ اگر کوئی ان چاروں بری خصلتوں کو ذبح کر ڈالے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اپنے دل کے زندہ ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس کو نفسِ مطمئنہ کی سرفرازی کا شرف حاصل ہو جائے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(تفسیر جمل، ج ۱، ص ۳۲۸، پ ۳، البقرۃ: ۲۶۰)

﴿۱۲﴾ طالوت کی بادشاہی

بنی اسرائیل کا نظام یوں چلتا تھا کہ ہمیشہ ان لوگوں میں ایک بادشاہ ہوتا تھا۔ جو ملکی نظام

چلاتا تھا اور ایک نبی ہوتا تھا جو نظام شریعت اور دینی امور کی ہدایت و رہنمائی کیا کرتا تھا۔ اور یوں دستور چلا آتا تھا کہ بادشاہی یہود ابن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں رہتی تھی اور نبوت لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت شمویل علیہ السلام جب نبوت سے سرفراز کیے گئے تو ان کے زمانے میں کوئی بادشاہ نہیں تھا تو بنی اسرائیل نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تو آپ نے حکم خداوندی کے مطابق ''طالوت'' کو بادشاہ بنا دیا جو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے بڑا عالم تھا۔ لیکن بہت ہی غریب و مفلس تھا۔ چمڑا پکا کر یا بکریوں کی چرواہی کر کے زندگی بسر کرتا تھا۔ اس پر بنی اسرائیل کو اعتراض ہوا کہ طالوت شاہی خاندان سے نہیں ہے لہٰذا یہ کیونکر اور کیسے ہمارا بادشاہ ہوسکتا ہے اس سے زیادہ تو بادشاہت کے حق دار ہم لوگ ہیں کیونکہ ہم لوگ شاہی خاندان سے ہیں۔ پھر طالوت کے پاس کچھ زیادہ مال بھی نہیں ہے۔ ایک غریب و مفلس انسان بھلا تختِ شاہی کے لائق کیونکر ہوسکتا ہے۔ بنی اسرائیل کے ان اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت شمویل علیہ السلام نے یہ تقریر فرمائی کہ

ترجمہ کنزالایمان:۔ فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے۔ (پ ۲ ،البقرۃ: ۲۴۷، ۲۴۸)

چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد چار فرشتے صندوق لے کر آ گئے اور صندوق کو حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر تمام بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی کو تسلیم کر لیا اور آپ نے بادشاہ بن کر نہ صرف انتظام ملکی سنبھالا بلکہ بنی اسرائیل کی فوج بھرتی کر کے قوم عمالقہ کے کفار سے جہاد بھی فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں فرماتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

ترجمہ کنزالایمان:۔ اوران سے ان کے نبی نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے طالوت کوتمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ بولے اسے ہم پر بادشاہی کیوں کر ہوگی؟ اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے۔ بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے، اگر ایمان رکھتے ہو۔ (پ۲،البقرة:۲۴۷،۲۴۸)

درس ہدایت:۔ ﴿۱﴾ اس واقعہ سے جہاں بہت سے مسائل پر روشنی پڑتی ہے ایک بہت ہی واضح درس یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نوازش کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ چاہے تو چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں بڑے سے بڑا آدمی بنادے۔ دیکھ لو حضرت طالوت ایک بہت ہی کم درجے کے آدمی تھے اور اتنے مفلس تھے کہ یا تو دبگر تھے جو چمڑے کو دباغت دے کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے یا بکریاں چرا کر اس کی اجرت سے گزر بسر کرتے تھے مگر لمحہ بھر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحبِ تخت وتاج بنا کر بادشاہ بنادیا۔

﴿۲﴾ اس واقعہ سے اور قرآن مجید کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جسمانی توانائی اور علم کی وسعت بادشاہی کے لئے مالداری سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ بغیر جسمانی طاقت اور علم کے نظامِ ملکی کو چلانا اور سلطنت کا انتظام کرنا تقریباً محال اور ناممکن ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ علم کا درجہ مال سے بہت بلند تر ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۱۳﴾ حضرت داؤد علیہ السلام کس طرح بادشاہ بنے؟

جب طالوت بنی اسرائیل کے بادشاہ بن گئے تو آپ نے بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے تیار کیا اور ایک کافر بادشاہ ''جالوت'' سے جنگ کرنے کے لئے اپنی فوج کو لے کر میدان جنگ میں نکلے۔ جالوت بہت ہی قد آور اور نہایت ہی طاقتور بادشاہ تھا وہ اپنے سر پر لوہے کی جو ٹوپی پہنتا تھا اس کا وزن تین سو رطل تھا۔ جب دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں لڑائی کے لئے صف آرائی کر چکیں تو حضرت طالوت نے اپنے لشکر میں یہ اعلان فرما دیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا، میں اپنی شہزادی کا نکاح اس کے ساتھ کر دوں گا۔ اور اپنی آدھی سلطنت بھی اس کو عطا کر دوں گا۔ یہ فرمان شاہی سن کر حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے جو ابھی بہت ہی کمسن تھے اور بیماری سے چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اور غربت و مفلسی کا یہ عالم تھا کہ بکریاں چرا کر اس کی اجرت سے گزر بسر کرتے تھے۔ روایت ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام گھر سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں ایک پتھر یہ بولا کہ اے حضرت داؤد! مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر دوسرے پتھر نے آپ کو پکارا کہ اے حضرت داؤد مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر ایک تیسرے پتھر نے آپ کو پکار کر عرض کیا کہ اے حضرت داؤد علیہ السلام مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں جالوت کا قاتل ہوں۔ آپ علیہ السلام نے ان تینوں پتھروں کو اٹھا کر اپنے جھولے میں رکھ لیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی گوپھن لے کر صفوں سے آگے بڑھے اور جب جالوت پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان تینوں پتھروں کو اپنی گوپھن میں رکھ کر اور بسم اللہ پڑھ کر گوپھن سے تینوں پتھروں کو جالوت کے اوپر پھینکا اور یہ تینوں پتھر جا کر جالوت کی ناک اور کھوپڑی پر لگے اور اس کے بھیجے کو پاش پاش کر کے سر کے پیچھے سے نکل کر تیس جالوتیوں کو لگے اور سب کے سب مقتول ہو کر گر پڑے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے لا

کرا پنے بادشاہ حضرت طالوت کے قدموں میں ڈال دیا اس پر حضرت طالوت اور بنی اسرائیل بے حد خوش ہوئے۔

جالوت کے قتل ہو جانے سے اس کا لشکر بھاگ نکلا اور حضرت طالوت کو فتح مبین ہو گئی اور اپنے اعلان کے مطابق حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور اپنی آدھی سلطنت کا ان کو سلطان بنا دیا۔ پھر پورے چالیس برس کے بعد جب حضرت طالوت بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام پوری سلطنت کے بادشاہ بن گئے اور جب حضرت شمویل علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ آپ سے پہلے سلطنت اور نبوت دونوں اعزاز ایک ساتھ کسی کو بھی نہیں ملا تھا۔ آپ پہلے شخص ہیں کہ ان دونوں عہدوں پر فائز ہو کر ستر برس تک سلطنت اور نبوت دونوں منصبوں کے فرائض پورے کرتے رہے اور پھر آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور نبوت دونوں مرتبوں سے سرفراز فرمایا۔ (تفسیر جمل علی الجلالین، ج۱، ص۳۰۸، پ۲، البقرۃ۲۵۱)

اس واقعہ کا اجمالی بیان قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں اس طرح ہے کہ

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ (پ۲، البقرۃ:۲۵۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذریعہ معاش:۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے باوجودیکہ ایک عظیم سلطنت کے بادشاہ تھے مگر ساری عمر وہ اپنے ہاتھ کی دستکاری کی کمائی سے اپنے خورد و نوش کا سامان کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ لوہے

کو ہاتھ میں لیتے تو وہ موم کی طرح نرم ہو جایا کرتا تھا اور آپ اس سے زرہیں بنایا کرتے تھے اور ان کو فروخت کر کے اس رقم کو اپنا ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں کی بولی سکھادی تھی۔ (روح البیان، ج۱، ص ۳۹۱، پ ۲، البقرۃ: ۲۵۱)

درس ہدایت:۔ ﴿۱﴾ حضرت طالوت کی سرگزشت کی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی مقدس زندگی سے یہی سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنا فضل و کرم فرماتا ہے تو ایک لحہ میں رائی پہاڑ اور ذرہ کو آفتاب بنا دیتا ہے۔ غور کرو کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک کمسن لڑکے تھے اور خود نہایت ہی مفلس اور ایک غریب باپ کے بیٹے تھے۔ مگر اچانک اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنے عظیم اور بڑے بڑے مراتب و درجات کے اعزاز سے سرفراز فرما دیا کہ ان کے سر پر تاجِ شاہی رکھ کر انہیں بادشاہ بنا دیا۔ اور ایک بادشاہ کی شہزادی اُن کے نکاح میں آئی اور پھر نبوت کا مرتبہ بلند اُنہیں عطا فرما دیا کہ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی بلند مرتبہ ہو سکتا ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا جلوہ دیکھو کہ جالوت جیسے جابر اور طاقتور بادشاہ کا قاتل حضرت داؤد علیہ السلام کو بنا دیا جو ایک کمسن لڑکے اور بیمار تھے اور وہ بھی ان کے تین پتھروں سے قتل ہوا۔ حالانکہ جالوت کے سامنے ان چھوٹے چھوٹے تین پتھروں کی کیا حقیقت تھی؟ جب کہ وہ تین سو رطل وزن کی فولادی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ایک چیونٹی کو ہاتھی پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ہاتھی ایک چیونٹی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

﴿۲﴾ واقعہ مذکورہ بالا میں آپ نے پڑھ لیا کہ طالوت دبگری یعنی چمڑا پکانے کا پیشہ کرتے تھے یا بکریاں چراتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی پہلے بکریاں چرایا کرتے تھے اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہ بنا دیا اور نبوت کے شرف سے بھی سرفراز فرما دیا تو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش زرہیں بنانے کے پیشے کو بنا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق حلال طلب کرنے کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرنا خواہ وہ دبگری ہو یا چرواہی ہو یا لوہاری ہو یا کپڑا بننا ہو، الغرض کوئی پیشہ

ہرگز ہرگز نہ ذلیل ہے نہ ان پیشوں کے ذریعہ روزی حاصل کرنے والوں کے لئے کوئی ذلت ہے۔ جو لوگ بنکروں اور دوسرے پیشہ وروں کو محض ان کے پیشہ کی بناء پر ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں وہ انتہائی جہالت وگمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ رزق حلال طلب کرنے کے لئے کوئی جائز پیشہ اختیار کرنا یہ انبیاء ومرسلین اور صالحین کا مقدس طریقہ ہے۔ لہٰذا ہرگز ہرگز پیشہ ور مسلمان کو حقیر ذلیل شمار نہیں کرنا چاہیے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ پیشہ ور مسلمان ان لوگوں سے ہزاروں درجہ بہتر ہے جو سرکاری نوکریوں اور رشوتوں اور دھوکہ دہی کے ذریعہ رقمیں حاصل کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں اور اپنے شریف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ شرعاً اس سے زیادہ ذلیل کون ہوگا جس کی کمائی حلال نہ ہو یا مشتبہ ہو۔ (واللّٰہ تعالیٰ اعلم)

﴿۱۴﴾ محرابِ مریم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم (رضی اللہ عنہا) کے والد کا نام ''عمران'' اور ماں کا نام ''حنہ'' تھا۔ جب بی بی مریم اپنی ماں کے شکم میں تھیں اس وقت ان کی ماں نے یہ منت مان لی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کردوں گی۔ چنانچہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے کر گئیں۔ اس وقت بیت المقدس کے تمام عالموں اور عابدوں کے امام حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اپنی کفالت اور پرورش میں لے لیا اور بیت المقدس کی بالائی منزل میں تمام منزلوں سے الگ ایک محراب بنا کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اس محراب میں ٹھہرایا۔ چنانچہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس محراب میں اکیلی خدا کی عبادت میں مصروف رہنے لگیں اور حضرت زکریا علیہ السلام صبح وشام محراب میں ان کی خبر گیری اور خورد ونوش کا انتظام کرنے کے لئے آتے جاتے رہے۔

چند ہی دنوں میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی محراب کے اندر یہ کرامت نمودار ہوئی

کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں جاتے تو وہاں جاڑوں کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل جاڑوں میں پاتے۔ حضرت زکریا علیہ السلام حیران ہوکر پوچھتے کہ اے مریم یہ پھل کہاں سے تمہارے پاس آتے ہیں؟ تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا یہ جواب دیتیں کہ یہ پھل اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے بلا حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو خداوند قدوس نے نبوت کے شرف سے نوازا تھا مگر ان کے کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ بالکل ضعیف ہوچکے تھے۔ برسوں سے ان کے دل میں فرزند کی تمنا موجزن تھی اور بارہا انہوں نے گڑگڑا کر خدا سے اولادِ نرینہ کے لئے دعا بھی مانگی تھی مگر خدا کی شانِ بے نیازی کہ باوجود اس کے اب تک ان کو کوئی فرزند نہیں ملا۔ جب انہوں نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی محراب میں یہ کرامت دیکھی کہ اس جگہ بے موسم کا پھل آتا ہے تو اس وقت ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میری عمر اب اتنی ضعیفی کی ہوچکی ہے کہ اولاد کے پھل کا موسم ختم ہوچکا ہے۔ مگر وہ اللہ جو حضرت مریم کی محراب میں بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے وہ قادر ہے کہ مجھے بھی بے موسم کی اولاد کا پھل عطا فرمادے۔ چنانچہ آپ نے محراب مریم میں دعا مانگی اور آپ کی دعا مقبول ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام خود خداوند عالم نے ''یحییٰ'' رکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف بھی عطا فرمایا۔ قرآن مجید میں خداوند قدوس نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ
اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ
فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ (پ ۳،اٰل عمران:۳۷تا۳۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے کہا اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے یہاں پکارا زکریا اپنے رب کو بولا اے رب میرے مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد بے شک تو ہی ہے دعا سننے والا، تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا بے شک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحیٰی کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔

درسِ ہدایت:۔اس واقعہ سے مندرجہ ذیل عبرتوں کی تجلی ہوتی ہے جن سے ہر مسلمان کو سبق حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا باکرامت ولیہ ہیں:۔واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا صاحبِ کرامت اور مرتبہَ ولایت پر فائز ہیں کیونکہ خدا کی طرف سے ان کی محراب میں پھل آتے تھے اور وہ بھی جاڑوں کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل جاڑوں میں۔ یہ ان کی ایک بہت ہی عظیم الشان اور واضح کرامت ہے جو ان کی ولایت کی شاہد عدل ہے۔

عبادت گاہ مقامِ مقبولیت ہے:۔اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ والے یا اللہ والیاں جس جگہ عبادت کریں وہ جگہ اس قدر مقدس ہو جاتی ہے کہ وہاں رحمت خداوندی عزوجل کا نزول ہوتا ہے اور وہاں پر دعائیں مقبول ہوا کرتی ہیں جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا محراب مریم میں مقبول ہوئی۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بیت المقدس میں بار بار یہ دعا مانگ چکے تھے مگر ان کی مراد پوری نہیں ہوئی تھی۔

قبروں کے پاس دعا:۔ جہاں اللہ کے مقبول بندے اور مقبول بندیاں چند دن بیٹھ کر عبادت کریں جب ان جگہوں پر دعائیں مقبول ہوتی ہیں تو ان مقبولان بارگاہِ الٰہی کی قبروں کے پاس جہاں ان بزرگوں کا پورا جسم برسہا برس تک رہا ہے، وہاں بھی ضرور دعائیں مقبول ہوں گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ کا حل میرے لئے مشکل ہوجاتا تھا تو میں بغداد جاکر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر اپنے اور خدا کے درمیان امام ممدوح کی مبارک قبر کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتا تھا تو میری مراد بر آتی تھی اور مسئلہ حل ہوجایا کرتا تھا۔

(الخیرات الحسان، الفصل الخامس والثلاثون فی تادب الائمه معه فی مماته الخ، ص ۲۳۰)

(اس قسم کے واقعات کے لئے پڑھیئے ہماری کتاب اولیاء رجال الحدیث وروحانی حکایات)

﴿۱۵﴾ مقام ابراھیم

یہ ایک مقدس پتھر ہے جو کعبہ معظّمہ سے چند گز کی دوری پر رکھا ہوا ہے۔ یہ وہی پتھر ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ مکرمہ کی تعمیر فرمارہے تھے تو جب دیواریں سر سے اونچی ہو گئیں تو اسی پتھر پر کھڑے ہوکر آپ نے کعبہ معظّمہ کی دیواروں کو مکمل فرمایا۔ یہ آپ کا معجزہ تھا کہ یہ پتھر موم کی طرح نرم ہوگیا اور آپ کے دونوں مقدس قدموں کا اس پتھر پر بہت گہرا نشان پڑ گیا۔ آپ کے قدموں کے مبارک نشان کی بدولت اس مبارک پتھر کی فضیلت وعظمت میں اس طرح چار چاند لگ گئے کہ خداوند قدوس نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں دو جگہ اس کی عظمت کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ ایک جگہ تو یہ ارشاد فرمایا کہ

فِیۡهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِیۡمَ ۚ۬ (پ۴، آل عمران:۹۷)

یعنی کعبہ مکرمہ میں خدا کی بہت سی روشن اور کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اور ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی "مَقَامُ اِبۡرَاهِیۡمَ" ہے اور دوسری جگہ اس پتھر کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے

یہ فرمایا کہ:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط (پ ۱،البقرۃ:۱۲۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔

چار ہزار برس کے طویل زمانے سے اس بابرکت پتھر پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان موجود ہیں۔ اس طویل مدت سے یہ پتھر کھلے آسمان کے نیچے زمین پر رکھا ہوا ہے۔ اس پر چار ہزار برساتیں گزر گئیں، ہزاروں آندھیوں کے جھونکے اس سے ٹکرائے بارہا حرم کعبہ میں پہاڑی نالوں سے برسات میں سیلاب آیا اور یہ مقدس پتھر سیلاب کے تیز دھاروں میں ڈوبا رہا، کروڑوں انسانوں نے اس پر ہاتھ پھیرا مگر اس کے باوجود آج تک حضرت خلیل علیہ السلام کے جلیل القدر قدموں کے نشان اس پتھر پر باقی ہیں جو بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بہت ہی بڑا اور نہایت ہی معظم معجزہ ہے۔ اور یقیناً یہ پتھر خداوند قدوس کی آیات بینات اور کھلی ہوئی روشن نشانیوں میں سے ایک بہت بڑا نشان ہے۔

اور اس کی شان کا یہ عظیم الشان نشان ہر مسلمان کے لئے بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ خداوند قدوس نے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ تم لوگ میرے مقدس گھر خانہ کعبہ کے طواف کے بعد اسی پتھر کے پاس دو رکعت نماز ادا کرو۔ تم لوگ نماز تو میرے لئے پڑھو اور سجدہ میرا ادا کرو لیکن مجھے یہ محبوب ہے کہ سجدوں کے وقت تمہاری پیشانیاں اس مقدس پتھر کے پاس زمین پر لگیں کہ جس پتھر پر میرے خلیل جلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان بنا ہوا ہے۔

درس ہدایت:۔ مسلمانو! مقام ابراہیم کی عظمت شان سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس جگہ اللہ کے مقدس بندوں کا کوئی نشان موجود ہو وہ جگہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ عزت و عظمت والی ہے اور اس جگہ خدا کی عبادت خدا کے نزدیک بہت ہی بہتر اور محبوب تر ہے۔

اب غور کرو کہ مقام ابراہیم جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قدموں کے نشان کی وجہ سے اتنا معظم ومکرم ہو گیا تو خدا کے محبوب اکرم اور حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی عظمت و بزرگی اور اس کے تقدس و شرف کا کیا عالم ہو گا کہ جہاں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف نشان ہی نہیں بلکہ خدا کے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جسم انور موجود ہے اور اس زمین کا ذرہ ذرہ انوار نبوت کی تجلیوں سے رشک آفتاب وغیرتِ ماہتاب بنا ہوا ہے۔ مسلمانو! کاش قرآن مجید کی یہ آیتیں لوگوں کی آنکھوں میں ایمانی بصیرت کا نور پیدا کریں تا کہ لوگ قبر انور کی تعظیم وتکریم کر کے دونوں جہاں میں مکرم ومعظم بن جائیں اور اس کی توہین و بے ادبی کر کے شیطان کے پنجۂ گمراہی میں گرفتار نہ ہوں اور جہنم کے عذاب مُھِین میں نہ پڑ جائیں اور کاش ان چمکتی ہوئی آیات بینات سے نجدیوں اور وہابیوں کو عبرت حاصل ہو جو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی قبر منور کو مٹی کا ڈھیر کہہ کر اس کی توہین و بے ادبی کرتے رہتے ہیں اور گنبد خضراء کو منہدم کرنے اور گرا کر مسمار کر دینے اور نشان قبر مٹا دینے کا پلان بناتے رہتے ہیں (نعوذ باللہ منہ)

﴿۱۶﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار معجزات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی نبوت اور معجزات کا اعلان کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی۔ جو قرآن مجید کی سورۂ آلِ عمران میں ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۴۹﴾ (پ ۳، آل عمران: ۴۹)

ترجمہ کنزالایمان: اور رسول ہو گا بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس

ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سپید داغ والے کو، اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے، اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اس تقریر میں آپ نے اپنے چار معجزات کا اعلان فرمایا:

﴿۱﴾ مٹی کے پرند بنا کر ان میں پھونک مار کر ان کو اڑا دینا

﴿۲﴾ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا

﴿۳﴾ مردوں کو زندہ کرنا

﴿۴﴾ اور جو کچھ کھایا اور جو کچھ گھروں میں چھپا کر رکھا اس کی خبر دینا۔

اب ان معجزات کی کچھ تفصیل بھی پڑھ لیجئے:

مٹی کے پرند بنا کر اُڑا دینا: جب بنی اسرائیل نے یہ معجزہ طلب کیا کہ مٹی کا پرند بنا کر اڑا دیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی کے چمگادڑ بنا کر ان کو اڑا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پرندوں میں سے چمگادڑ کو اس لئے منتخب فرمایا کہ پرندوں میں سب سے بڑھ کر مکمل اور عجیب وغریب یہی پرندہ ہے کیونکہ اس کے آدمی کی طرح دانت بھی ہوتے ہیں اور یہ آدمی کی طرح ہنستا بھی ہے اور یہ بغیر پر کے اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے اور یہ پرندہ جانوروں کی طرح بچہ جنتا ہے اور اس کو حیض بھی آتا ہے۔ روایت ہے کہ جب تک بنی اسرائیل دیکھتے رہتے یہ چمگادڑ اڑتے رہتے اور اگر ان کی نظروں سے اوجھل ہوجاتے تو گر کر مرجاتے تھے۔ ایسا اس لئے ہوتا تھا تاکہ خدا کے پیدا کئے ہوئے اور بندۂ خدا کے پیدا کئے پرند میں فرق اور امتیاز باقی رہے۔ (روح البیان، ج ۲، ص ۳۷، پ ۳، آل عمران: ۴۹)

مادر زاد اندھوں کو شفا دینا:۔ روایت ہے کہ ایک دن میں پچاس اندھوں اور کوڑھیوں کو آپ کی دعا سے اس شرط پر شفاء حاصل ہوئی کہ وہ ایمان لائیں گے۔

(تفسیر جمل، ج ۱، ص۴۱۹، پ۳، آل عمران ۴۹)

مردوں کو زندہ کرنا:۔ روایت ہے کہ آپ نے چار مردوں کو زندہ فرمایا:

{۱} عاذر اپنے دوست کو۔ {۲} ایک بڑھیا کے لڑکے کو۔

{۳} ایک عُشر وصول کرنے والے کی لڑکی کو {۴} حضرت سام بن نوح علیہ السلام کو

عاذر:۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مخلص دوست تھے جب ان کا انتقال ہونے لگا تو ان کی بہن نے آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ کا دوست مر رہا ہے۔ اس وقت آپ اپنے دوست سے تین دن کی دوری کی مسافت پر تھے۔ عاذر کے انتقال و دفن کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے اور عاذر کی قبر کے پاس تشریف لے گئے اور عاذر کو پکارا تو وہ زندہ ہو کر اپنی قبر سے باہر نکل آئے اور برسوں زندہ رہے اور صاحبِ اولاد بھی ہوئے۔

بڑھیا کا بیٹا:۔ یہ مر گیا تھا اور لوگ اس کا جنازہ اٹھا کر اس کو دفن کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ ناگہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ آپ کی دعا سے زندہ ہو کر جنازہ سے اٹھ بیٹھا اور کپڑا پہن کر اپنے جنازہ کی چارپائی اٹھائے ہوئے اپنے گھر آیا اور مدتوں زندہ رہا اور اس کی اولاد بھی ہوئی۔

عاشر کی بیٹی:۔ ایک چنگی وصول کرنے والے کی لڑکی مر گئی تھی۔ اس کی موت کے ایک دن بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہو گئی اور بہت دنوں تک زندہ رہی اور اس کے کئی بچے بھی ہوئے۔

حضرت سام بن نوح:۔ اوپر کے تینوں مردوں کو آپ نے زندہ فرمایا تو بنی اسرائیل کے شریروں نے کہا کہ یہ تینوں درحقیقت مرے ہوئے نہیں تھے بلکہ ان تینوں پر سکتہ طاری تھا

اس لئے وہ ہوش میں آ گئے لہٰذا آپ کسی پرانے مردہ کو زندہ کر کے ہمیں دکھایئے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت سام بن نوح علیہ السلام کو وفات پائے ہوئے چار ہزار برس کا زمانہ گزر گیا۔ تم لوگ مجھے ان کی قبر پر لے چلو میں ان کو خدا کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں تو آپ نے ان کی قبر کے پاس جا کر اسم اعظم پڑھا تو فوراً ہی حضرت سام بن نوح علیہ السلام قبر سے زندہ ہو کر نکل آئے اور گھبرائے ہوئے پوچھا کہ قیامت قائم ہو گئی؟ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر تھوڑی دیر بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

جو کھایا اور چھپایا اس کو بتا دیا:۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے مکتب میں بنی اسرائیل کے بچوں کو ان کے ماں باپ جو کچھ کھاتے اور جو کچھ گھروں میں چھپا کر رکھتے وہ سب بتا دیا کرتے تھے۔ جب والدین نے بچوں سے دریافت کیا کہ تمہیں ان باتوں کی کیسے خبر ہوتی ہے؟ تو بچوں نے بتا دیا کہ ہم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکتب میں بتا دیتے ہیں۔ یہ سن کر ماں باپ نے بچوں کو مکتب جانے سے روک دیا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچوں کی تلاش میں بستی کے اندر داخل ہوئے تو بنی اسرائیل نے اپنے بچوں کو ایک مکان کے اندر چھپا دیا کہ بچے یہاں نہیں ہیں آپ نے پوچھا کہ گھر میں کون ہیں؟ تو شریروں نے کہہ دیا کہ گھر میں سوّر بند ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اچھا سوّر ہی ہوں گے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے بعد مکان کا دروازہ کھولا تو مکان میں سے سوّر ہی نکلے۔ اس بات کا بنی اسرائیل میں چرچا ہو گیا اور بنی اسرائیل نے غیظ و غضب میں بھر کر آپ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت بی بی مریم رضی اللہ عنہا آپ کو ساتھ لے کر مصر کو ہجرت کر گئیں۔ اس طرح آپ شریروں کے شر سے محفوظ رہے۔ (تفسیر جمل علی الجلالین، ص ۴۱۹، پ ۳، آل عمران ۴۹)

﴿۱۷﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو چونکہ یہودی توراۃ میں پڑھ چکے تھے کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام ان کے دین کو منسوخ کر دیں گے۔ اس لئے یہودی آپ کے دشمن ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس فرما لیا کہ یہودی اپنے کفر پر اڑے رہیں گے اور وہ مجھے قتل کر دیں گے تو ایک دن آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ یعنی کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کے دین کی طرف۔ بارہ یا اُنیس حواریوں نے یہ کہا کہ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ یعنی ہم خدا کے دین کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

باقی تمام یہودی اپنے کفر پر جمے رہے یہاں تک کہ جوشِ عداوت میں ان یہودیوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا اور ایک شخص کو یہودیوں نے جس کا نام ''طَطْیَانُوس'' تھا آپ کے مکان میں آپ کو قتل کر دینے کے لئے بھیجا۔ اتنے میں اچانک اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک بدلی کے ساتھ بھیجا اور اس بدلی نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ آپ کی والدہ جوشِ محبت میں آپ کے ساتھ چمٹ گئیں تو آپ نے فرمایا کہ اماں جان! اب قیامت کے دن ہماری اور آپ کی ملاقات ہو گی اور بدلی نے آپ کو آسمان پر پہنچا دیا۔ یہ واقعہ بیت المقدس میں شب قدر کی مبارک رات میں وقوع پذیر ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف بقول علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ ۳۳ برس کی تھی اور بقول علامہ زرقانی شارح مواہب، اس وقت آپ کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی آخر میں اسی قول کی طرف رجوع فرمایا ہے۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج۱، ص۴۲۷، پ۳، آل عمران:۵۷)

"طَطْیانوس" جب بہت دیر مکان سے باہر نہیں نکلا تو یہودیوں نے مکان میں گھس کر دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے "طَطْیانوس" کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کا بنا دیا یہودیوں نے "طَطْیانوس" کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب طَطْیانوس کے گھر والوں نے غور سے دیکھا تو صرف چہرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا باقی سارا بدن طَطْیانوس ہی کا تھا تو اس کے اہل خاندان نے کہا کہ اگر یہ مقتول حضرت عیسیٰ ہیں تو ہمارا آدمی طَطْیانوس کہاں ہے؟ اور اگر یہ طَطْیانوس ہے تو حضرت عیسیٰ کہاں گئے؟ اس پر خود یہودیوں میں جنگ و جدال کی نوبت آ گئی اور خود یہودیوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا اور بہت سے یہودی قتل ہو گئے۔ خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا کہ

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ (پ۳، آل عمران: ۵۴، ۵۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے پیروؤں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا پھر تم سب میری طرف پلٹ کر آؤ گے تو میں تم میں فیصلہ فرما دوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔

آپ کے آسمان پر چلے جانے کے بعد حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے چھ برس دنیا میں رہ کر وفات پائی (بخاری و مسلم) کی روایت ہے کہ قربِ قیامت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے اور دجال و

خنزیر کو قتل فرمائیں گے اور صلیب کو توڑیں گے اور سات برس تک دنیا میں عدل فرما کر وفات پائیں گے اور مدینہ منورہ میں گنبدِ خضراء کے اندر مدفون ہوں گے۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۱، ص ۴۲۷، پ ۳، آل عمران: ۵۷)

اور قرآن مجید میں عیسائیوں کا رد کرتے ہوئے یہ بھی نازل ہوا کہ

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (پ ۶، النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اور اس سے اوپر والی آیت میں ہے کہ

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ (پ ۶، النساء: ۱۵۷)

ترجمہ کنزالایمان:۔انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے اس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے اور اللہ نے آپ کو آسمانوں پر اٹھالیا، جو یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہو گئے اور سولی پر چڑھائے گئے جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے تو وہ شخص کافر ہے کیونکہ قرآن مجید میں صاف صاف مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ سولی پر لٹکائے گئے۔

﴿۱۸﴾ عیسائیوں کا مباہلہ سے فرار

نجران (یمن) کے نصرانیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ چودہ آدمیوں کی جماعت تھی جو سب کے سب نجران کے اشراف تھے اور اس وفد کی قیادت کرنے والے تین شخص تھے

﴿۱﴾ ابو حارثہ بن علقمہ جو عیسائیوں کا پوپ اعظم تھا۔

﴿۲﴾ اُہیب جوان لوگوں کا سردارِ اعظم تھا۔

﴿۳﴾ عبد المسیح جو سردارِ اعظم کا نائب تھا اور ''عاقب'' کہلاتا تھا۔

یہ سب نمائندے نہایت قیمتی اور نفیس لباس پہن کر عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنی نماز ادا کی۔ پھر ابو حارثہ اور ایک دوسرا شخص دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے نہایت کریمانہ لہجے میں ان دونوں سے گفتگو فرمائی اور حسب ذیل مکالمہ ہوا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم : تم لوگ اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جاؤ۔

ابو حارثہ : ہم لوگ پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم : تم لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ تم لوگ صلیب کی پرستش کرتے ہو اور اللہ کے لئے بیٹا بتاتے ہو، اور خنزیر کھاتے ہو۔

ابو حارثہ : آپ لوگ ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں کیوں دیتے ہو؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم : ہم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا کہتے ہیں

ابو حارثہ : آپ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم : ہاں! ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ کلمۃ اللہ جو کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئے۔

ابو حارثہ : کیا کوئی انسان بغیر باپ کے پیدا ہو سکتا ہے؟ جب آپ لوگ یہ مانتے ہیں کہ کوئی انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تو پھر آپ لوگوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ اُن کا باپ اللہ تعالیٰ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم : اگر کسی کا باپ کوئی انسان نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا باپ خدا ہی

ہو۔خداوند تعالیٰ اگر چاہے تو بغیر باپ کے بھی آدمی پیدا ہوسکتا ہے۔
دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کو تو بغیر ماں باپ کے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا
فرمادیا اگر اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کردیا تو اس
میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس پیغمبرانہ طرزِ استدلال اور حکیمانہ گفتگو سے چاہئے تو یہ تھا کہ یہ وفد اپنی نصرانیت کو چھوڑ کر دامنِ اسلام میں آجاتا مگر ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ بحث وتکرار کا سلسلہ بہت دراز ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت نازل فرمائی: (روح البیان، ج ۲، ص ۴۳، پ ۳، آل عمران: ۵۹)

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ (پ ۳، آل عمران: ۶۱)

ترجمہ کنزالایمان: پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

قرآن کی اس دعوتِ مباہلہ کو ابو حارثہ نے منظور کرلیا۔ اور طے پایا کہ صبح نکل کر میدان میں مباہلہ کریں گے لیکن جب ابو حارثہ نصرانیوں کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اے میری قوم! تم لوگوں نے اچھی طرح جان لیا اور پہچان لیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی آخر الزمان ہیں اور خوب یاد رکھو کہ جو قوم کسی نبی برحق کے ساتھ مباہلہ کرتی ہے اس قوم کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان سے صلح کر کے اپنے

وطن کو واپس چلے چلو اور ہرگز ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو۔ چنانچہ صبح کو ابو حارثہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آیا تو یہ دیکھا کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگلی تھامے ہوئے ہیں اور حضرت فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کے پیچھے چل رہے ہیں اور آپ ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ میں جب دعا کروں تو تم لوگ ''آمین'' کہنا یہ منظر دیکھ کر ابو حارثہ خوف سے کانپ اٹھا اور کہنے لگا کہ اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان چہروں کی بدولت پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر چل پڑے گا۔ لہٰذا اے میری قوم! ہرگز ہرگز مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کہیں بھی کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ پھر اس نے کہا کہ اے ابوالقاسم! ہم آپ سے مباہلہ نہیں کریں گے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ہی دین پر قائم رہیں۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اسلام قبول کرلو تا کہ تم لوگوں کو مسلمانوں کے حقوق حاصل ہو جائیں، نصرانیوں نے اسلام قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر میرے لئے تمہارے ساتھ جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ سن کر نصرانیوں نے کہا کہ ہم لوگ عربوں سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ہم اس شرط پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہم سے جنگ نہ کریں اور ہم کو اپنے ہی دین پر قائم رہنے دیں اور ہم بطور جزیہ آپ کو ہر سال ایک ہزار کپڑوں کے جوڑے دیتے رہیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر صلح فرمائی اور ان نصرانیوں کے لئے امن و امان کا پروانہ لکھ دیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ نجران والوں پر ہلاکت و بربادی آن پہنچی تھی۔ مگر یہ لوگ بچ گئے اگر یہ لوگ مجھ سے مباہلہ کرتے تو مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بن جاتے اور ان کی وادی میں ایسی آگ بھڑک اٹھتی کہ نجران کی کل آبادی یہاں تک کہ چرندے اور پرندے جل بھن کر راکھ کا ڈھیر بن جاتے اور رُوئے زمین کے تمام عیسائی سال بھر میں فنا ہو جاتے۔ (روح البیان، ج۲، ص۴۴، پ۳، آل عمران: ۶۱)

درسِ ہدایت:۔اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے رسولوں کے ساتھ مباہلہ کرنا ہلاکت و بربادی ہے بلکہ انبیاء واولیاء اور اللہ والوں کا مقابلہ کرنا اور ان لوگوں کی بد دعا کا سامنا کرنا، بربادی و ہلاکت ہے بلکہ خدا کے ان محبوب بندوں کی ذرا سی بے ادبی اور دل آزاری بھی انسان کو فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور ایسی تباہی و بربادی لاتی ہے جس کا کوئی علاج ہی نہیں۔

حضرت خجندی علیہ الرحمۃ اور بساطی شاعر:۔چنانچہ منقول ہے کہ حضرت کمال الدین خجندی علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ شاعروں کے مجمع میں تشریف لے گئے تو بساطی شاعر نے آپ کو دیکھ کر نہایت ہی بدتمیزی اور بے ہودگی کے انداز میں یہ مصرع بک دیا۔

از کجائی از کجائی اے لُوند

ترجمہ:تم کہاں سے آئے تم کہاں سے آئے اے بدمعاش!**(معاذ اللّٰہ)**

آپ نے یہ سمجھ کر کہ نشہ میں بک رہا ہے کچھ زیادہ ناراض نہیں ہوئے بلکہ تفریحاً جواب میں ایک مصرع کہہ دیا کہ!

از خجندم، از خجندم از خجند

ترجمہ: میں خجند سے آیا، میں خجند سے آیا، میں خجند سے آیا

پھر آپ نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمادیا کہ یہ نشہ میں بدمست ہے جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے،اس سے کچھ نہ کہو یہ سن کر بساطی کمینے نے آپ کی ہجو میں ایک شعر یہ کہہ دیا کہ

اے ملحد خجندی ریش بزرگ داری

کز غایت بزرگی دہ ریش می تواں گفت

ترجمہ: اے ملحد خجندی تو بہت بڑی داڑھی رکھتا ہے کہ اس کی بڑائی کو دیکھ کر اس کو دس داڑھیاں کہہ سکتے ہیں۔**(معاذ اللّٰہ)**

مجمع عام میں یہ ہجو سن کر آپ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے قہر آلود نظروں سے دیکھ کر

بد دعادی تو بغیر کسی بیماری کے بساطی شاعر ایک دم مر کر زمین پر گر پڑا اور سب لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ (روح البیان، ج ۲، ص ۴۵، پ ۳، آل عمران: ۶۳)

ابوالحسن ہمدانی کی مرغی:۔ بزرگوں کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرنا بھی بڑی بڑی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابوالحسن ہمدانی کا واقعہ ہے کہ یہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ جعفر خالدی علیہ الرحمۃ کی زیارت کو گئے اور گھر میں یہ کہہ گئے تھے کہ میرے لئے تنور میں مرغی بھون کر تیار رکھی جائے۔ حضرت خواجہ جعفر خالدی علیہ الرحمۃ نے ان کو حکم دیا کہ تم رات میرے یہاں بسر کرو۔ مگر ان کا دل چونکہ مرغی میں لگا ہوا تھا اس لئے کوئی خوبصورت بہانہ کر کے یہ اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ حضرت خواجہ جعفر کے دل پر اس کا ملال گزرا۔ اس کی نحوست کا یہ اثر ہوا کہ جب خواجہ ابوالحسن ہمدانی دستر خوان پر مرغی کھانے کے لئے بیٹھے اور ذرا سی غفلت ہوئی تو ایک کتا گھر میں آ گیا اور مرغی لے کر بھاگا اور اس کو ایک گندی نالی میں ڈال دیا۔ حضرت خواجہ ابوالحسن ہمدانی جب صبح کو حضرت خواجہ جعفر خالدی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ جو شخص مشائخ کرام کی قلبی خواہش کا احترام نہیں کرتا، اس پر اسی طرح ایک کتا مسلط کر دیا جاتا ہے جو اس کو ایذاء دیتا ہے۔ یہ سن کر خواجہ ابوالحسن ہمدانی شرم و ندامت سے پانی پانی ہو گئے۔ (روح البیان، ج ۲، ص ۴۶، پ ۳، آل عمران: ۶۳)

بلخ کا ہر آدمی جھوٹا ہو گیا:۔ حضرت خواجہ ابوعلی دقاق علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ جب بلخ والوں نے بلاقصور حضرت خواجہ محمد بن فضل قدس سرہ کو شہر بدر کر دیا تو آپ نے شہر والوں کو یہ بددعا دی کہ یا اللہ ان لوگوں کو سچائی کی توفیق نہ دے۔ اس کا یہ انجام ہوا کہ برسوں تک اس شہر میں کوئی سچا آدمی باقی نہ رہا اور شہر کا ہر آدمی بلا کا جھوٹا ہو گیا اور یہ جھوٹوں کا شہر کہلانے لگا۔ (روح البیان، ج ۲، ص ۴۶، پ ۳، آل عمران: ۶۳)

بہر حال بزرگوں کو اپنی کسی حرکت سے کبھی ناراض نہیں کرنا چاہئے ورنہ ان بزرگوں کے قلب کا ادنیٰ سا غبار قہرِ الٰہی کی آندھی بن کر، تمہیں ہلاکت و بربادی کے غار میں گرا کر، نیست و نابود کر دے گا۔

خدا کا قہر ہے اُن کی نگاہ کی گردش
گرا جو اُن کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

﴿۱۹﴾ پانچ ہزار فرشتے میدانِ جنگ میں

جنگ بدر کفر و اسلام کا مشہور ترین معرکہ ہے۔ ۱۷ رمضان ۲ھ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام "بدر" میں یہ جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے مسلمان بہت ہی کمتر اور پست حالی میں تھے۔ مسلمانوں میں بوڑھے، جوان اور بچے اور انصار و مہاجرین کل مل کر تین سو تیرہ مجاہدین اسلام علم نبوی کے زیرِ سایہ کفار کے ایک عظیم لشکر سے نبرد آزما تھے۔ سامانِ جنگ کی قلت کا یہ عالم تھا کہ پوری اسلامی فوج میں چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور کفار کا لشکر تقریباً ایک ہزار نہایت ہی جنگجو اور بہادروں پر مشتمل تھا اور ان بہادروں کے ساتھ ایک سو بہترین گھوڑے، سات سو اونٹ اور قسم قسم کے مہلک ہتھیار تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی گھبراہٹ اور بے چینی ایک قدرتی بات تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر جاگ کر خدا عزوجل سے لو لگائے مصروف دعا تھے کہ۔

"الٰہی! اگر یہ چند نفوس ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔"

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، مناشدۃ الرسول ربہ النصر، ج ۱، ص ۵۵٤، ملخصاً)

دعا مانگتے ہوئے آپ کی چادر مبارک دوشِ انور سے زمین پر گر پڑی اور آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ

کے یارِ غار تھے۔ آپ کو اس طرح بے قرار دیکھ کر اُن کے دل کا سکون و قرار جاتا رہا۔ انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آپ کے مقدس کندھے پر ڈال دیا اور آپ کا دست مبارک تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور اب بس کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اپنے یارِ غار صدیق جاں نثار (رضی اللہ عنہ) کی گزارش مان کر آپ نے دعا ختم کردی اور نہایت اطمینان کے ساتھ پیغمبرانہ لہجے میں یہ فرمایا کہ

سَیُہۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ (پ ۲۷، القمر: ۴۵)

ترجمہ کنزالایمان: اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور پیٹھیں پھیر دیں گے۔

صبح کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیاتِ جہاد کی تلاوت فرما کر ایسا ولولہ انگیز وعظ فرمایا کہ مجاہدین کی رگوں میں خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی کہ اگر صبر کے ساتھ تم مجاہدین میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیج دے گا۔

چنانچہ پانچ ہزار فرشتوں کی فوج میدانِ جنگ میں اتر پڑی اور دم زدن میں میدانِ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین کا جھنڈا لہرا رہے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے علمبردار تھے۔ کفار کے ستر آدمی قتل ہو گئے۔ اور ستر گرفتار ہوئے باقی اپنا سارا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ کفار کے مقتولین میں قریش کے بڑے بڑے نامور سردار جو بہادری اور سپہ گری میں یکتائے روزگار تھے۔ ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہاں تک کہ کفار قریش کی لشکری طاقت ہی فنا ہو گئی۔ مسلمانوں میں کل چودہ خوش نصیبوں کو شہادت کا شرف ملا جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے اور مسلمانوں کو بے شمار مالِ غنیمت ملا جو کفار چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر اور فرشتوں کی فوج کا تذکرہ قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ فرمایا کہ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ
بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا
وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ
مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَ مَا
النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۲۶﴾ (پ ٤، آل عمران: ١٢٣ تا ١٢٦)

ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ تو اللہ سے ڈرو کہ کہیں تم شکر گزار ہو جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اتار کر ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقوٰی کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لئے اور اسی لئے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے۔

درس ہدایت: جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد اور سامانِ جنگ کی قلت کے باوجود فتح مبین نے مسلمانوں کے قدموں کا بوسہ لیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فتح کثرتِ تعداد اور سامانِ جنگ کی فراوانی پر موقوف نہیں۔ بلکہ فتح کا دارومدار نصرتِ خداوندی پر ہے کہ وہ جب چاہتا ہے تو فرشتوں کی فوج آسمان سے میدانِ جنگ میں اتار کر مسلمانوں کی امداد و نصرت فرما دیتا ہے اور مسلمان قلتِ تعداد اور سامانِ جنگ نہ ہونے کے باوجود فتح مند ہو کر کفار کے لشکروں کو تہس نہس کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دو شرطیں رکھی ہیں، ایک صبر اور دوسرا تقوٰی۔ اگر مسلمان صبر و تقوٰی کے دامن کو تھامے ہوئے خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے جنگ میں اڑ جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر محاذ پر فتح مبین مسلمانوں

کے قدم چومے گی اور کفار شکست کھا کر راہ فرار اختیار کریں گے یا مسلمانوں کی مار سے فنا ہو کر فی النار ہو جائیں گے۔ بس ضرورت ہے کہ مسلمان صبر و تقویٰ کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر خدا کی مدد کا بھروسہ کر کے کفار کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہیں اور ہرگز ہرگز تعداد کی کمی اور سامانِ جنگ کی قلت و کثرت کی پرواہ نہ کریں کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے کہ

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ مدد فرمانے والا تو بس اللہ ہی ہے۔

سچ کہا ہے کہنے والے نے۔

کافر ہو تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

﴿۲۰﴾ سب سے پہلا قاتل و مقتول

روئے زمین پر سب سے پہلا قاتل قابیل اور سب سے پہلا مقتول ہابیل ہے "قابیل و ہابیل" یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ ان دونوں کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اور ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے نکاح کیا جاتا تھا۔ اس دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کا نکاح "لیوذا" سے جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی کرنا چاہا۔ مگر قابیل اس پر راضی نہ ہوا کیونکہ اقلیما زیادہ خوبصورت تھی اس لئے وہ اس کا طلب گار ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو سمجھایا کہ اقلیما تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے وہ تیری بہن ہے۔ اس کے ساتھ تیرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ مگر قابیل اپنی ضد پر اڑا رہا۔ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانیاں خداوند قدوس عزوجل کے دربار میں پیش کرو۔ جس کی قربانی مقبول ہو گی وہی اقلیما کا حق دار ہو گا۔ اس زمانے میں

قربانی کی مقبولیت کی یہ نشانی تھی کہ آسمان سے ایک آگ اتر کر اس کو کھا لیا کرتی تھی۔ چنانچہ قابیل نے گیہوں کی کچھ بالیں اور ہابیل نے ایک بکری قربانی کے لئے پیش کی۔ آسمانی آگ نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور قابیل کے گیہوں کو چھوڑ دیا۔ اس بات پر قابیل کے دل میں بغض و حسد پیدا ہو گیا اور اس نے ہابیل کو قتل کر دینے کی ٹھان لی اور ہابیل سے کہہ دیا کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا کہ قربانی قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہ متقی بندوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تو متقی ہوتا تو ضرور تیری قربانی قبول ہوتی۔ ساتھ ہی ہابیل نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تو میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھ پر اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلے پڑیں اور تو دوزخی ہو جائے کیونکہ بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ آخر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ بوقت قتل ہابیل کی عمر بیس برس کی تھی اور قتل کا یہ حادثہ مکہ مکرمہ میں جبل ثور کے پاس یا جبل حرا کی گھاٹی میں ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ بصرہ میں جس جگہ مسجدِ اعظم بنی ہوئی ہے منگل کے دن یہ سانحہ ہوا۔ (واللّٰہ تعالیٰ اعلم)

روایت ہے کہ جب ہابیل قتل ہو گئے تو سات دنوں تک زمین میں زلزلہ رہا۔ اور وحوش و طیور اور درندوں میں اضطراب اور بے چینی پھیل گئی اور قابیل جو بہت ہی گورا اور خوبصورت تھا بھائی کا خون بہاتے ہی اس کا چہرہ بالکل کالا اور بدصورت ہو گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو بے حد رنج و قلق ہوا۔ یہاں تک کہ ہابیل کے رنج و غم میں ایک سو برس تک کبھی آپ کو ہنسی نہیں آئی۔ اور سریانی زبان میں آپ نے ہابیل کا مرثیہ کہا جس کا عربی اشعار میں ترجمہ یہ ہے۔

تَغَيَّرَتِ الْبِلَادُ وَمَنْ عَلَيْهَا فَوَجْهُ الْاَرْضِ مُغْبَرٌّ قَبِيْحٌ

تَغَيَّرَ كُلُّ ذِىْ لَوْنٍ وَطَعْمٍ وَقَلَّ بَشَاشَةُ الْوَجْهِ الصَّبِيْحِ

ترجمہ: تمام شہروں اور اُن کے باشندوں میں تغیر پیدا ہو گیا اور زمین کا چہرہ غبار آلود اور قبیح

ہوگیا۔ ہر رنگ اور مزہ والی چیز بدل گئی اور گورے چہرے کی رونق کم ہوگئی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے شدید غضب ناک ہوکر قابیل کو پھٹکار کر اپنے دربار سے نکال دیا اور وہ بدنصیب اقلیما کو ساتھ لے کر یمن کی سرزمین ''عدن'' میں چلا گیا۔ وہاں ابلیس اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ ہابیل کی قربانی کو آگ نے اس لئے کھالیا کہ وہ آگ کی پوجا کیا کرتا تھا لہٰذا تو بھی ایک آگ کا مندر بنا کر آگ کی پرستش کیا کر۔ چنانچہ قابیل پہلا وہ شخص ہے جس نے آگ کی عبادت کی۔ اور یہ روئے زمین پر پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور سب سے پہلے زمین پر خون ناحق کیا اور یہ پہلا وہ مجرم ہے جو جہنم میں سب سے پہلے ڈالا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ روئے زمین پر قیامت تک جو بھی خون ناحق ہوگا قابیل اس میں حصہ دار ہوگا کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا دستور نکالا اور قابیل کا انجام یہ ہوا کہ اس کے ایک لڑکے نے جو کہ اندھا تھا اس کو ایک پتھر مار کر قتل کر دیا اور یہ بدبخت نبی زادہ ہونے کے باوجود آگ کی پرستش کرتے ہوئے کفر و شرک کی حالت میں اپنے لڑکے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (روح البیان، ج ۲، ص ۳۷۹، پ ٦، المائدة: ۲۷ تا ۳۰)

ہابیل کے قتل ہوجانے کے پانچ برس بعد حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو تیس برس کی ہو چکی تھی۔ آپ نے اپنے اس ہونہار فرزند کا نام ''شیث'' رکھا۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں اس کے معنیٰ **''ھبة اللّٰه''** یعنی ''اللہ کا عطیہ'' ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پچاس صحیفے جو آپ پر نازل ہوئے تھے ان سب کی حضرت شیث علیہ السلام کو تعلیم دی اور ان کو اپنا وصی و خلیفہ اور سجادہ نشین بنایا۔ اور ان کی نسل میں خیر و برکت ہونے کی دعائیں مانگیں۔ ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

(روح البیان، ج ۲، ص ۳۷٦، پ ٦، المائدة: ۳۰)

اس واقعہ کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ (پ ۶، المائدۃ: ۲۷ تا ۳۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی۔ بولا قسم ہے میں تجھے قتل کردوں گا۔ کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بیشک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک سارے جہان کا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تو دوزخی ہو جائے۔ اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔

درس ہدایت:۔ اس واقعہ سے چند ہدایتوں کے سبق ملتے ہیں:

﴿۱﴾ دنیا میں سب سے پہلا جو قتل اور خون ناحق ہوا وہ ایک عورت کے معاملہ میں ہوا۔ لہٰذا کسی عورت کے فتنۂ عشق میں مبتلا ہونے سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

﴿۲﴾ قابیل نے جذبہ حسد میں گرفتار ہو کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسد انسان کی کتنی بری اور خطرناک قلبی بیماری ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾** (پ ۳۰، الفلق: ۵) فرما کر حکم دیا گیا کہ حاسد کے حسد سے خدا کی پناہ مانگتے رہو۔

﴿۳﴾ خون ناحق کتنا بڑا جرم عظیم ہے کہ اس جرم کی وجہ سے ایک نبی علیہ السلام کا فرزند اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے دربار سے راندۂ درگاہ ہوکر کفر وشرک میں مبتلا ہوکر مر گیا۔ اور قیامت تک ہونے والے ہر خونِ ناحق میں حصہ دار بن کر عذاب جہنم میں گرفتار رہے گا۔

﴿۴﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برے طریقے پر عمل کریں گے سب کے گناہ میں وہ برابر کا شریک اور حصہ دار بنے گا۔

﴿۵﴾ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکوں کی اولاد کا نیک ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، نیکوں کی اولاد بری بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے مقدس نبی اور صفی اللہ ہیں مگر ان کا بیٹا قابیل کتنا خراب ہوا، وہ آپ پڑھ چکے۔ ہمیشہ ہر شخص کو چاہئے کہ فرزند صالح اور نیک اولاد کی دعائیں خدا سے مانگتا رہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مسجد سے محبت کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان الفت نشان ہے: ''جو مسجد سے الفت (محبت) رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے الفت رکھتا ہے۔'' (طبرانی اوسط، حدیث ۲۳۷۹)

حضرت علامہ عبدالرؤف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: مسجد سے الفت اس طرح ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے اس میں اعتکاف، نماز، ذکر اللہ، اور شرعی مسائل سیکھنے سکھانے کے لئے بیٹھے رہنے کی عادت بنانا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس بندے سے محبت کرنا اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ عطا فرماتا اور اس کو اپنی حفاظت میں داخل کرتا ہے۔ (فیض القدیر، ج۶، ص۱۰۷) (فیضان سنت، ج۱، ص۱۲۸۱)

﴿۲۱﴾ مُردہ دفن کرنا کوّے نے سکھایا

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو چونکہ اس سے پہلے کوئی آدمی مرا ہی نہیں تھا اس لئے قابیل حیران تھا کہ بھائی کی لاش کو کیا کروں۔ چنانچہ کئی دنوں تک وہ لاش کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرا۔ پھر اس نے دیکھا کہ دو کوے آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر زندہ کوے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر ایک گڑھا کھودا اور اس میں مرے ہوئے کوے کو ڈال کر مٹی سے دبا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر قابیل کو معلوم ہوا کہ مردے کی لاش کو زمین میں دفن کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُس نے قبر کھود کر اس میں بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔

(مدارك التنزيل، ج ۱، ص ٤٨٦، پ ٦، المائدة ٣١)

قرآن مجید نے اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ (پ ٦، المائدة: ٣١)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا۔

درس ہدایت:۔ ﴿۱﴾ اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ آدمی علم سیکھنے میں چھوٹے سے چھوٹے استاد کا یہاں تک کہ کوے کا بھی محتاج ہے۔

﴿۲﴾ اسی سے معلوم ہوا کہ انسان پر اُس کی دنیاوی زندگی کی راہ میں جب کوئی مشکل درپیش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے یہاں تک کہ چرندوں اور پرندوں کے ذریعے مشکلات حل کرنے کی راہ دکھا دیتا ہے۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم**)

﴿۲۲﴾ آسمانی دستر خوان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے یہ عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ وہ آسمان سے ہمارے پاس ایک دستر خوان اتار دے؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس طرح کی نشانیاں طلب کرنے سے اگر تم لوگ مومن ہو تو خدا سے ڈرو۔ یہ سن کر حواریوں نے کہا کہ ہم نشانی طلب کرنے کے لئے یہ سوال نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم شکم سیر ہو کر خوب کھائیں اور ہم کو اچھی طرح آپ کی صداقت کا علم ہو جائے تاکہ ہمارے دلوں کو قرار آ جائے اور ہم اس بات کے گواہ بن جائیں تاکہ بنی اسرائیل کو ہماری شہادت سے یقین اور اطمینان کلی حاصل ہو جائے اور مومنین کا یقین اَور بڑھ جائے اور کفار ایمان لائیں۔

﴿۱﴾ حواریوں کی اس درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح دعا مانگی:

ترجمہ کنزالایمان: اے رب ہمارے! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ (پ ۷، المائدۃ: ۱۱٤)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دستر خوان تو اتار دوں گا لیکن اس کے بعد بنی اسرائیل میں سے جو کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہان والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چند فرشتے ایک دستر خوان لے کر آسمان سے اترے جس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔

(تفسیر جلالین، ص ۱۱۱، پ ۷، المائدۃ: ۱۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرشتے دستر خوان میں روٹی اور گوشت

لے کر آسمان سے زمین پر نازل ہوئے اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ تلی ہوئی ایک بہت بڑی مچھلی تھی جس میں کانٹا نہیں تھا اور اس میں سے روغن ٹپک رہا تھا اور اس کے سر کے پاس نمک اور دم کے پاس سرکہ تھا اور اس کے اردگرد قسم قسم کی سبزیاں تھیں اور پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی کے اوپر روغن زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی، چوتھی پر پنیر، پانچویں پر گوشت کی بوٹیاں تھیں۔ دسترخوان کے ان سامانوں کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری شمعون نے کہا جو تمام حواریوں کا سردار تھا، کہ اے روح اللہ! یہ دسترخوان دنیا کے کھانوں میں سے ہے یا آخرت کے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ نہ تو دنیا کے کھانوں میں سے ہے نہ آخرت کے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہارے لئے اس کھانے کو ابھی ابھی ایجاد فرما کر بھیجا ہے۔ (تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۲، ص ۳۰٤، پ ۷، المائدۃ: ۱۱۵)

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ خوب شکم سیر ہو کر کھاؤ۔ اور خبردار اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کرنا۔ اور کل کے لئے ذخیرہ بنا کر نہ رکھنا۔ مگر بنی اسرائیل نے اس میں خیانت بھی کر ڈالی اور کل کے لئے ذخیرہ بنا کر بھی رکھ لیا۔ اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر یہ عذاب آیا کہ یہ لوگ رات کو سوئے تو اچھے خاصے تھے مگر صبح کو اٹھے تو مسخ ہو کر کچھ خنزیر اور کچھ بندر بن گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی موت کے لئے دعا مانگی تو تیسرے دن یہ لوگ مر کر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے اور کسی کو یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ ان کی لاشوں کو زمین نگل گئی یا اللہ نے ان کو کیا کر دیا۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۲، ص ۳۰٤، پ ۷، المائدۃ: ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے اس عجیب اور عظیم الشان واقعہ کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے۔

اور اسی واقعہ کی وجہ سے اس سورہ کا نام "مائدہ" رکھا گیا۔ "مائدہ" دسترخوان کو کہتے ہیں

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ (پ۷،المائدۃ:۱۱۴،۱۱۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔ عیسٰی بن مریم نے عرض کی اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا۔

درس ہدایت:۔ واقعہ مذکورہ سے بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ملتی ہیں۔ جن میں سے یہ دو سبق تو بہت ہی واضح ہیں:

﴿۱﴾ حضرات انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور نافرمانی کتنا خوفناک جرم عظیم ہے دیکھ لو! کہ بنی اسرائیل نے جب اپنے نبی علیہ السلام کی مخالفت و نافرمانی کرتے ہوئے آسمانی دسترخوان میں خیانت کی اور کل کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھ لیا تو عذاب الٰہی نے ان کو خنزیر بندر بنا کر دنیا سے اس طرح نیست و نابود کر دیا کہ ان کی قبروں کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

جو لوگ اللہ و رسول کی امانتوں میں خیانت کرتے ہیں۔ انہیں اس ہولناک عذاب سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور توبہ کر لینی چاہیے۔ **(واللہ تعالٰی اعلم)**

﴿۲﴾ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دعا میں یہ جملہ کہ جس دن دسترخوان نازل ہوگا وہ دن ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید کا دن ہوگا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس دن قدرتِ خداوندی کا کوئی خاص نشان ظاہر ہو، اس دن خوشی منانا اور مسرت و شادمانی کا اظہار کر کے عید منانا یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مقدس سنت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کی رات اور اس کا دن یقیناً خداوند قدوس کے ایک نشانِ اعظم کے ظہور کی رات اور دن ہے لہٰذا میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی منانا اور اس تاریخ کو عید میلاد کہنا یقیناً قرآن مجید کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ خوشی منانا، گھروں اور محفلوں کی آرائش کرنا، اچھے اچھے پکوان پکا کر خود بھی کھانا اور دوسروں کو کھلانا یہی سب عید کی نشانیاں، اور عید منانے کے طریقے ہیں جن پر بارہویں شریف کو اہل سنت و جماعت عمل کر کے عید میلاد کی خوشی مناتے ہیں اور جو لوگ اس سے چڑتے ہیں اور اس تاریخ کو اپنے گھر اندھیرا رکھتے ہیں، جھاڑو بھی نہیں لگاتے اور میلے کچیلے کپڑے پہن کر منہ لٹکائے پھرتے ہیں اور عید میلاد کی خوشی منانے والوں کو بدعتی کہہ کر پھبتیاں کستے ہیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے اور اہل سنت کو چاہئے کہ خوب خوب خوشی منائیں اور کثرت سے میلاد شریف کی مجلس منعقد کریں اور خوب جھوم جھوم کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں:

مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیات ولادت کیجئے

(حدائق بخشش، حصہ اوّل ص ۱۴۰)

﴿۲۳﴾ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا اعلانِ توحید

مفسرین کا بیان ہے کہ ''نمرود بن کنعان'' بڑا جابر بادشاہ تھا۔ سب سے پہلے اسی نے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ اس سے پہلے کسی بادشاہ نے تاج نہیں پہنا تھا یہ لوگوں سے زبردستی اپنی پرستش کراتا تھا کاہن اور نجومی اس کے دربار میں بکثرت اس کے مقرب تھے۔ نمرود نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ایک ستارہ نکلا اور اس کی روشنی میں چاند، سورج وغیرہ سارے ستارے بے نور ہو کر رہ گئے۔ کاہنوں اور نجومیوں نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ ایک فرزند ایسا ہوگا جو تیری بادشاہی کے زوال کا باعث ہوگا۔ یہ سن کر نمرود بے حد پریشان ہو گیا اور اس نے یہ حکم

دے دیا کہ میرے شہر میں جو بچہ پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے۔اور مرد عورتوں سے جدا رہیں۔ چنانچہ ہزاروں بچے قتل کر دیئے گئے۔مگر تقدیراتِ الٰہیہ کو کون ٹال سکتا ہے؟اسی دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہو گئے اور بادشاہ کے خوف سے ان کی والدہ نے شہر سے دور پہاڑ کے ایک غار میں ان کو چھپا دیا اسی غار میں چھپ کر ان کی والدہ روزانہ دودھ پلا دیا کرتی تھیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات برس کی عمر تک اور بعضوں نے تحریر فرمایا کہ سترہ برس تک آپ اسی غار میں پرورش پاتے رہے۔ **(واللہ تعالیٰ اعلم)**

(روح البیان، ج ۳، ص ۵۹، پ ۷، الانعام: ۷۵)

اس زمانے میں عام طور پر لوگ ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ایک رات آپ علیہ السلام نے زہرہ یا مشتری ستارہ کو دیکھا تو قوم کو توحید کی دعوت دینے کے لئے آپ نے نہایت ہی نفیس اور دل نشین انداز میں لوگوں کے سامنے اس طرح تقریر فرمائی کہ اے لوگو! کیا ستارہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ ڈوب جانے والوں سے میں محبت نہیں رکھتا۔پھر اس کے بعد جب چمکتا چاند نکلا تو آپ نے فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں سے ہوتا۔پھر جب چمکتے دمکتے سورج کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان سب سے بڑا ہے، کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب یہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم! میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم لوگ خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔اور میں نے اپنی ہستی کو اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے۔بس میں صرف اسی ایک ذات کا عابد اور پجاری بن گیا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔پھر ان کی قوم ان سے جھگڑا کرنے لگی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ اس خدا نے تو مجھے ہدایت دی ہے اور میں تمہارے جھوٹے

معبودوں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ سن لو! بغیر میرے رب کے حکم کے تم لوگ اور تمہارے دیوتا میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا رب ہر چیز کو جانتا ہے۔ کیا تم لوگ میری نصیحت کو نہیں مانو گے؟

اس واقعہ کو مختصر مگر بہت جامع الفاظ میں قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ ۚ (پ۷،الانعام:۷۶تا۷۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو۔ یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔

درس ہدایت:۔ غور کیجئے کہ کتنا دلکش طرزِ بیان اور کس قدر مؤثر طریقۂ استدلال ہے کہ نہ کوئی سخت کلامی ہے، نہ کسی کی دل آزاری، نہ کسی کے جذبات کو ٹھیس لگا کر اس کو غصہ دلانا ہے، بس اپنے مقصد کو نہایت ہی حسین پیرایہ اور خوبصورت انداز میں منکرین کے سامنے دلیل کے ساتھ پیش کر دینا ہے۔ ہمارے سخت گو اور تلخ زبان مقررین کے لئے اس میں ہدایت کا بہترین

درس ہے۔ مولیٰ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین۔

﴿۲۴﴾ فرعونیوں پر لگاتار پانچ عذاب

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا تو جادوگر سجدے میں گر کر ایمان لائے۔ مگر فرعون اور اس کے متبعین نے اب بھی ایمان قبول نہیں کیا۔ بلکہ فرعون کا کفر اور اس کی سرکشی اَور زیادہ بڑھ گئی اور اس نے بنی اسرائیل کے مومنین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دل آزاری اور ایذا رسانی میں بھرپور کوشش شروع کر دی اور طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ فرعون کے مظالم سے تنگ دل ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کے دربار میں اس طرح دعا مانگی کہ

''اے میرے رب! فرعون زمین میں بہت ہی سرکش ہو گیا ہے اور اس کی قوم نے عہد شکنی کی ہے لہٰذا تو انہیں ایسے عذابوں میں گرفتار فرمالے جو ان کے لئے سزاوار ہو۔ اور میری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت ہو۔'' (روح البیان، ج۳، ص ۲۲۰، پ۹، الاعراف:۱۳۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر لگاتار پانچ عذابوں کو مسلط فرمادیا وہ پانچوں عذاب یہ ہیں:

﴿۱﴾ **طوفان:** ناگہاں ایک ابر آیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا پھر انتہائی زوردار بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ طوفان آ گیا اور فرعونیوں کے گھروں میں پانی بھر گیا۔ اور وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں تک آ گیا ان میں سے جو بیٹھا وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ نہ ہل سکتے تھے نہ کوئی کام کر سکتے تھے۔ ان کی کھیتیاں اور باغات طوفان کے دھاروں سے برباد ہو گئے۔ سنیچر سے سنیچر تک مسلسل سات روز تک وہ لوگ اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور باوجودیکہ بنی اسرائیل کے مکانات فرعونیوں کے گھروں سے ملے ہوئے تھے مگر بنی اسرائیل کے گھروں میں سیلاب کا پانی نہیں آیا اور وہ نہایت ہی امن و چین کے ساتھ اپنے گھروں میں

رہتے تھے جب فرعونیوں کو اس مصیبت کے برداشت کرنے کی تاب و طاقت نہ رہی اور وہ بالکل ہی عاجز ہو گئے تو ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے دعا فرمائیے کہ یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ چنانچہ آپ نے دعا مانگی تو طوفان کی بلا ٹل گئی اور زمین میں ایسی سرسبزی اور شادابی نمودار ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی بھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ کھیتیاں بہت شاندار ہوئیں اور غلوں اور پھلوں کی پیداوار بے شمار ہوئی یہ دیکھ کر فرعونی کہنے لگے کہ یہ طوفان کا پانی تو ہمارے لئے بہت بڑی نعمت کا سامان تھا۔ پھر وہ اپنے عہد سے پھر گئے اور ایمان نہیں لائے اور پھر سرکشی اور ظلم و عصیان کی گرم بازاری شروع کردی۔

﴿۲﴾ **ٹڈیاں:** ۔ایک ماہ تک تو فرعونی نہایت عافیت سے رہے۔ لیکن جب ان کا کفر و تکبر اور ظلم و ستم پھر بڑھنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر و عذاب کو ٹڈیوں کی شکل میں بھیج دیا کہ چاروں طرف سے ٹڈیوں کے جھنڈ کے جھنڈ آ گئے جو ان کی کھیتیوں اور باغوں کو یہاں تک کہ ان کے مکانوں کی لکڑیاں تک کو کھا گئیں اور فرعونیوں کے گھروں میں یہ ٹڈیاں بھر گئیں جس سے ان کا سانس لینا مشکل ہو گیا مگر بنی اسرائیل کے مومنین کے کھیت اور باغ اور مکانات ان ٹڈیوں کی یلغار سے بالکل محفوظ رہے۔ یہ دیکھ کر فرعونیوں کو بڑی عبرت ہوگئی اور آخر اس عذاب سے تنگ آ کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے عہد کیا کہ آپ اس عذاب کے دفع ہونے کے لئے دعا فرمادیں تو ہم لوگ ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل پر کوئی ظلم و ستم نہ کریں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ساتویں دن یہ عذاب بھی ٹل گیا اور یہ لوگ پھر ایک ماہ تک نہایت ہی آرام و راحت میں رہے۔ لیکن پھر عہد شکنی کی اور ایمان نہیں لائے۔ ان لوگوں کے کفر اور عصیان میں پھر اضافہ ہونے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کو ایذائیں دینے لگے اور کہنے لگے کہ ہماری جو کھیتیاں اور پھل بچ گئے ہیں وہ ہمارے لئے کافی ہیں۔ لہٰذا ہم اپنا دین

چھوڑ کر ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿۳﴾ **گھن**:۔ غرض ایک ماہ کے بعد پھر ان لوگوں پر ''قمل'' کا عذاب مسلط ہو گیا۔ بعض مفسرین کا بیان ہے کہ یہ گھن تھا جو ان فرعونیوں کے اناجوں اور پھلوں میں لگ کر تمام غلوں اور میووں کو کھا گیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ایک چھوٹا سا کیڑا تھا، جو کھیتوں کی تیار فصلوں کو چٹ کر گیا اور ان کے کپڑوں میں گھس کر ان کے چمڑوں کو کاٹ کاٹ کر انہیں مرغ بسمل کی طرح تڑپانے لگا۔ یہاں تک کہ ان کے سر کے بالوں، داڑھی، مونچھوں، بھنوؤں، پلکوں کو چاٹ چاٹ کر اور چہروں کو کاٹ کاٹ کر انہیں چیچک رو بنا دیا۔ یہ کیڑے ان کے کھانوں، پانیوں اور برتنوں میں گھس جاتے تھے۔ جس سے یہ لوگ نہ کچھ کھا سکتے تھے نہ کچھ پی سکتے تھے۔ نہ لمحہ بھر کے لئے سو سکتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ میں اس قہر آسمانی و بلاء ناگہانی سے بلبلا کر یہ لوگ چیخ پڑے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضور حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے لگے اور ایمان لانے کا عہد دینے لگے چنانچہ آپ نے ان لوگوں کی بے قراری اور گریہ وزاری پر رحم کھا کر دعا کر دی۔ اور یہ عذاب بھی رفع دفع ہو گیا۔ لیکن فرعونیوں نے پھر اپنے عہد کو توڑ ڈالا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ ظلم و عدوان پر کمر بستہ ہو گئے۔ پھر ایک ماہ کے بعد ان لوگوں پر مینڈک کا عذاب نازل ہو گیا۔

﴿۴﴾ **مینڈک**:۔ ان فرعونیوں کی بستیوں اور ان کے گھروں میں اچانک بے شمار مینڈک پیدا ہو گئے اور ان ظالموں کا یہ حال ہو گیا کہ جو آدمی جہاں بھی بیٹھتا اس کی مجلس میں ہزاروں مینڈک بھر جاتے تھے۔ کوئی آدمی بات کرنے یا کھانے کے لئے منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک کود کر گھس جاتے۔ ہانڈیوں میں مینڈک، ان کے جسموں پر سینکڑوں مینڈک سوار رہتے۔ اٹھنے، بیٹھنے، لیٹنے کسی حالت میں بھی مینڈکوں سے نجات نہیں ملتی تھی۔ اس عذاب سے فرعونی رو پڑے اور پھر روتے گڑگڑاتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں دعا کی بھیک

مانگنے کے لئے آئے اور بڑی بڑی قسمیں کھا کر عہد و پیمان کرنے لگے کہ ہم ضرور ایمان لائیں گے اور مومنین کو کبھی ایذاء نہیں دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ساتویں دن یہ عذاب بھی اٹھالیا گیا مگر یہ مردود قوم راحت ملتے ہی پھر اپنا عہد توڑ کر اپنی پہلی خبیث حرکتوں میں مشغول ہوگئی۔ مومنین کو ستانے لگے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین و بے ادبی کرنے لگے تو پھر عذابِ الٰہی نے ان ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان لوگوں پر خون کا عذاب قہر الٰہی بن کر اتر پڑا۔

﴿۵﴾ **خون**:۔ ایک دم بالکل اچانک ان لوگوں کے تمام کنوؤں، نہروں کا پانی خون ہوگیا تو ان لوگوں نے فرعون سے فریاد کی، تو اس سرکش نے کہا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جادوگری اور نظر بندی ہے۔ یہ سن کر فرعونیوں نے کہا کہ یہ کیسی اور کہاں کی نظر بندی ہے؟ کہ ہمارے کھانے پینے کے برتن خون سے بھرے پڑے ہیں اور مومنین پر اس کا ذرا بھی اثر نہیں تو فرعون نے حکم دیا کہ فرعونی لوگ مومنین کے ساتھ ایک ہی برتن سے پانی نکالیں۔ مگر خدا کی شان کہ مومنین اسی برتن سے پانی نکالتے تو نہایت ہی صاف شفاف اور شیریں پانی نکلتا اور فرعونی جب اسی برتن سے پانی نکالتے تو تازہ خالص خون نکلتا۔ یہاں تک کہ فرعونی لوگ پیاس سے بے قرار ہو کر مومنین کے پاس آئے اور کہا کہ ہم دونوں ایک ہی برتن سے ایک ہی ساتھ منہ لگا کر پانی پئیں گے مگر قدرت خداوندی کا عجیب جلوہ نظر آتا۔ ایک ہی برتن سے ایک ساتھ منہ لگا کر دونوں پانی پیتے تھے مگر مومنین کے منہ میں جو جاتا وہ پانی ہوتا تھا اور فرعون والوں کے منہ میں جو جاتا وہ خون ہوتا تھا۔ مجبور ہو کر فرعون اور فرعونی لوگ گھاس اور درختوں کی جڑیں اور چھالیں چبا چبا کر چوستے تھے مگر اس کی رطوبت بھی ان کے منہ میں جا کر خون بن جاتی تھی۔ الغرض فرعونیوں نے پھر گڑگڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی۔ تو آپ نے پیغمبرانہ رحم و کرم فرما کر پھر ان لوگوں کے لئے دعائے خیر فرمادی تو ساتویں دن اس خونی

عذاب کا سایہ بھی ان کے سروں سے اٹھ گیا۔ الغرض ان سرکشوں پر مسلسل پانچ عذاب آتے رہے اور ہر عذاب ساتویں دن ٹلتا رہا اور ہر دو عذابوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ ہوتا رہا مگر فرعون اور فرعونیوں کے دلوں پر شقاوت و بدبختی کی ایسی مہر لگ چکی تھی کہ پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے اور اپنے کفر پر اڑے رہے اور ہر مرتبہ اپنا عہد توڑتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا آخری عذاب آ گیا کہ فرعون اور اس کے متبعین سب دریائے نیل میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے خدا کی دنیا ان عہد شکنوں اور مردودوں سے پاک و صاف ہو گئی اور یہ لوگ دنیا سے اس طرح نیست و نابود کر دیئے گئے کہ روئے زمین پر ان کی قبروں کا نشان بھی باقی نہیں رہ گیا۔

(تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ۸۰۳، پ ۹، الاعراف: ۱۳۳)

قرآن مجید نے ان مذکورہ بالا پانچوں عذابوں کی تصویر کشی ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ (پ ۹، الاعراف: ۱۳۳ تا ۱۳۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی اور جب ان پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے

پاس ہے بیشک اگر تم ہم پر سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جاتے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ ہماری آیتیں جھٹلاتے اور ان سے بے خبر تھے۔

درس ہدایت:۔ ﴿۱﴾ ان واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ عہد شکنی اور اللہ کے نبیوں کی تکذیب و توہین کتنا بڑا اور ہولناک جرم عظیم ہے کہ اس کی وجہ سے فرعونیوں پر بار بار عذابِ الٰہی قسم قسم کی صورتوں میں اترا۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ دریا میں غرق کر کے دنیا سے فنا کر دیئے گئے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو عہد شکنی اور سرکشی اور گناہوں سے بچتے رہنا لازم ہے کہ کہیں بداعمالیوں کی نحوستوں سے ہم پر بھی قہرِ الٰہی عذاب کی صورت میں نہ اتر پڑے۔

﴿۲﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صبر و تحمل اور ان کی رقیق القلبی بلاشبہ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ بار بار عہد شکنی کرنے والے اپنے دشمنوں کی آہ و فغاں پر رحم کھا کر ان کے عذاب کو دفع کرنے کی دعا فرماتے رہے اس سے معلوم ہوا کہ قوم کے ہادی اور ان کے پیشوا کے لئے صبر و تحمل اور عفو و درگزر کی خصلت انتہائی ضروری ہے اور علماء کرام کو جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نائبین ہیں ان کے لئے بے حد لازم و ضروری ہے کہ وہ اپنے مخالفین اور بدخواہوں سے انتقام کا جذبہ نہ رکھیں بلکہ صبر و تحمل کر کے اپنے مجرموں کو بار بار معاف کرتے رہیں۔ کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مقدس سنت بھی ہے اور ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ایک بڑا ہی خاص اور خصوصی طرۂ امتیاز ہے کہ آپ نے کبھی بھی اپنی ذات کے لئے اپنے دشمنوں سے کوئی بھی انتقام نہیں لیا بلکہ ہمیشہ ان کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی مقدس تعلیم کا بہت ہی تابناک اور درخشاں ارشاد ہے کہ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ یعنی تم سے جو تعلق کاٹے تم اس سے تعلق جوڑو۔ اور جو تم پر ظلم کرے اس کو

معاف کردو۔اور جو تمہارے ساتھ بُرا برتاؤ کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

بدی رابدی سهل باشد جزا　　　اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا

یعنی برائی کا برا بدلہ دینا تو بہت آسان ہے لیکن اگر تم جوان مرد ہو تو برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرو۔

﴿۲۵﴾ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔آپ نے جب قوم ثمود کو خدا (عزوجل) کا فرمان سنا کر ایمان کی دعوت دی تو اس سرکش قوم نے آپ سے یہ معجزہ طلب کیا کہ آپ اس پہاڑ کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکالیے جو خوب فربہ اور ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو۔چنانچہ آپ نے چٹان کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ فوراً ہی پھٹ گئی اور اس میں سے ایک نہایت ہی خوبصورت و تندرست اور خوب بلند قامت اونٹنی نکل پڑی جو گابھن تھی اور نکل کر اس نے ایک بچہ بھی جنا اور یہ اپنے بچے کے ساتھ میدانوں میں چرتی پھرتی رہی۔

اس بستی میں ایک ہی تالاب تھا جس میں پہاڑوں کے چشموں سے پانی گر کر جمع ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو یہ معجزہ کی اونٹنی ہے۔ایک روز تمہارے تالاب کا سارا پانی یہ پی ڈالے گی اور ایک روز تم لوگ پینا۔قوم نے اس کو مان لیا پھر آپ نے قوم ثمود کے سامنے یہ تقریر فرمائی کہ

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ (پ۸،الاعراف:۷۳)

ترجمہ کنزالایمان: اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لئے نشانی تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے گا۔

چند دن تو قوم ثمود نے اس تکلیف کو برداشت کیا کہ ایک دن اُن کو پانی نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ اس دن تالاب کا سارا پانی اونٹنی پی جاتی تھی۔ اس لئے ان لوگوں نے طے کرلیا کہ اس اونٹنی کو قتل کرڈالیں۔

قدار بن سالف:۔ چنانچہ اس قوم میں قدار بن سالف جو سرخ رنگ کا بھوری آنکھوں والا اور پستہ قد آدمی تھا اور ایک زنا کار عورت کا لڑکا تھا۔ ساری قوم کے حکم سے اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام منع ہی کرتے رہے، لیکن قدار بن سالف نے پہلے تو اونٹنی کے چاروں پاؤں کو کاٹ ڈالا۔ پھر اس کو ذبح کر دیا اور انتہائی سرکشی کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام سے بے ادبانہ گفتگو کرنے لگا۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ (پ۸، الاعراف ۷۷)

ترجمہ کنزالایمان:۔ پس ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو۔

زلزلہ کا عذاب:۔ قوم ثمود کی اس سرکشی پر عذابِ خداوندی کا ظہور اس طرح ہوا کہ پہلے ایک زبردست چنگھاڑ کی خوفناک آواز آئی۔ پھر شدید زلزلہ آیا جس سے پوری آبادی اتھل پتھل ہو کر چکنا چور ہو گئی۔ تمام عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر تہس نہس ہو گئیں اور قوم ثمود کا ایک ایک آدمی گھٹنوں کے بل اوندھا گر کر مر گیا۔ قرآن مجید نے فرمایا کہ

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ (پ۸، الاعراف: ۷۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو انہیں زلزلہ نے آلیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے رہ گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ پوری بستی زلزلوں کے جھٹکوں سے تباہ و برباد ہوکر اینٹ پتھروں کا ڈھیر بن گئی اور پوری قوم ہلاک ہوگئی تو آپ کو بڑا صدمہ اور قلق ہوا۔ اور آپ کو قوم ثمود اور اُن کی بستی کے ویرانوں سے اس قدر نفرت ہوگئی کہ آپ نے اُن لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور اُس بستی کو چھوڑ کر دوسری جگہ تشریف لے گئے اور چلتے وقت مردہ لاشوں سے یہ فرما کر روانہ ہوگئے کہ

یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾ (پ۸،الاعراف:۷۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچادی اور تمہارا بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کے غرضی (پسند کرنے والے) ہی نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قوم ثمود کی پوری بستی برباد و ویران ہوکر کھنڈر بن گئی اور پوری قوم فنا کے گھاٹ اتر گئی کہ آج اُن کی نسل کا کوئی انسان روئے زمین پر باقی نہیں رہ گیا۔

(تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ۶۸۸، پ ۸، الاعراف: ۷۳۔ ۷۷ تا ۷۹ ملخصاً)

درس ہدایت:۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب ایک نبی کی ایک اونٹنی کو قتل کردینے والی قوم عذابِ الٰہی کی تباہ کاریوں سے اس طرح فنا ہوگئی کہ ان کی نسل کا کوئی انسان بھی روئے زمین پر باقی نہ رہ گیا تو جو قوم اپنے نبی کی آل و اولاد کو قتل کر ڈالے گی بھلا وہ عذابِ الٰہی کے قہر سے کب اور کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے؟ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ کربلا میں اہل بیت نبوت کو شہید کرنے والے یزیدی کوفیوں اور شامیوں کا یہی حشر ہوا کہ مختار بن عبید کے دورِ حکومت میں یزیدیوں کا بچہ بچہ قتل کردیا گیا اور ان کے گھروں کو تاخت و تاراج کرکے ان پر گدھوں کے ہل

چلائے گئے اور آج روئے زمین پر ان یزیدیوں کی نسل کا کوئی ایک بچہ بھی باقی نہیں رہ گیا۔

ایک لاکھ چالیس ہزار یزیدی مقتول:۔ حاکم محدث نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجی تھی کہ قوم یہود نے حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا تو ان کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار یہودی قتل ہوئے اور آپ کے نواسہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خون کے بدلے ستر ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار کوفی و شامی مقتول ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ مختار بن عبید کی لڑائی میں ستر ہزار کوفی و شامی قتل ہوئے اور پھر عباسی سلطنت کے بانی عبداللہ سفاح کے حکم سے ستر ہزار کوفی و شامی مارے گئے۔ کل مل کر ایک لاکھ چالیس ہزار مقتول ہو گئے۔ (المستدرک، کتاب التفسیر، باب اخبار القتل عوض الحسین......الخ، ج۳،ص۷، رقم ۲۳۰۱)

بہر حال یہ یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی ہر ہر چیز کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ لہٰذا خدا (عزوجل) کے محبوبوں کی آل و ازواج ہوں یا اصحاب و احباب یا ان سے نسبت و تعلق رکھنے والی کوئی بھی چیز ہو ان میں سے کسی کی بھی توہین اور بے ادبی سے خداوند قہار کا قہر و غضب ضرور کسی نہ کسی عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جس کو اللہ (عزوجل) کے محبوبوں سے نسبت حاصل ہو جائے اس کی تعظیم و تکریم لازم و ضروری ہے اور اس کی توہین و بے ادبی عذابِ الٰہی کی ہری جھنڈی اور تباہی و بربادی کا سگنل ہے۔ (والعیاذ باللہ منہ)

عذاب کی زمین منحوس:۔ روایت ہے کہ جب جنگِ تبوک کے موقع پر سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ خبردار کوئی شخص اس گاؤں میں داخل نہ ہو اور نہ اس گاؤں کے کنویں کا کوئی شخص پانی پیئے اور تم لوگ اس عذاب کی جگہ سے خوفِ الٰہی عزوجل میں ڈوب کر روتے ہوئے اور منہ ڈھانپے

ہوئے جلد سے جلد گزر جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی عذاب اتر پڑے۔

(روح البیان، ج ۳، ص ۱۹۴، پ ۸، الاعراف: ۷۹)

﴿۲۶﴾ قومِ عاد کی آندھی

قومِ عاد مقام ''احقاف'' میں رہتی تھی جو عمان و حضر موت کے درمیان ایک بڑا ریگستان ہے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ کا نام عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح ہے۔ پوری قوم کے لوگ ان کو مورثِ اعلیٰ ''عاد'' کے نام سے پکارنے لگے۔ یہ لوگ بت پرست اور بہت بداعمال و بدکردار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کو ان لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا مگر اس قوم نے اپنے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور اپنے کفر پر اڑے رہے۔ حضرت ہود علیہ السلام بار بار ان سرکشوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہے، مگر اس شریر قوم نے نہایت ہی بے باکی اور گستاخی کے ساتھ اپنے نبی سے یہ کہہ دیا کہ

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۷۰ (پ ۸، الاعراف: ۷۰)

ترجمہ کنزالایمان: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ انہیں چھوڑ دیں تو لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہو اگر سچے ہو۔

آخر عذابِ الٰہی کی جھلکیاں شروع ہوگئیں۔ تین سال تک بارش ہی نہیں ہوئی۔ اور ہر طرف قحط و خشک سالی کا دور دورہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ لوگ اناج کے دانے دانے کو ترس گئے۔ اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی بلا اور مصیبت آتی تھی تو لوگ مکہ معظّمہ جا کر خانہ کعبہ میں دعائیں مانگتے تھے تو بلائیں ٹل جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک جماعت مکہ معظّمہ گئی۔ اس جماعت میں مرثد بن سعد نامی ایک شخص بھی تھا جو مومن تھا مگر اپنے ایمان کو قوم سے چھپائے ہوئے تھا۔

جب ان لوگوں نے کعبہ معظمہ میں دعا مانگنی شروع کی تو مرثد بن سعد کا ایمانی جذبہ بیدار ہو گیا۔ اور اس نے تڑپ کر کہا کہ اے میری قوم تم لاکھ دعائیں مانگو، مگر خدا کی قسم اس وقت تک پانی نہیں برسے گا جب تک تم اپنے نبی حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان نہ لاؤ گے۔ حضرت مرثد بن سعد نے جب اپنا ایمان ظاہر کر دیا تو قوم عاد کے شریروں نے ان کو مار پیٹ کر الگ کر دیا اور دعائیں مانگنے لگے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تین بدلیاں بھیجیں۔ ایک سفید، ایک سرخ، ایک سیاہ اور آسمان سے ایک آواز آئی کہ اے قوم عاد! تم لوگ اپنی قوم کے لئے ان تین بدلیوں میں سے ایک بدلی کو پسند کر لو۔ ان لوگوں نے کالی بدلی کو پسند کر لیا اور یہ لوگ اس خیال میں مگن تھے کہ کالی بدلی خوب زیادہ بارش دے گی۔ چنانچہ وہ ابر سیاہ قوم عاد کی آبادیوں کی طرف چل پڑا۔ قوم عاد کے لوگ کالی بدلی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم! دیکھ لو عذابِ الٰہی ابر کی صورت میں تمہاری طرف بڑھ رہا ہے مگر قوم کے گستاخوں نے اپنے نبی کو جھٹلا دیا اور کہا کہ کہاں کا عذاب اور کیسا عذاب؟

هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا یہ تو بادل ہے جو ہمیں بارش دینے کے لئے آ رہا ہے۔

(روح البیان، ج۳، ص۱۸۷تا۱۸۹، پ ۸، الاعراف: ۷۰)

یہ بادل پچھم کی طرف سے آبادیوں کی طرف برابر بڑھتا رہا اور ایک دم ناگہاں اس میں سے ایک آندھی آئی جو اتنی شدید تھی کہ اونٹوں کو مع ان کے سوار کے اڑا کر کہیں سے کہیں پھینک دیتی تھی۔ پھر اتنی زوردار ہو گئی کہ درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر اڑا لے جانے لگی۔ یہ دیکھ کر قوم عاد کے لوگوں نے اپنے سنگین محلوں میں داخل ہو کر دروازوں کو بند کر لیا مگر آندھی کے جھونکے نہ صرف دروازوں کو اکھاڑ کر لے گئے بلکہ پوری عمارتوں کو جھنجھوڑ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سات رات اور آٹھ دن مسلسل یہ آندھی چلتی رہی۔ یہاں تک کہ قوم عاد کا ایک ایک آدمی مر کر فنا ہو گیا۔ اور اس قوم کا ایک بچہ بھی باقی نہ رہا۔

جب آندھی ختم ہوئی تو اس قوم کی لاشیں زمین پر اس طرح پڑی ہوئی تھیں جس طرح کھجوروں کے درخت اکھڑ کر زمین پر پڑے ہوں چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾ (پ ۲۹، الحاقة: ٦ تا ٨)

ترجمہ کنزالایمان: اور رہے عاد وہ ہلاک کیے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے وہ ان پر قوت سے لگا دی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار تو ان لوگوں کو ان میں دیکھو بچھڑے ہوئے گویا وہ کھجور کے ڈنڈ (سوکھے تنے) ہیں گرے ہوئے تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔

پھر قدرتِ خداوندی سے کالے رنگ کے پرندوں کا ایک غول نمودار ہوا۔ جنہوں نے ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ اور حضرت ہود علیہ السلام نے اس بستی کو چھوڑ دیا اور چند مومنین کو جو ایمان لائے تھے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ اور آخرِ زندگی تک بیت اللہ شریف میں عبادت کرتے رہے۔

(تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ٦٨٦، پ ٨، الاعراف: ٧٠)

درسِ ہدایت: ۔ قرآن کریم کے اس دردناک واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ "قوم عاد" جو بڑی طاقتور اور قد آور قوم تھی اور ان لوگوں کی مالی خوشحالی بھی نہایت مستحکم تھی کیونکہ لہلہاتی کھیتیاں اور ہرے بھرے باغات ان کے پاس تھے۔ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان لوگوں نے گرمیوں اور سردیوں کے لئے الگ الگ محلات تعمیر کیے تھے۔ ان لوگوں کو اپنی کثرت اور طاقت پر بڑا اعتماد، اپنے تمول اور سامان عیش و عشرت پر بڑا ناز تھا۔ مگر کفر اور بداعمالیوں و بدکاریوں کی نحوست نے ان لوگوں کو قہرِ الٰہی کے عذاب میں اس طرح گرفتار کر دیا کہ آندھی کے جھونکوں اور جھٹکوں نے ان کی پوری آبادی کو جھنجھوڑ کر چکنا چور کر دیا۔ اور اس پوری قوم کے

وجود کو صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹا دیا کہ ان کی قبروں کا بھی کہیں نشان باقی نہ رہا۔ تو پھر بھلا ہم لوگوں جیسی کمزور قوموں کا کیا ٹھکانا ہے؟ کہ عذابِ الٰہی کے جھٹکوں کی تاب لاسکیں۔ اس لئے جن لوگوں کو اپنی اور اپنی نسلوں کی خیریت و بقا منظور ہے، انہیں لازم ہے کہ وہ اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے ہمیشہ بچتے رہیں۔ اپنی کوشش اور طاقت بھر اعمالِ صالح اور نیکیاں کرتے رہیں، ورنہ قرآن مجید کی آیتیں ہمیں جھنجھوڑ کر یہ سبق دے رہی ہیں کہ نیکی کی تاثیر آبادی اور بدی کی تاثیر بربادی ہے۔ قرآن مجید میں پڑھ لو کہ

وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ (پ ۲۹، الحاقۃ: ۹) یعنی بہت سی بستیاں اپنی بدکاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک و برباد کر دی گئیں۔ اور دوسری آیت میں یہ بھی پڑھ لو کہ

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ (پ ۹، الاعراف: ۹۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کئے پر گرفتار کیا۔

﴿۲۷﴾ اُلٹ پلٹ ہوجانے والا شہر

یہ حضرت لوط علیہ السلام کا شہر ''سَدُوم'' ہے۔ جو ملک شام میں صوبہ ''حمص'' کا ایک مشہور شہر ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام بن ہاران بن تارخ، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ یہ لوگ عراق میں شہر ''بابل'' کے باشندہ تھے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر کے ''فلسطین'' تشریف لے گئے اور حضرت لوط علیہ السلام ملک شام کے ایک شہر ''اُردن'' میں مقیم ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرما کر ''سدوم'' والوں کی ہدایت کے لئے بھیج دیا۔ (تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ۶۸۹، پ ۸، الاعراف: ۸۰)

شہر سدوم:۔ شہر سدوم کی بستیاں بہت آباد اور نہایت سرسبز و شاداب تھیں اور وہاں طرح

طرح کے اناج اور قسم قسم کے پھل اور میوے بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ شہر کی خوشحالی کی وجہ سے اکثر جا بجا کے لوگ مہمان بن کر ان آبادیوں میں آیا کرتے تھے اور شہر کے لوگوں کو ان مہمانوں کی مہمان نوازی کا بار اٹھانا پڑتا تھا۔ اس لئے اس شہر کے لوگ مہمانوں کی آمد سے بہت ہی کبیدہ خاطر اور تنگ ہو چکے تھے۔ مگر مہمانوں کو روکنے اور بھگانے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس ماحول میں ابلیس لعین ایک بوڑھے کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور ان لوگوں سے کہنے لگا کہ اگر تم لوگ مہمانوں کی آمد سے نجات چاہتے ہو تو اس کی یہ تدبیر ہے کہ جب بھی کوئی مہمان تمہاری بستی میں آئے تو تم لوگ زبردستی اس کے ساتھ بدفعلی کرو۔ چنانچہ سب سے پہلے ابلیس خود ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں مہمان بن کر اس بستی میں داخل ہوا۔ اور ان لوگوں سے خوب بدفعلی کرائی اس طرح یہ فعلِ بد ان لوگوں نے شیطان سے سیکھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس برے کام کے یہ لوگ اس قدر عادی بن گئے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرنے لگے۔ (روح البیان، ج۳، ص۱۹۷، پ۸، الاعراف: ۸۰)

چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس فعلِ بد سے منع کرتے ہوئے اس طرح وعظ فرمایا کہ

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ (پ۸، الاعراف: ۸۰، ۸۱)

ترجمہ کنزالایمان: اپنی قوم سے کہا کیا وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی تم تو مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے اس اصلاحی اور مصلحانہ وعظ کو سن کر ان کی قوم نے نہایت بے

با کی اور انتہائی بے حیائی کے ساتھ کیا کہا؟ اس کو قرآن کی زبان سے سنئے:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ (پ۸،الاعراف:۸۲)

ترجمہ کنزالایمان: اور اس کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہنا کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں۔

جب قوم لوط کی سرکشی اور بدفعلی قابل ہدایت نہ رہی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام چند فرشتوں کو ہمراہ لے کر آسمان سے اتر پڑے۔ پھر یہ فرشتے مہمان بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور یہ سب فرشتے بہت ہی حسین اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے۔ ان مہمانوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر اور قوم کی بدکاری کا خیال کر کے حضرت لوط علیہ السلام بہت فکر مند ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد قوم کے بدفعلوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور ان مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کے ارادہ سے دیوار پر چڑھنے لگے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت دل سوزی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھانا اور اس برے کام سے منع کرنا شروع کر دیا۔ مگر یہ بدفعل اور سرکش قوم اپنے بے ہودہ جواب اور برے اقدام سے باز نہ آئی۔ تو آپ اپنی تنہائی اور مہمانوں کے سامنے رسوائی سے تنگ دل ہو کر غمگین و رنجیدہ ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ عزوجل کے نبی آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو ان بدکاروں پر عذاب لے کر اترے ہیں۔ لہٰذا آپ مؤمنین اور اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر صبح ہونے سے قبل ہی اس بستی سے دور نکل جائیں اور خبردار کوئی شخص پیچھے مڑ کر اس بستی کی طرف نہ دیکھے ورنہ وہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں اور مومنین کو ہمراہ لے کر بستی سے باہر نکل گئے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس

شہر کی پانچوں بستیوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر آسمان کی طرف بلند ہوئے اور کچھ اوپر جا کر ان بستیوں کو الٹ دیا اور یہ آبادیاں زمین پر گر کر چکنا چور ہو کر زمین پر بکھر گئیں۔ پھر کنکر کے پتھروں کا مینہ برسا اور اس زور سے سنگ باری ہوئی کہ قوم لوط کے تمام لوگ مر گئے اور ان کی لاشیں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئیں۔ عین اس وقت جب کہ یہ شہر الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی ایک بیوی جس کا نام "واعلہ" تھا جو درحقیقت منافقہ تھی اور قوم کے بدکاروں سے محبت رکھتی تھی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور یہ کہا کہ "ہائے رے میری قوم" یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی پھر عذابِ الٰہی کا ایک پتھر اس کے اوپر بھی گر پڑا اور وہ بھی ہلاک ہو گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ﳲ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ(۸۳) وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًاؕ-فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ۠(۸۴) (پ۸،الاعراف:۸۳،۸۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت وہ رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے اُن پر ایک مینہ برسایا تو دیکھو کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔

جو پتھر اس قوم پر برسائے گئے وہ کنکروں کے ٹکڑے تھے۔ اور ہر پتھر پر اُس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جو اس پتھر سے ہلاک ہوا۔

(تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ۶۹۱، پ۸، الاعراف: ۸۴)

درس ہدایت:۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ لواطت کس قدر شدید اور ہولناک گناہ کبیرہ ہے کہ اس جرم میں قوم لوط کی بستیاں الٹ پلٹ کر دی گئیں اور مجرمین پتھراؤ کے عذاب سے مر کر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔

منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ ابلیس لعین سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑھ کر کون سا گناہ ناپسند ہے؟ تو ابلیس نے کہا کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یہ گناہ

ناپسند ہے کہ مرد، مرد سے بدفعلی کرے اور عورت، عورت سے اپنی خواہش پوری کرے۔ اور حدیث میں ہے کہ عورت کا اپنی فرج کو دوسری عورت کی فرج سے رگڑنا یہ ان دونوں کی زنا کاری ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

(روح البیان، ج۳، ص۱۹۸، پ۸، الاعراف:۸۴)

(لواطت کی ممانعت کا تفصیلی بیان ہماری کتاب ''جہنم کے خطرات'' میں پڑھیئے)

﴿۲۸﴾ سامری کا بچھڑا

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل اس کے پنجے سے آزاد ہو کر سب ایمان لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند کریم کا یہ حکم ہوا کہ وہ چالیس راتوں کا کوہِ طور پر اعتکاف کریں اس کے بعد انہیں کتاب (توراۃ) دی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چلے گئے اور بنی اسرائیل کو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ آپ چالیس دن تک دن بھر روزہ دار رہ کر ساری رات عبادت میں مشغول رہتے۔

سامری:۔ بنی اسرائیل میں ایک حرامی شخص تھا جس کا نام سامری تھا جو طبعی طور پر نہایت گمراہ اور گمراہ کن آدمی تھا۔ اس کی ماں نے برادری میں رسوائی و بدنامی کے ڈر سے اس کو پیدا ہوتے ہی پہاڑ کے ایک غار میں چھوڑ دیا تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کو اپنی انگلی سے دودھ پلا پلا کر پالا تھا۔ اس لئے یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔ اس کا پورا نام ''موسیٰ سامری'' ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام بھی ''موسیٰ'' ہے۔ موسیٰ سامری کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پالا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر ہوئی تھی۔ مگر خدا کی شان کہ فرعون کے گھر پرورش پانے والے موسیٰ علیہ السلام تو خدا کے رسول ہوئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پالا ہوا موسیٰ سامری کافر ہوا اور بنی اسرائیل کو گمراہ کر کے اس نے بچھڑے کی پوجا کرائی۔ اس بارے میں کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:

اِذَاالْمَرْءُ لَمْ يُخْلَقْ سَعِيْدًا مِّنَ الْاَزَلِ
فَقَدْ خَابَ مَنْ رَبّٰى وَخَابَ الْمُؤَمِّلُ
فَمُوْسَى الَّذِیْ رَبَّاهُ جِبْرِیْلُ كَافِرٌ
وَمُوْسَى الَّذِیْ رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ

یعنی جب کوئی آدمی ازل ہی سے نیک بخت نہیں ہوتا تو وہ بھی نامراد ہوتا ہے۔ اور اسکی پرورش کرنے والے کی کوشش بھی ناکام اور نامراد ہوتی ہے۔ دیکھ لو موسیٰ سامری جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پالا ہوا تھا وہ کافر ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو فرعون کی پرورش میں رہے وہ خدا کے رسول ہوئے۔ اس کا راز یہی ہے کہ موسیٰ سامری ازلی شقی اور پیدائشی بدبخت تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تربیت اور پرورش نے اس کو کچھ بھی نفع نہ دیا، اور وہ کافر کا کافر ہی رہ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ ازلی سعید اور نیک بخت تھے اس لئے فرعون جیسے کافر کی پرورش سے بھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

(تفسیر الصاوی، ج ۱، ص ٦٣، پ ۱، البقرۃ: ۵۱)

جن دنوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر معتکف تھے۔ سامری نے آپ کی غیر موجودگی کو غنیمت جانا اور یہ فتنہ برپا کردیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے سونے چاندی کے زیورات کو مانگ کر پگھلایا اور اس سے ایک بچھڑا بنایا۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی خاک جو اس کے پاس محفوظ تھی اس نے وہ خاک بچھڑے کے منہ میں ڈال دی تو وہ بچھڑا بولنے لگا۔ پھر سامری نے بنی اسرائیل سے یہ کہا کہ اے میری قوم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر خداعزوجل کے دیدار کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ حالانکہ تمہارا خدا تو یہی بچھڑا ہے۔ لہٰذا تم لوگ اسی کی عبادت کرو۔ سامری کی اس تقریر سے بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے اور بارہ ہزار آدمیوں کے سوا ساری قوم نے چاندی سونے کے بچھڑے کو بولتا دیکھ کر اس کو خدا مان لیا اور اس کے آگے

سربسجود ہو کر اس بچھڑے کو پوجنے لگے۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ

(پ۹،الاعراف:۱۴۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی بے جان کا دھڑ گائے کی طرح آواز کرتا۔

جب چالیس دنوں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خداعزوجل سے ہم کلام ہو کر اور توراۃ شریف ساتھ لے کر بستی میں تشریف لائے اور قوم کو بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا تو آپ پر بے حد غضب و جلال طاری ہو گیا۔ آپ نے جوشِ غضب میں توراۃ شریف کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنا اور مارنا شروع کر دیا اور فرمانے لگے کہ کیوں تم نے ان لوگوں کو اس کام سے نہیں روکا۔ حضرت ہارون علیہ السلام معذرت کرنے لگے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ (پ۹،الاعراف:۱۵۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔ کہا اے میرے ماں جائے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے اس بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر اور جلا کر اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیا۔

درس ہدایت:۔مذکورہ بالا قرآنی واقعہ سے خاص طور پر دو سبق ملتے ہیں:

﴿۱﴾ اس سے علماء کرام کو یہ سبق ملتا ہے کہ علماء کرام کو کبھی اپنے مذہب کے عوام کی طرف سے

غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ ہمیشہ عوام کو مذہبی باتیں بتاتے رہنا چاہیے۔آپ نے دیکھا کہ سامری نے چالیس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ساری قوم کو بہکا کر گمراہ کردیا۔اسی طرح اگر علمائے اہل سنت اپنی قوم کی ہدایت وخبر گیری سے غافل رہیں گے تو بدمذہبوں کو موقع مل جائے گا کہ ان لوگوں کو بہکا کر گمراہ کردیں۔

﴿۲﴾ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی خاک میں جب یہ اثر تھا کہ بچھڑے کے منہ میں پڑتے ہی بچھڑا بولنے لگا تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے قدموں کے نیچے کی خاک میں بھی خیر و برکت کے اثرات ہوا کرتے ہیں۔لہٰذا خدا کے نیک بندوں کے غبار آلود قدموں کو دھو کر مکانوں میں پانی چھڑکنا جیسا کہ بعض خوش عقیدہ مریدین کا طریقہ ہے یہ کوئی لغو اور بیکار کام نہیں بلکہ اس سے فیوض و برکات اور فوائد حاصل ہونے کی امید ہے اور یہ شرعاً جائز بھی ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۲۹﴾ سروں کے اوپر پہاڑ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ شریف کے احکام پڑھ کر بنی اسرائیل کو سنائے اور فرمایا کہ تم لوگ اس پر عمل کرو۔جب بنی اسرائیل نے توراۃ شریف کے احکام کو سنا تو ایک دم انہوں نے ان احکام کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔اس سرکشی پر اللہ تعالیٰ کا یہ غضب نازل ہوا کہ ناگہاں کوہِ طور جڑ سے اُکھڑ کر ہوا میں اُڑتا ہوا بنی اسرائیل کے سروں کے اوپر ہوا میں معلق ہوگیا جو تین میل لمبی اور تین میل چوڑی زمین میں ڈیرے ڈالے ہوئے مقیم تھے۔جب بنی اسرائیل نے یہ دیکھا کہ پہاڑ ان کے سروں پر لٹک رہا ہے تو سب کے سب سجدہ میں گر کر عہد کرنے لگے کہ ہم نے توراۃ کے سب احکامات کو قبول کیا۔اور ہم ان پر عمل بھی کریں گے۔مگر ان لوگوں نے سجدہ میں اپنے رخسار اور بائیں بھنوؤں کو زمین پر رکھا اور داہنی آنکھ سے پہاڑ کو دیکھتے رہے کہ کہیں ہمارے اوپر گر تو نہیں رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اب بھی یہودی اسی طرح سجدہ

کرتے ہیں کہ بایاں رخسار اور بایاں بھنوؤں زمین پر رکھتے ہیں۔ بہرحال بنی اسرائیل نے جب توبہ کرلی اور توراۃ کے احکام پر عمل کرنے کا عہد کرلیا تو پھر یہ پہاڑ اڑ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو چند جگہوں پر بیان فرمایا ہے مثلاً سورۂ اعراف میں ہے کہ

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۠ (۱۷۱) (پ ۹، الاعراف: ۱۷۱)

ترجمہ کنزالایمان: اور جب ہم نے پہاڑ ان پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا لو جو ہم نے تمہیں دیا زور سے اور یاد کرو جو اس میں ہے کہ کہیں تم پرہیزگار رہو۔

درس ہدایت: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ناواقفوں یا سرکشوں کو کسی نیک کام کے کرنے یا اچھی بات کو قبول کرنے پر ڈرا دھمکا کر مجبور کرنا یہ عین حکمت اور خداوند قدوس کی مقدس سنت ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۳۰﴾ زبان لٹک کر سینے پر آگئی

بلعم بن باعوراء: یہ شخص اپنے دور کا بہت بڑا عالم اور عابد و زاہد تھا۔ اور اس کو اسم اعظم کا بھی علم تھا۔ یہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا اپنی روحانیت سے عرش اعظم کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ اور بہت ہی مستجاب الدعوات تھا کہ اس کی دعائیں بہت زیادہ مقبول ہوا کرتی تھیں۔ اس کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، مشہور یہ ہے کہ اس کی درسگاہ میں طالب علموں کی دواتیں بارہ ہزار تھیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام "قوم جبارین" سے جہاد کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے لشکروں کو لے کر روانہ ہوئے تو بلعم بن باعوراء کی قوم اس کے پاس گھبرائی ہوئی آئی اور کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ہی بڑا اور نہایت ہی طاقتور لشکر لے کر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ہماری زمینوں سے نکال کر یہ زمین اپنی قوم بنی اسرائیل کو دے دیں۔ اس لئے آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایسی بددعا کر دیجئے کہ وہ

شکست کھا کر واپس چلے جائیں۔ آپ چونکہ مستجاب الدعوات ہیں اس لئے آپ کی دعا ضرور مقبول ہو جائے گی۔ یہ سن کر بلعم بن باعوراء کانپ اٹھا۔ اور کہنے لگا کہ تمہارا برا ہو۔ خدا کی پناہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔ اور ان کے لشکر میں مومنوں اور فرشتوں کی جماعت ہے ان پر بھلا میں کیسے اور کس طرح بددعا کر سکتا ہوں؟ لیکن اس کی قوم نے رو رو کر اور گڑ گڑا کر اس طرح اصرار کیا کہ اس نے یہ کہہ دیا کہ استخارہ کر لینے کے بعد اگر مجھے اجازت مل گئی تو بددعا کر دوں گا۔ مگر استخارہ کے بعد جب اس کو بددعا کی اجازت نہیں ملی تو اس نے صاف صاف جواب دے دیا کہ اگر میں بددعا کروں گا تو میری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔

اس کے بعد اس کی قوم نے بہت سے گراں قدر ہدایا اور تحائف اس کی خدمت میں پیش کر کے بے پناہ اصرار کیا۔ یہاں تک کہ بلعم بن باعوراء پر حرص اور لالچ کا بھوت سوار ہو گیا، اور وہ مال کے جال میں پھنس گیا۔ اور اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چل پڑا۔ راستہ میں بار بار اس کی گدھی ٹھہر جاتی اور منہ موڑ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مگر یہ اس کو مار مار کر آگے بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ گدھی کو اللہ تعالیٰ نے گویائی کی طاقت عطا فرمائی۔ اور اس نے کہا کہ افسوس! اے بلعم باعوراء تو کہاں اور کدھر جا رہا ہے؟ دیکھ! میرے آگے فرشتے ہیں جو میرا راستہ روکتے اور میرا منہ موڑ کر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ اے بلعم! تیرا برا ہو کیا تو اللہ کے نبی اور مومنین کی جماعت پر بددعا کرے گا؟ گدھی کی تقریر سن کر بھی بلعم بن باعوراء واپس نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ''حسبان'' نامی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور بلندی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکروں کو بغور دیکھا اور مال و دولت کے لالچ میں اس نے بددعا شروع کر دی۔ لیکن خدا عزوجل کی شان کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرتا تھا۔ مگر اس کی زبان پر اس کی قوم کے لئے بددعا جاری ہو جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر کئی مرتبہ اس کی قوم نے ٹوکا کہ اے بلعم! تم تو الٹی بددعا کر رہے ہو۔ تو اس نے کہا کہ اے میری قوم! میں کیا کروں میں بولتا کچھ اور ہوں اور

میری زبان سے کچھ اور ہی نکلتا ہے۔ پھر اچانک اس پر یہ غضبِ الٰہی نازل ہو گیا کہ ناگہاں اس کی زبان لٹک کر اس کے سینے پر آ گئی۔ اس وقت بلعم بن باعوراء نے اپنی قوم سے رو کر کہا کہ افسوس میری دنیا و آخرت دونوں برباد و غارت ہو گئیں۔ میرا ایمان جاتا رہا اور میں قہرِ قہار و غضبِ جبار میں گرفتار ہو گیا۔ اب میری کوئی دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ مگر میں تم لوگوں کو مکر کی ایک چال بتاتا ہوں تم لوگ ایسا کرو تو شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکروں کو شکست ہو جائے۔ تم لوگ ہزاروں خوبصورت لڑکیوں کو بہترین پوشاک اور زیورات پہنا کر بنی اسرائیل کے لشکروں میں بھیج دو۔ اگر ان کا ایک آدمی بھی زنا کرے گا تو پورے لشکر کو شکست ہو جائے گی۔ چنانچہ بلعم بن باعوراء کی قوم نے اس کے بتائے ہوئے مکر کا جال بچھایا۔ اور بہت سی خوبصورت دوشیزاؤں کو بناؤ سنگھار کرا کر بنی اسرائیل کے لشکروں میں بھیجا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کا ایک رئیس ایک لڑکی کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اس کو اپنی گود میں اٹھا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے گیا۔ اور فتویٰ پوچھا کہ اے اللہ عزوجل کے نبی! یہ عورت میرے لئے حلال ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خبردار! یہ تیرے لئے حرام ہے۔ فوراً اس کو اپنے سے الگ کر دے۔ اور اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈر۔ مگر اس رئیس پر غلبہ شہوت کا ایسا زبردست بھوت سوار ہو گیا تھا کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے فرمان کو ٹھکرا کر اُس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا۔ اور زناکاری میں مشغول ہو گیا۔ اس گناہ کی نحوست کا یہ اثر ہوا کہ بنی اسرائیل کے لشکر میں اچانک طاعون (پلیگ) کی وبا پھیل گئی اور گھنٹے بھر میں ستر ہزار آدمی مر گئے اور سارا لشکر تتر بتر ہو کر ناکام و نامراد واپس چلا آیا۔ جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر بہت ہی صدمہ گزرا۔

(تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ۷۲۷، پ ۹، الاعراف: ۱۷۵)

بلعم بن باعوراء پہاڑ سے اتر کر مردودِ بارگاہِ الٰہی ہو گیا۔ آخری دم تک اس کی زبان

اس کے سینے پر لٹکتی رہی اور وہ بے ایمان ہو کر مر گیا۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۷۵، ۱۷۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہو گیا۔ اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں۔

بلعم بن باعوراء کیوں ذلیل ہوا؟:۔ روایت ہے کہ بعض انبیاء کرام نے خدا تعالیٰ سے دریافت کیا کہ تو نے بلعم بن باعوراء کو اتنی نعمتیں عطا فرما کر پھر اس کو کیوں اس قعرِ مذلت میں گرا دیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس نے میری نعمتوں کا کبھی شکر ادا نہیں کیا۔ اگر وہ شکر گزار ہوتا تو میں اس کی کرامتوں کو سلب کر کے اس کو دونوں جہاں میں اس طرح ذلیل و خوار اور خائب و خاسر نہ کرتا۔

(تفسیر روح البیان، ج ۳، ص ۱۳۹، پ ۸، الاعراف: ۱۰)

درسِ ہدایت:۔ بلعم بن باعوراء کی اس سرگزشت سے چند اسباقِ ہدایت ملتے ہیں:

﴿۱﴾ اس سے اُن عالموں اور لیڈروں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو مالداروں یا حکومتوں سے

رقمیں لے کر خلافِ شریعت باتیں کرتے ہیں اور جان بوجھ کر اپنے دین وایمان کا سودا کرتے ہیں۔ دیکھ لو بلعم بن باعوراء کیا تھا اور کیا ہو گیا؟ یہ کیوں ہوا؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ وہ مال ودولت کے لالچ میں گرفتار ہو گیا اور دانستہ اللہ عزوجل کے نبی پر بددعا کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ تو اس کا اس پر یہ وبال پڑا کہ دنیا وآخرت میں ملعون ہو کر اس طرح مردود ومطرود ہو گیا کہ عمر بھر کتے کی طرح لٹکتی ہوئی زبان لئے پھرا اور آخرت میں جہنم کی بھڑکتی اور شعلہ بار آگ کا ایندھن بن گیا۔ لہٰذا ہر مسلمان خصوصاً علماء ومشائخ کو مال ودولت کے حرص اور لالچ کے جال سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے اور ہرگز کبھی بھی مال کی طمع میں دین کے اندر مداہنت نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ خوب سمجھ لو کہ قہر الٰہی عزوجل کی تلوار لٹک رہی ہے۔ (والعیاذ باللہ منہ)

﴿۲﴾ اس سانحہ سے عام مسلمان بھی یہ سبق سیکھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر جس میں ملائکہ اور مومنین تھے۔ ظاہر ہے کہ اس لشکر کے ناکام ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ یہ ایسا روحانی اور ملکوتی لشکر تھا کہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپ سے پہاڑ لرزہ براندام ہو جاتے، مگر صرف ایک بدنصیب کے گناہ کے سبب ایسی نحوست پھیل گئی کہ ملائکہ لشکر سے الگ ہو گئے اور طاعون کے عذاب نے پورے لشکر میں ایسی ابتری پھیلا دی کہ پورا لشکر بکھر گیا۔ اور یہ فوج ظفر موج ناکام ونامراد ہو کر پسپا ہو گئی۔

اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ اگر وہ کفار کے مقابلہ میں مظفر ومنصور اور فتح یاب ہونا چاہتے ہیں تو ہر وقت گناہوں اور بدکاریوں کی نحوستوں سے بچتے رہیں ورنہ فرشتوں کی مدد ختم ہو جائے گی۔ اور مسلمانوں کا رعب کفار کے دلوں سے نکل جائے گا اور مسلمانوں کو نہ صرف ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا بلکہ ان کی عسکری طاقت ہی فنا ہو جائے گی اور پوری قوم صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گی۔ (نعوذ باللہ منہ)

﴿۳۱﴾ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں

حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شہر ''نینویٰ'' کے باشندوں کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا۔

نینویٰ:۔ یہ موصل کے علاقہ کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں کے لوگ بت پرستی کرتے تھے اور کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان لوگوں کو ایمان لانے اور بت پرستی چھوڑنے کا حکم دیا۔ مگر ان لوگوں نے اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے اللہ عزوجل کے رسول علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں خبر دی کہ تم لوگوں پر عنقریب عذاب آنے والا ہے۔ یہ سن کر شہر کے لوگوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہی ہے۔ اس لئے یہ دیکھو کہ اگر وہ رات کو اس شہر میں رہیں جب تو سمجھ لو کہ کوئی خطرہ نہیں ہے اور اگر انہوں نے اس شہر میں رات نہ گزاری تو یقین کر لینا چاہیے کہ ضرور عذاب آئے گا۔ رات کو لوگوں نے یہ دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ اور واقعی صبح ہوتے ہی عذاب کے آثار نظر آنے لگے کہ چاروں طرف سے کالی بدلیاں نمودار ہوئیں اور ہر طرف سے دھواں اٹھ کر شہر پر چھا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر شہر کے باشندوں کو یقین ہو گیا کہ عذاب آنے والا ہی ہے تو لوگوں کو حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش و جستجو ہوئی مگر وہ دور دور تک کہیں نظر نہیں آئے۔ اب شہر والوں کو اور زیادہ خطرہ اور اندیشہ ہو گیا۔ چنانچہ شہر کے تمام لوگ خوفِ خداوندی عزوجل سے ڈر کر کانپ اٹھے اور سب کے سب عورتوں، بچوں بلکہ اپنے مویشیوں کو ساتھ لے کر اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر روتے ہوئے جنگل میں نکل گئے اور رو رو کر صدقِ دل سے حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لانے کا اقرار و اعلان کرنے لگے۔ شوہر بیوی سے اور مائیں بچوں سے الگ ہو کر سب کے سب استغفار میں مشغول ہو گئے اور دربارِ باری میں گڑگڑا کر گریہ و زاری شروع کر دی۔ جو مظالم آپس میں

ہوئے تھے ایک دوسرے سے معاف کرانے لگے اور جتنی حق تلفیاں ہوئی تھیں سب کی آپس میں معافی تلافی کرنے لگے۔ غرض سچی توبہ کر کے خداعزوجل سے یہ عہد کرلیا کہ حضرت یونس علیہ السلام جو کچھ خدا کا پیغام لائے ہیں ہم اس پر صدقِ دل سے ایمان لائے، اللہ تعالیٰ کو شہر والوں کی بے قراری اور مخلصانہ گریہ وزاری پر رحم آیا اور عذاب اٹھالیا گیا۔ ناگہاں دھواں اور عذاب کی بدلیاں رفع ہوگئیں اور تمام لوگ پھر شہر میں آ کر امن وچین کے ساتھ رہنے لگے۔

اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے خداوند قدوس نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

(پ ۱۱، یونس: ۹۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو ہوئی ہوتی نہ کوئی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں یونس کی قوم جب ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور ایک وقت تک انہیں برتنے دیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آجاتا ہے تو عذاب آجانے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں ہوتا مگر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی بدلیاں آجانے کے بعد بھی جب وہ لوگ ایمان لائے تو ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔

عذاب ٹلنے کی دعا:۔ طبرانی شریف کی روایت ہے کہ شہر نینویٰ پر جب عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے اور حضرت یونس علیہ السلام باوجود تلاش وجستجو کے لوگوں کو نہیں ملے تو شہر والے گھبرا کر اپنے ایک عالم کے پاس گئے جو صاحبِ ایمان اور شیخِ وقت تھے اور ان سے فریاد کرنے لگے تو انہوں نے حکم دیا کہ تم لوگ یہ وظیفہ پڑھ کر دعا مانگو يَا حَيُّ حِيْنَ لَا حَيَّ وَ يَا حَيُّ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَيَا حَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ چنانچہ لوگوں نے یہ پڑھ کر دعا مانگی تو عذاب

ٹل گیا۔ لیکن مشہور محدث اور صاحبِ کرامت ولی حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ شہر نینویٰ کا عذاب جس دعا کی برکت سے دفع ہوا وہ دعا یہ تھی کہ اَللّٰھُمَّ اِنَّ ذُنُوْبَنَا قَدْ عَظُمَتْ وَجَلَّتْ وَاَنْتَ اَعْظَمُ وَاَجَلُّ فَافْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَھْلُہٗ بہر حال عذاب ٹل جانے کے بعد جب حضرت یونس علیہ السلام شہر کے قریب آئے تو آپ نے شہر میں عذاب کا کوئی اثر نہیں دیکھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اپنی قوم میں تشریف لے جائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کس طرح اپنی قوم میں جا سکتا ہوں؟ میں تو ان لوگوں کو عذاب کی خبر دے کر شہر سے نکل گیا تھا، مگر عذاب نہیں آیا۔ تو اب وہ لوگ مجھے جھوٹا سمجھ کر قتل کر دیں گے۔ آپ یہ فرما کر اور غصہ میں بھر کر شہر سے پلٹ آئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے یہ کشتی جب بیچ سمندر میں پہنچی تو کھڑی ہو گئی۔ وہاں کے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہی کشتی سمندر میں کھڑی ہو جایا کرتی تھی جس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کشتی والوں نے قرعہ نکالا تو حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکلا۔ تو کشتی والوں نے آپ کو سمندر میں پھینک دیا اور کشتی لے کر روانہ ہو گئے اور فوراً ہی ایک مچھلی آپ کو نگل گئی اور مچھلی کے پیٹ میں جہاں بالکل اندھیرا تھا آپ مقید ہو گئے۔ مگر اسی حالت میں آپ نے آیت کریمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ (پ۱۷، الانبیاء:۸۷) کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اندھیری کوٹھڑی سے نجات دی اور مچھلی نے کنارے پر آ کر آپ کو اُگل دیا۔ اس وقت آپ بہت ہی نحیف و کمزور ہو چکے تھے۔ خدا عزوجل کی شان کہ اُس جگہ کدو کی ایک بیل اُگ گئی اور آپ اُس کے سایہ میں آرام کرتے رہے پھر جب آپ میں کچھ توانائی آ گئی تو آپ اپنی قوم میں تشریف لائے اور سب لوگ انتہائی محبت و احترام کے ساتھ پیش آ کر آپ پر ایمان لائے۔

(تفسیر الصاوی، ج۳، ص۸۹۳، پ۱۱، یونس:۹۸)

حضرت یونس علیہ السلام کی اس دردناک سرگزشت کو قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۴۸﴾ (پ۲۳، الصافات:۱۳۹تا۱۴۸)

ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک یونس پیغمبروں سے ہے جب کہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا تو قرعہ ڈالا تو دھکیلے ہوؤں میں ہوا پھر اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا ضرور اس کے پیٹ میں رہتا جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے پھر ہم نے اسے میدان پر ڈال دیا اور وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ اُگایا اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ تو وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ایک وقت تک برتنے دیا۔

درسِ ہدایت: ۔﴿۱﴾ نینویٰ والوں کی سرگزشت سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کسی قوم پر کوئی بلا عذاب بن کر نازل ہو تو اُس بلا سے نجات پانے کا یہی طریقہ ہے کہ لوگوں کو توبہ و استغفار میں مشغول ہو کر دعائیں مانگنی چاہئیں تو امید ہے کہ بندوں کی بے قراری اور اُن کی گریہ وزاری پر ارحم الراحمین رحم فرما کر بلاؤں کے عذاب کو دفع فرمادے گا۔

﴿۲﴾ حضرت یونس علیہ السلام کی دل ہلا دینے والی مصیبت اور مشکلات سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کس کس طرح امتحان میں ڈالتا ہے۔ لیکن جب بندے امتحان

میں پڑ کر صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑتے اور عین بلاؤں کے طوفان میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تو ارحم الراحمین اپنے بندوں کی نجات کا غیب سے ایسا انتظام فرما دیتا ہے کہ کوئی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ غور کیجئے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب کشتی والوں نے سمندر میں پھینک دیا تو ان کی زندگی اور سلامتی کا کون سا ذریعہ باقی رہ گیا تھا؟ پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا تو اب بھلا ان کی حیات کا کون سا سہارا رہ گیا تھا؟ مگر اسی حالت میں آپ نے جب آیت کریمہ کا وظیفہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ و سلامت رکھا اور مچھلی کے پیٹ سے انہیں ایک میدان میں پہنچا دیا اور پھر انہیں تندرستی و سلامتی کے ساتھ اُن کی قوم اور وطن میں پہنچا دیا۔ اور ان کی تبلیغ کی بدولت ایک لاکھ سے زائد آدمیوں کو ہدایت مل گئی۔

﴿۳۲﴾ چار مہینے کے بچے کی گواہی

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تو ایک شخص جس کا نام مالک بن ذعر تھا جو مدین کا باشندہ تھا۔ ایک قافلہ کے ہمراہ اس کنوئیں کے پاس پہنچا اور اپنا ڈول کنوئیں میں ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کو پکڑ لیا اور مالک بن ذعر نے آپ کو کنوئیں میں سے نکال لیا تو آپ کے بھائیوں نے اُس سے کہا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اگر تم اس کو خرید لو تو ہم بہت ہی سستا تمہارے ہاتھ بیچ دیں گے۔ چنانچہ اُن کے بھائیوں نے صرف بیس درہم میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ ڈالا مگر شرط یہ لگا دی کہ تم اس کو یہاں سے اتنی دور لے جاؤ کہ اس کی خبر بھی ہمارے سننے میں نہ آئے۔ مالک بن ذعر نے ان کو خرید کر مصر کے بازار کا رخ کیا اور بازار میں ان کو فروخت کرنے کا اعلان کیا۔ ان دنوں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید عملیقی تھا اور اس نے اپنے وزیر اعظم قطفیر مصری کو مصر کی حکومت اور خزانے سونپ دیئے تھے اور مصر میں لوگ اس کو ''عزیز مصر'' کے خطاب سے پکارتے تھے۔ جب عزیز مصر کو معلوم ہوا کہ بازارِ مصر میں ایک بہت ہی خوبصورت غلام فروخت کے لئے لایا

گیا ہے اور لوگ اس کی خریداری کے لئے بڑی بڑی رقمیں لے کر بازار میں جمع ہو گئے ہیں تو عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن برابر سونا، اور اتنی ہی چاندی، اور اتنا ہی مشک، اور اتنے ہی حریر قیمت دے کر خرید لیا اور گھر لے جا کر اپنی بیوی ''زلیخا'' سے کہا کہ اس غلام کو نہایت ہی اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھو۔ اس وقت آپ کی عمر شریف تیرہ یا سترہ برس کی تھی۔ ''زلیخا'' حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور ایک دن خوب بناؤ سنگھار کر کے تمام دروازوں کو بند کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو تنہائی میں لبھانے لگی۔ آپ نے معاذ اللہ کہہ کر فرمایا کہ میں اپنے مالک عزیز مصر کے احسان کو فراموش کر کے ہرگز اُس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کر سکتا۔ پھر جب خود زلیخا آپ کی طرف لپکی تو آپ بھاگ نکلے۔ اور زلیخا نے دوڑ کر پیچھے سے آپ کا پیراہن پکڑ لیا جو پھٹ گیا اور آپ کے پیچھے زلیخا دوڑتی ہوئی صدر دروازہ پر پہنچ گئی۔ اتفاق سے ٹھیک اسی حالت میں عزیز مصر مکان میں داخل ہوا۔ اور دونوں کو دوڑتے ہوئے دیکھ لیا تو زلیخا نے عزیز مصر سے کہا کہ اس غلام کی سزا یہ ہے کہ اس کو جیل خانہ بھیج دیا جائے یا اور کوئی دوسری سخت سزا دی جائے کیونکہ اس نے تمہاری گھر والی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عزیز مصر! یہ بالکل ہی غلط بیانی کر رہی ہے۔ اس نے خود مجھے لبھایا اور میں اس سے بچنے کے لئے بھاگا تو اس نے میرا پیچھا کیا۔ عزیز مصر دونوں کا بیان سن کر حیران رہ گیا اور بولا کہ اے یوسف علیہ السلام میں کس طرح باور کر لوں کہ تم سچے ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ گھر میں چار مہینے کا ایک بچہ پالنے میں لیٹا ہوا ہے جو زلیخا کے ماموں کا لڑکا ہے۔ اس سے دریافت کر لیجئے کہ واقعہ کیا ہے؟ عزیز مصر نے کہا کہ بھلا چار ماہ کا بچہ کیا جانے اور وہ کیسے بولے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور میری بے گناہی کی شہادت دینے کی قدرت عطا فرمائے گا کیونکہ میں بے قصور ہوں۔ چنانچہ عزیز مصر نے جب اُس بچے سے پوچھا تو اُس بچے نے باآوازِ بلند فصیح زبان میں یہ کہا کہ

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾
وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

(پ ۱۲، یوسف: ۲۶، ۲۷)

ترجمہ کنزالایمان: گواہی دی اگر ان کا کرتا آگے سے چرا ہے تو عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے چاک ہوا تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے۔

بچے کی زبان سے عزیز مصر نے یہ شہادت سن کر جو دیکھا تو ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ تو اس وقت عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اعلان کرتے ہوئے یہ کہا:

اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

(پ ۱۲، یوسف: ۲۸، ۲۹)

ترجمہ کنزالایمان: بیشک یہ تم عورتوں کا چرتر (فریب) ہے بیشک تمہارا چرتر (فریب) بڑا ہے اے یوسف تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو خطا واروں میں ہے۔

﴿۳۳﴾ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب اُن کو کنوئیں میں ڈال کر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بے انتہا رنج و قلق اور بے پناہ صدمہ ہوا۔ اور وہ اپنے بیٹے کے غم میں بہت دنوں تک روتے رہے اور بکثرت رونے کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ پھر برسوں کے بعد جب برادران یوسف علیہ السلام قحط کے زمانے میں غلہ لینے کے لئے دوسری مرتبہ مصر گئے اور بھائیوں نے آپ کو پہچان کر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے معافی طلب کی تو

آپ نے انہیں معاف کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے وہ ارحم الرّاحمین ہے۔

جب آپ نے اپنے بھائیوں سے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال پوچھا اور بھائیوں نے بتایا کہ وہ تو آپ کی جدائی میں روتے روتے بہت ہی نڈھال ہوگئے ہیں۔ اور ان کی بینائی بھی بہت کمزور ہوگئی ہے۔ بھائیوں کی زبانی والد ماجد کا حال سن کر حضرت یوسف علیہ السلام بہت ہی رنجیدہ اور غمگین ہوگئے پھر آپ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَ اْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾ (پ ۱۳، یوسف: ۹۳)

ترجمہ کنزالایمان: میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھر بھر میرے پاس لے آؤ۔

چنانچہ برادران یوسف علیہ السلام اس کرتے کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوئے۔ آپ کے بھائیوں میں سے یہودا نے کہا کہ اس کرتے کو میں لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس جاؤں گا۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر اُن کا خون آلود کرتا بھی میں ہی اُن کے پاس لے کر گیا تھا۔ اور میں نے ہی یہ کہہ کر ان کو غمگین کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا۔ تو چونکہ میں نے انہیں غمگین کیا تھا لہٰذا آج میں ہی یہ کرتا دے کر اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی خوشخبری سنا کر ان کو خوش کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ یہودا اس پیراہن کو لے کر اسّی کوس تک ننگے سر برہنہ پا دوڑتا ہوا چلا گیا۔ راستہ کی خوراک کے لئے سات روٹیاں اُس کے پاس تھیں مگر فرطِ مسرت اور جلد پہنچنے کے شوق میں وہ ان روٹیوں کو بھی نہ کھا سکا۔ اور جلد سے جلد سفر طے کر کے والدِ محترم کی خدمت میں پہنچ گیا۔

یہودا جیسے ہی کرتا لے کر مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا۔ کنعان میں حضرت یعقوب

علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس ہوئی اور آپ نے اپنے پوتوں سے فرمایا کہ

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ (پ ۱۳، یوسف: ۹۴)

ترجمہ کنزالایمان: کہا بیشک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ (بہک) گیا۔

آپ کے پوتوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم آپ اب بھی اپنی اُس پرانی وارفتگی میں پڑے ہوئے ہیں بھلا کہاں یوسف ہیں اور کہاں اُن کی خوشبو؟ لیکن جب یہودا کرتا لے کر کنعان پہنچا اور جیسے ہی کرتے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو فوراً ہی اُن کی آنکھوں میں روشنی آ گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ

فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ (پ ۱۳، یوسف: ۹۶)

ترجمہ کنزالایمان: پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ کرتا یعقوب کے منہ پر ڈالا اسی وقت اس کی آنکھیں پھر آئیں (دیکھنے لگیں) کہا میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔

یہودا مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا لے کر جیسے ہی کنعان کی طرف چلا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لی۔ اس بارے میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک بڑی ہی نصیحت آموز اور لذیذ حکایت لکھی ہے جو بہت ہی دلکش اور نہایت ہی کیف آور ہے۔

حکایت: یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے عالی گہر! پیر خرد مند

حضرت یعقوب علیہ السلام سے جن کے فرزند گم ہو گئے تھے، کسی نے یہ پوچھا کہ اے

عالی ذات اور بزرگ عقلمند ؎

زمصرش بوئے پیراھن شمیدی چرا در چاہِ کنعانش ندیدی

آپ نے مصر جیسے دور دراز مقام سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو سونگھ لی۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان ہی کی سرزمین میں ایک کنوئیں کے اندر تھے تو آپ کو اتنے قریب سے بھی اُن کی خوشبو محسوس نہیں ہوئی اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ ؎

بگفتا حال ما برق جھان است دمے پیدا و دیگر دم نھان است

گھے برطارمِ اعلیٰ نشینم گھے برپشت پائے خود نہ بینم

یعنی ہم اللہ والوں کا حال کوندنے والی بجلی کی مانند ہے کہ دم بھر میں ظاہر اور دم بھر میں پوشیدہ ہوجاتی ہے۔ کبھی تو ہم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ نورانیہ کی تجلی ہوتی ہے تو ہم لوگ آسمانوں پر جا بیٹھتے ہیں اور ساری کائنات ہمارے پیش نظر ہوجاتی ہے اور کبھی جب ہم پر استغراق کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو ہم لوگ خدا کی ذات و صفات میں ایسے مستغرق ہوجاتے ہیں کہ تمام ماسویٰ اللہ سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم اپنی پشت پا کو بھی نہیں دیکھ پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر سے تو پیراہن یوسف علیہ السلام کو ہم نے سونگھ کر اس کی خوشبو محسوس کرلی۔ کیونکہ اس وقت ہم پر کشفی کیفیت طاری تھی مگر کنعان کے کنوئیں میں سے ہم کو حضرت یوسف کی خوشبو اس لئے محسوس نہ ہوسکی کہ اُس وقت ہم پر استغراقی کیفیت کا غلبہ تھا اور ہمارا یہ حال تھا کہ ؎

میں کس کی لوں خبر، مجھے اپنی خبر نہیں!

درس ھدایت:۔ اس پورے واقعہ سے خاص طور پر دو سبق ملتے ہیں:

﴿۱﴾ یہ کہ اللہ والوں کے لباس اور کپڑوں میں بھی بڑی برکت اور کرامت پنہاں ہوتی ہے۔

لہٰذا بزرگوں کے لباس و پوشاک کو تبرک بنا کر رکھنا اور ان سے برکت و شفاء حاصل کرنا اور ان کو خداوند قدوس کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر دعاء مانگنا یہ مقبولیت اور حصولِ سعادت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

﴿۲﴾ اللہ والوں کا حال ہر وقت اور ہمیشہ یکساں ہی نہیں رہتا بلکہ کبھی تو ان پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے انوار سے ایسا حال طاری ہوتا ہے کہ اس وقت وہ سارے عالم کے ذرے ذرے کو دیکھنے لگتے ہیں اور کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں اس طرح گم ہوجاتے ہیں کہ تجلیوں کے مشاہدے میں مستغرق ہوکر سارے عالم سے بے توجہ ہوجاتے ہیں۔ اس وقت ان پر ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا نام تک بھول جاتے ہیں۔ تصوف کی یہ دو کشفی و استغراقی کیفیات ایسی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ ان کیفیات و احوال کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب نسبت و اہل ادراک ہیں جن پر خود یہ احوال و کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں۔ سچ ہے۔

لذتِ مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اور اس حال و کیفیت کا طاری ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ذکر و فکر اور مراقبہ کے ساتھ ساتھ شیخ کامل کی باطنی توجہ سے دل کی صفائی اور انجلاء قلبی پیدا ہوجائے۔ سلطان تصوف حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

صد کتاب و صدورق در نار کُن — روئے دل را جانب دلدار کُن

اور کسی دوسرے عارف نے یہ فرمایا کہ:

از ”کنز“ و ”هدایه“ نه تواں یافت خدارا
سی پارۂ دل خواں که کتابے به ازیں نیست

یعنی خالی ”کنز الدقائق“ و ”ہدایہ“ پڑھ لینے سے خدا نہیں مل سکتا بلکہ دل کے سپارے کو

پڑھو کیونکہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔ مگر اس دور نفسانیت میں جب کہ تصوف کے علم برداروں نے اپنی بے عملی سے تصوف کے مضبوط و مستحکم محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے اور محض جھاڑ پھونک اور شعبدہ بازیوں پر پیری مریدی کا ڈھونگ چلا رہے ہیں اور خالی رنگ برنگ کے کپڑوں اور نئی نئی تراش خراش کی پوشاکوں اور تسبیح وعصا کو شیخیت کا معیار بنا رکھا ہے۔ بھلا تصوف کی حقیقی کیفیات وتجلیات کو لوگ کب اور کیسے اور کہاں سے سمجھ سکتے ہیں؟ اس لئے اس بارے میں ارباب تصوف اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

حقیقت خرافات میں کھوگئی　　　　یہ اُمت روایات میں کھوگئی

﴿۳۴﴾ سورۂ یوسف کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ''احسن القصص''یعنی تمام قصوں میں سب سے اچھا قصہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس زندگی کے اتار چڑھاؤ میں اور رنج وراحت اور غم وسرور کے مدوجزر میں ہر ایک واقعہ بڑی بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کے سامان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اس لئے ہم اس قصہ عجیبہ کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین اس سے عبرت حاصل کریں اور خداوند قدوس کی قدرتوں کا مشاہدہ کریں۔

حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) یہودا (۲) روبیل (۳) شمعون (۴) لاوی (۵) زبولون (۶) یسجر
(۷) دان (۸) نفتائی (۹) جاد (۱۰) آشر (۱۱) یوسف (۱۲) بنیامین

حضرت بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ باقی دوسری ماؤں سے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ اپنے باپ کے پیارے تھے اور چونکہ ان کی پیشانی پر نبوت کے نشان درخشاں تھے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام ان کا بے حد اکرام اور ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔ سات برس کی عمر میں حضرت یوسف علیہ

السلام نے یہ خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند وسورج ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنا یہ خواب اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تو آپ نے ان کو منع فرمادیا کہ پیارے بیٹے! خبردار تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے مت بیان کردینا ورنہ وہ لوگ جذبہ حسد میں تمہارے خلاف کوئی خفیہ چال چل دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے بھائیوں کو ان پر حسد ہونے لگا۔ یہاں تک کہ سب بھائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ منصوبہ تیار کرلیا کہ ان کو کسی طرح گھر سے لے جا کر جنگل کے کنوئیں میں ڈال دیں۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے سب بھائی جمع ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے۔ اور بہت اصرار کر کے شکار اور تفریح کا بہانہ بنا کر ان کو جنگل میں لے جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ اور ان کو گھر سے کندھوں پر بٹھا کر لے چلے۔ لیکن جنگل میں پہنچ کر دشمنی کے جوش میں ان کو زمین پر پٹخ دیا۔ اور سب نے بہت زیادہ مارا۔ پھر ان کا کرتا اتار کر اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک گہرے اور اندھیرے کنوئیں میں گرادیا۔ لیکن فوراً ہی حضرت جبریل علیہ السلام نے کنوئیں میں تشریف لا کر ان کو غرق ہونے سے اس طرح بچالیا کہ ان کو ایک پتھر پر بٹھا دیا جو اس کنوئیں میں تھا۔ اور ہاتھ پاؤں کھول کر تسلی دیتے ہوئے ان کا خوف و ہراس دور کر دیا۔ اور گھر سے چلتے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا جو کرتا تعویذ بنا کر آپ کے گلے میں ڈال دیا تھا وہ نکال کر ان کو پہنا دیا جس سے اس اندھیرے کنوئیں میں روشنی ہوگئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کو کنوئیں میں ڈال کر اور آپ کے پیراہن کو ایک بکری کے خون میں لت پت کر کے اپنے گھر کو روانہ ہوگئے اور مکان کے باہر ہی سے چیخیں مار کر رونے لگے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام گھبرا کر گھر سے باہر نکلے۔ اور رونے کا سبب پوچھا کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ کیا تمہاری بکریوں کو کوئی نقصان پہنچ گیا ہے؟ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ میرا یوسف کہاں ہے؟ میں اس کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ تو بھائیوں

نے روتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ کھیل میں دوڑتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس بٹھا کر چلے گئے تو ایک بھیڑیا آیا اور وہ اُن کو پھاڑ کر کھا گیا۔ اور یہ اُن کا کرتا ہے۔ ان لوگوں نے کرتے میں خون تو لگا لیا تھا لیکن کرتے کو پھاڑنا بھول گئے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشک بار ہو کر اپنے نورِ نظر کے کرتے کو جب ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا تو کرتا بالکل سلامت ہے اور کہیں سے بھی پھٹا نہیں ہے تو آپ ان لوگوں کے مکر اور جھوٹ کو بھانپ گئے۔ اور فرمایا کہ بڑا ہوشیار اور سیانا بھیڑیا تھا کہ میرے یوسف کو تو پھاڑ کر کھا گیا مگر ان کے کرتے پر ایک ذرا سی خراش بھی نہیں آئی اور آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ یہ سب تم لوگوں کی کارستانی اور مکر و فریب ہے۔ پھر آپ نے دکھے ہوئے دل سے نہایت درد بھری آواز میں فرمایا:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ (پ ۱۲، یوسف: ۱۸)

حضرت یوسف علیہ السلام تین دن اس کنوئیں میں تشریف فرما رہے۔ یہ کنواں کھاری تھا۔ مگر آپ کی برکت سے اس کا پانی بہت لذیذ اور نہایت شیریں ہو گیا۔ اتفاق سے ایک قافلہ مدین سے مصر جا رہا تھا۔ جب اس قافلہ کا ایک آدمی جس کا نام مالک بن ذُعر خزاعی تھا، پانی بھرنے کے لئے آیا اور کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام ڈول پکڑ کر لٹک گئے مالک بن ذُعر نے ڈول کھینچا تو آپ کنوئیں سے باہر نکل آئے۔ جب اس نے آپ کے حسن و جمال کو دیکھا تو يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ کہہ کر اپنے ساتھیوں کو خوشخبری سنانے لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جو اس جنگل میں روزانہ بکریاں چرایا کرتے تھے، برابر روزانہ کنوئیں میں جھانک کر دیکھا کرتے تھے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو کنوئیں میں نہیں دیکھا تو تلاش کرتے ہوئے قافلہ میں پہنچے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے جو بالکل ہی ناکارہ اور نافرمان ہے۔ یہ کسی کام کا نہیں ہے۔ اگر تم لوگ اس کو خرید و تو ہم

بہت ہی سستا تمہارے ہاتھ فروخت کردیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تم لوگ اس کو یہاں سے اتنی دور لے جاکر فروخت کرنا کہ یہاں تک اس کی خبر نہ پہنچے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کے خوف سے خاموش کھڑے رہے اور ایک لفظ بھی نہ بولے۔ پھر ان کے بھائیوں نے ان کو مالک بن ذعر کے ہاتھ صرف بیس درہموں میں فروخت کردیا۔

مالک بن ذعر ان کو خرید کر مصر کے بازار میں لے گیا۔ اور وہاں عزیز مصر نے ان کو بہت گراں قیمت دے کر خرید لیا اور اپنے شاہی محل میں لے جاکر اپنی ملکہ ''زلیخا'' سے کہا کہ تم اس غلام کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنی خدمت میں رکھو۔ چنانچہ آپ عزیزِ مصر کے شاہی محل میں رہنے لگے۔ اور ملکہ زلیخا ان سے بہت محبت کرنے لگی بلکہ ان کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر عاشق ہوگئی اور اس کا جوشِ عشق یہاں تک بڑھا کہ ایک دن ''زلیخا'' عشق و محبت میں والہانہ طور پر آپ کو پُھسلانے اور لبھانے لگی۔ اور آپ کو ہم بستری کی دعوت دینے لگی۔ آپ نے معاذ اللہ کہہ کر انکار فرمادیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ میں اپنے مالک عزیزِ مصر کے ساتھ خیانت کرکے اس کے احسانوں کی ناشکری نہیں کرسکتا۔ اور آپ گھر میں سے بھاگ نکلے۔ تو ملکہ زلیخا نے دوڑ کر پیچھے سے آپ کا پیراہن پکڑ لیا۔ اور آپ کا پیراہن پیچھے سے پھٹ گیا۔ عین اسی حالت میں عزیز مصر مکان میں آگئے اور دونوں کو دیکھ لیا۔ تو زلیخا نے آپ پر تہمت لگادی۔ عزیزِ مصر حیران ہوگیا کہ ان دونوں میں سے کون سچا ہے۔ اتفاق سے مکان میں ایک چار ماہ کا بچہ پالنے میں لیٹا ہوا تھا۔ اس نے شہادت دی کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہو تو یوسف علیہ السلام قصوروار ہیں اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو زلیخا کی خطا ہے اور یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں۔ جب عزیزِ مصر نے دیکھا تو کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ فوراً عزیزِ مصر نے زلیخا کو خطاوار قرار دے کر ڈانٹا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ اس کا خیال و ملال نہ کیجئے۔ پھر زلیخا کے مشورہ سے عزیزِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں بھجوادیا۔ اس طرح اچانک حضرت

یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کے شاہی محل سے نکل کر جیل خانہ کی کوٹھری میں چلے گئے۔ اور آپ نے جیل میں پہنچ کر یہ کہا کہ اے اللہ عزوجل! یہ قید خانہ کی کوٹھری مجھ کو اس بلا سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف زلیخا مجھے بلا رہی تھی۔ پھر آپ سات برس یا بارہ برس جیل خانہ میں رہے اور قیدیوں کو توحید اور اعمال صالحہ کی دعوت دیتے اور وعظ فرماتے رہے۔

یہ عجیب اتفاق کہ جس دن آپ قید خانہ میں داخل ہوئے اُسی دن آپ کے ساتھ بادشاہ مصر کے دو خادم ایک شراب پلانے والا، دوسرا باورچی دونوں جیل خانہ میں داخل ہوئے اور دونوں نے اپنا ایک ایک خواب حضرت یوسف علیہ السلام سے بیان کیا اور آپ نے اُن دونوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرما دی جو سو فیصدی صحیح ثابت ہوئی۔ اس لئے آپ کا نام معبر (تعبیر دینے والا) ہونا مشہور ہو گیا۔

اسی دوران مصر کے بادشاہ اعظم ریان بن ولید نے یہ خواب دیکھا کہ سات فربہ گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور سات سوکھی بالیاں ہیں۔ بادشاہ اعظم نے اپنے درباریوں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو لوگوں نے اس خواب کو خواب پریشاں کہہ کر اس کی کوئی تعبیر نہیں بتائی۔ اتنے میں بادشاہ کا ساقی جو قید خانہ سے رہا ہو کر آ گیا تھا، اس نے کہا کہ مجھے اس خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے جیل خانہ میں جانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ یہ بادشاہ کا فرستادہ ہو کر قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گیا اور بادشاہ کا خواب بیان کر کے تعبیر دریافت کی کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور سات سوکھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ سات برس مسلسل کھیتی کرو اور ان کے اناجوں کو بالیوں میں محفوظ رکھو۔ پھر سات برس تک سخت خشک سالی رہے گی، قحط کے ان سات برسوں میں پہلے سات برسوں کا محفوظ کیا ہوا اناج لوگ کھائیں گے اس کے بعد پھر ہریالی کا سال آئے گا۔

قاصد نے واپس جا کر بادشاہ سے اُس کے خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے نکال کر میرے دربار میں لاؤ۔ قاصد رہائی کا پروانہ لے کر جیل خانہ میں پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے زلیخا اور دوسری عورتوں کے ذریعہ میری بے گناہی اور پاک دامنی کا اظہار کرالیا جائے اس کے بعد ہی میں جیل سے باہر نکلوں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کی تحقیقات کرائی تو تحقیقات کے دوران زلیخا نے اقرار کرلیا کہ میں نے خود ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلایا تھا۔ خطا میری ہے۔ حضرت یوسف سچے اور پاک دامن ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دربار میں بلا کر کہہ دیا کہ آپ ہمارے معتمد اور ہمارے دربار کے معزز ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آپ زمین کے خزانوں کے انتظامی امور اور حفاظتی نظام کے انتظام پر میرا تقرر کردیں۔ میں پورے نظام کو سنبھال لوں گا۔ بادشاہ نے خزانے کا انتظامی معاملہ اور ملک کے نظام و انصرام کا پورا شعبہ آپ کے سپرد کر دیا۔ اس طرح ملک مصر کی حکمرانی کا اقتدار آپ کو مل گیا۔

اس کے بعد آپ نے خزانوں کا نظام اپنے ہاتھ میں لے کر سات سال تک کھیتی کا پلان چلایا اور اناجوں کو بالیوں میں محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ قحط اور خشک سالی کا زور شروع ہو گیا تو پوری سلطنت کے لوگ غلے کی خریداری کے لئے مصر آنا شروع ہو گئے اور آپ نے غلوں کی فروخت شروع کردی۔

اسی سلسلے میں آپ کے بھائی کنعان سے مصر آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ان لوگوں کو دیکھتے ہی پہلی نظر میں پہچان لیا مگر آپ کے بھائیوں نے آپ کو بالکل ہی نہیں پہچانا۔ آپ نے ان لوگوں کو غلہ دے دیا اور پھر فرمایا کہ تمہارا ایک بھائی (بنیامین) ہے آئندہ اس کو بھی ساتھ لے کر آنا۔ اگر تم لوگ آئندہ اس کو نہ لائے تو تمہیں غلہ نہیں ملے گا۔

بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم اُس کے والد کو رضامند کرنے کی کوشش کریں گے پھر حضرت

یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم لوگ ان کی نقدیوں کو ان کی بوریوں میں ڈال دو تاکہ یہ لوگ جب اپنے گھر پہنچ کر ان نقدیوں کو دیکھیں گے تو امید ہے کہ ضرور یہ لوگ واپس آئیں گے۔ چنانچہ جب یہ لوگ اپنے والد کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ ابا جان! اب کیا ہوگا؟ عزیز مصر نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ جب تک تم لوگ ''بنیامین'' کو ساتھ لے کر نہ آؤ گے تمہیں غلہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا آپ ''بنیامین'' کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم ان کے حصہ کا بھی غلہ لے لیں۔ اور آپ اطمینان رکھیں کہ ہم لوگ ان کی حفاظت کریں گے۔ اس کے بعد جب ان لوگوں نے اپنی بوریوں کو کھولا تو حیران رہ گئے کہ ان کی رقمیں اور نقدیاں ان کی بوریوں میں موجود تھیں۔ یہ دیکھ کر برادران یوسف نے پھر اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! اس سے بڑھ کر اچھا سلوک اور کیا چاہئے؟ دیکھ لیجئے عزیزِ مصر نے ہم کو پورا پورا غلہ بھی دیا ہے اور ہماری نقدیوں کو بھی واپس کر دیا ہے لہٰذا آپ بلا خوف و خطر ہمارے بھائی ''بنیامین'' کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ''یوسف'' کے معاملہ میں تم لوگوں پر بھروسا کر چکا ہوں تو تم لوگوں نے کیا کر ڈالا، اب دوبارہ میں تم لوگوں پر کیسے بھروسا کر لوں؟ میں اس طرح ''بنیامین'' کو ہرگز تم لوگوں کے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ لیکن ہاں اگر تم لوگ حلف اٹھا کر میرے سامنے عہد کرو تو البتہ میں اس کو بھیج سکتا ہوں۔ یہ سن کر سب بھائیوں نے حلف لے کر عہد کیا اور آپ نے ان لوگوں کے ساتھ ''بنیامین'' کو بھیج دیا۔

جب یہ لوگ عزیز مصر کے دربار میں پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی ''بنیامین'' کو اپنی مسند پر بٹھا لیا۔ اور چپکے سے ان کے کان میں کہہ دیا کہ میں تمہارا بھائی ''یوسف'' ہوں۔ لہٰذا تم کوئی فکر و غم نہ کرو۔ پھر آپ نے سب کو اناج دیا اور سب نے اپنی اپنی بوریوں کو سنبھال لیا۔ جب سب چلنے لگے تو آپ نے ''بنیامین'' کو اپنے پاس روک لیا۔ اب برادرانِ یوسف سخت پریشان ہوئے۔ اپنے والد کے روبرو یہ عہد کر کے آئے تھے کہ ہم اپنی

جان پر کھیل کر بنیامین کی حفاظت کریں گے اور یہاں ''بنیامین'' اُن کے ہاتھ سے چھین لئے گئے۔ اب گھر جائیں تو کیونکر اور یہاں ٹھہریں تو کیسے؟ یہ معاملہ دیکھ کر سب سے بڑا بھائی ''یہودا'' کہنے لگا کہ اے میرے بھائیو! سوچو کہ تم لوگ والد صاحب کو کیا کیا عہد و پیمان دے کر آئے ہو؟ اور اس سے پہلے تم اپنے بھائی یوسف کے ساتھ کتنی بڑی تقصیر کر چکے ہو۔ لہٰذا میں تو جب تک والد صاحب حکم نہ دیں اس زمین سے ہٹ نہیں سکتا۔ ہاں تم لوگ گھر جاؤ اور والد صاحب سے سارا ماجرا عرض کر دو۔ چنانچہ یہودا کے سوا دوسرے سب بھائی لوٹ کر گھر آئے اور اپنے والد سے سارا حال بیان کیا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یوسف کی طرح بنیامین کے معاملہ میں بھی تم لوگوں نے حیلہ سازی کی ہے۔ تو خیر، میں صبر کرتا ہوں اور صبر بہت اچھی چیز ہے۔ پھر آپ نے منہ پھیر کر رونا شروع کر دیا۔ اور کہا کہ ہائے افسوس! اور حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے اتنا روئے کہ شدت غم سے نڈھال ہو گئے اور روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ آپ کی زبان سے یوسف علیہ السلام کا نام سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے بیٹوں پوتوں نے کہا کہ ابا جان! آپ ہمیشہ یوسف علیہ السلام کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ لبِ گور ہو جائیں یا جان سے گزر جائیں اپنے بیٹوں پوتوں کی بات سن کر آپ نے فرمایا کہ میں اپنے غم اور پریشانی کی فریاد اللہ عزوجل ہی سے کرتا ہوں اور میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم لوگوں کو معلوم نہیں۔ اے میرے بیٹو! تم لوگ جاؤ۔ اور یوسف اور اُس کے بھائی ''بنیامین'' کو تلاش کرو۔ اور خدا کی رحمت سے مایوس مت ہو جاؤ کیونکہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جانا کافروں کا کام ہے۔

چنانچہ برادران یوسف پھر مصر کو روانہ ہوئے اور جا کر عزیزِ مصر سے کہا کہ اے عزیزِ مصر! ہمارے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت پہنچ گئی ہے اور ہم چند کھوٹے سکے لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا آپ بطورِ خیرات کے کچھ غلہ دے دیجئے اپنے بھائیوں کی زبان سے گھر کی داستان اور

خیرات کا لفظ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام پر رقت طاری ہوگئی اور آپ نے بھائیوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کو یاد ہے کہ تم لوگوں نے یوسف اور اُس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا ہے؟ یہ سن کر بھائیوں نے حیران ہوکر پوچھا کہ سچ مچ آپ یوسف علیہ السلام ہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ میں ہی یوسف ہوں۔ اور یہ بنیامین میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا فضل و احسان فرمایا ہے۔ یہ سن کر بھائیوں نے نہایت شرمندگی اور لجاجت کے ساتھ کہنا شروع کیا کہ بلاشبہ ہم لوگ واقعی بڑے خطا کار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم لوگوں پر بہت بڑی فضیلت بخشی ہے۔ بھائیوں کی شرمندگی اور لجاجت سے متاثر ہوکر آپ کا دل بھر آیا اور آپ نے فرمایا کہ آج میں تم لوگوں کو ملامت نہیں کروں گا۔ جاؤ میں نے سب کچھ معاف کردیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ اب تم لوگ میرا یہ کرتا لے کر گھر جاؤ۔ اور ابا جان کے چہرے پر اس کو ڈال دو تو ان کی آنکھوں میں روشنی آجائے گی۔ پھر تم لوگ سب گھر والوں کو ساتھ لے کر مصر چلے آؤ۔

بڑا بھائی یہودا کہنے لگا کہ یہ کرتا میں لے کر جاؤں گا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا بکری کے خون میں رنگ کر میں ہی اُن کے پاس لے گیا تھا۔ تو جس طرح میں نے اُنہیں وہ کرتا دے کر غمگین کیا تھا۔ آج یہ کرتا لے جا کر ان کو خوش کردوں گا۔ چنانچہ یہودا یہ کرتا لے کر گھر پہنچا اور اپنے والد کے چہرے پر ڈال دیا تو اُن کی آنکھوں میں بینائی آگئی۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تہجد کے وقت کے بعد اپنے سب بیٹوں کے لئے دعا فرمائی اور یہ دعا مقبول ہوگئی۔ چنانچہ آپ پر یہ وحی اتری کہ آپ کے صاحبزادوں کی خطائیں بخش دی گئیں۔

پھر مصر کو روانگی کا سامان ہونے لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد اور سب اہل و عیال کو لانے کے لئے بھائیوں کے ساتھ دو سو سواریاں بھیج دیں تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا تو کل بہتر یا تہتر آدمی تھے جن کو ساتھ لے کر آپ مصر

روانہ ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو چھ لاکھ سے زیادہ تھے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر جانے سے صرف چار سو سال بعد کا زمانہ ہے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے چار ہزار لشکر اور بہت سے مصری سواروں کو ساتھ لے کر آپ کا استقبال کیا اور صدہا ریشمی جھنڈے اور قیمتی پرچم لہراتے ہوئے قطاریں باندھے ہوئے مصری باشندے جلوس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند ''یہودا'' کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے۔ جب ان لشکروں اور سواروں پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ فرعونِ مصر کا لشکر ہے؟ تو یہودا نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ یہ آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو اپنے لشکروں اور سواروں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے ہیں آپ کو متعجب دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ عزوجل کے نبی ذرا سر اٹھا کر فضائے آسمانی میں نظر فرمائیے کہ آپ کے سرور و شادمانی میں شرکت کے لئے ملائکہ کا جمِ غفیر حاضر ہے جو مدتوں آپ کے غم میں روتے رہے ہیں۔ ملائکہ کی تسبیح اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور طبل و بوق کی آوازوں نے عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

جب باپ بیٹے دونوں قریب ہو گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام کا ارادہ کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ذرا توقف کیجئے اور اپنے پدر بزرگوار کو اُن کے رقت انگیز سلام کا موقع دیجئے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان لفظوں کے ساتھ سلام کہا کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُذْھِبَ الْاَحْزَانِ'' یعنی اے تمام غموں کو دور کرنے والے آپ پر سلام ہو۔ پھر باپ بیٹوں نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ معانقہ کیا اور فرطِ مسرت میں دونوں خوب روئے۔ پھر ایک استقبالیہ خیمہ میں تشریف لے گئے جو خوب مزین اور آراستہ کیا گیا تھا۔ وہاں تھوڑی دیر

ٹھہر کر جب شاہی محل میں رونق افروز ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سہارا دے کر اپنے والدِ محترم کو تختِ شاہی پر بٹھایا۔ اور اُن کے ارد گرد آپ کے گیارہ بھائی اور آپ کی والدہ سب بیٹھ گئے اور سب کے سب بیک وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر پڑے۔

اُس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدِ بزرگوار کو مخاطب کر کے یہ کہا:

يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ٘ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا١ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ١ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ١ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝۱۰۰ (پ۱۳،یوسف:۱۰۰)

ترجمہ کنزالایمان: اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بیشک اسے میرے رب نے سچا کیا اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی بیشک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے بیشک وہی علم و حکمت والا ہے۔

یعنی میرے گیارہ بھائی ستارے ہیں اور میرے باپ سورج اور میری والدہ چاند ہے اور یہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہی آپ کا خواب تھا جو بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج و چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ تاریخی واقعہ محرم کی دس تاریخ عاشورہ کے دن وقوع پذیر ہوا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات: اصحابِ تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں اپنے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چوبیس سال تک نہایت آرام و خوشحالی میں رہے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ ملک شام میں لے جا کر مجھے میرے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قبر کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جسم مقدس کو لکڑی کے صندوق میں

رکھ کر مصر سے شام لایا گیا۔ٹھیک اسی وقت آپ کے بھائی حضرت ''عیص'' کی وفات ہوئی اورآپ دونوں بھائیوں کی ولادت بھی ایک ساتھ ہوئی تھی ۔اور دونوں ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے اور دونوں بھائیوں کی عمریں ایک سو سینتالیس برس کی ہوئیں۔حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد اور چچا کو دفن فرما کر پھر مصر تشریف لائے اور اپنے والد ماجد کے بعد ۲۳ سال تک مصر پر حکومت فرماتے رہے۔اس کے بعد آپ کی بھی وفات ہوگئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر:۔آپ کی وفات کے بعد آپ کے مقام دفن میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ ہر محلے والے حصولِ برکت کے لئے اپنے ہی محلّہ میں دفن پر اصرار کرنے لگے۔آخر اس بات پر سب کا اتفاق ہوگیا کہ آپ کو بیچ دریائے نیل میں دفن کیا جائے تاکہ دریا کا پانی آپ کی قبر منور کو چھوتا ہوا گزرے۔اور تمام مصر والے آپ کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہوتے رہیں۔ چنانچہ آپ کو سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے بیچ میں دفن کیا گیا۔ یہاں تک کہ چار سو برس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے تابوت شریف کو دریا سے نکال کر آپ کے آباؤ اجداد کی قبروں کے پاس ملک شام میں دفن فرمایا۔ بوقت وفات آپ کی عمر شریف ایک سوبیس برس کی تھی اور آپ کے والدِ محترم حضرت یعقوب علیہ السلام نے ۱۴۷ برس کی عمر پائی۔اور آپ کے دادا حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر شریف ۱۸۰ سال کی ہوئی اور آپ کے پردادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عمر شریف ۱۷۵ سال کی ہوئی۔ (روح البیان، ج ٤، ص ۳۲٤، پ ۱۳، یوسف: ۱۰۰)

﴿۳۵﴾ مکہ مکرمہ کیوں کر آباد ہوا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام سرزمین شام میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔اس لئے انہیں رشک پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

کہا کہ آپ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو میرے پاس سے جدا کر کے کہیں دور کر دیجئے۔ خداوند قدوس کی حکمت نے ایک سبب پیدا فرما دیا۔ چنانچہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ آپ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اسمٰعیل علیہ السلام کو اُس سرزمین میں چھوڑ آئیں جہاں بے آب و گیاہ میدان اور خشک پہاڑیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر سفر فرمایا۔ اور اُس جگہ آئے جہاں کعبہ معظّمہ ہے۔ یہاں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ، نہ دور دور تک پانی یا آدمی کا کوئی نام ونشان تھا۔ ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشک میں پانی حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں رکھ کر روانہ ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فریاد کی کہ اے اللہ عزوجل کے نبی اس سنسان بیابان میں جہاں نہ کوئی مونس ہے نہ غم خوار، آپ ہمیں بے یارو مددگار چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ کئی بار حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو پکارا مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ آپ اتنا فرما دیجئے کہ آپ نے اپنی مرضی سے ہمیں یہاں لاکر چھوڑا ہے یا خداوند قدوس کے حکم سے آپ نے ایسا کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ہاجرہ! میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اب آپ جائیے، مجھے یقین کامل اور پورا پورا اطمینان ہے کہ خداوند کریم مجھ کو اور میرے بچے کو ضائع نہیں فرمائے گا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک لمبی دعا مانگی اور وہاں سے ملک شام چلے آئے۔ چند دنوں میں کھجوریں اور پانی ختم ہو جانے پر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھوک اور پیاس کا غلبہ ہوا اور ان کے سینے میں دودھ خشک ہو گیا اور بچہ بھوک و پیاس سے تڑپنے لگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پانی کی تلاش و جستجو میں سات چکر صفا مروہ کی دونوں

پہاڑیوں کے لگائے مگر پانی کا کوئی سراغ دور دور تک نہیں ملا۔ یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیاس کی شدت سے ایڑیاں پٹک پٹک کر رو رہے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی ایڑیوں کے پاس زمین پر اپنا پیر مار کر ایک چشمہ جاری کر دیا۔ اور اس پانی میں دودھ کی خاصیت تھی کہ یہ غذا اور پانی دونوں کا کام کرتا تھا۔ چنانچہ یہی زمزم کا پانی پی پی کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام زندہ رہے۔ یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہو گئے اور شکار کرنے لگے تو شکار کے گوشت اور زمزم کے پانی پر گزر بسر ہونے لگی۔ پھر قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے اس میدان میں آئے اور پانی کا چشمہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اجازت سے یہاں آباد ہو گئے اور اس قبیلہ کی ایک لڑکی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ یہاں ایک آبادی ہو گئی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خداوند قدوس کا یہ حکم ہوا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کریں۔ چنانچہ آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے خانہ کعبہ کو تعمیر فرمایا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد اور باشندگانِ مکہ مکرمہ کے لئے جو ایک طویل دعا مانگی۔ وہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورۂ ابراہیم میں آپ کی اس دعا کا کچھ حصہ اس طرح مذکور ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (پ۱۳، ابراھیم:۳۷)

ترجمہ کنزالایمان: اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے ہمارے رب اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو تو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ

احسان مانیں۔

یہ مکہ مکرمہ کی آبادی کی ابتدائی تاریخ ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہوئی ہے۔

دعاء ابراہیمی کا اثر:۔ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خداوند قدوس سے دو چیزیں طلب کیں ایک تو یہ کہ کچھ لوگوں کے دل اولاد ابراہیم علیہ السلام کی طرف مائل ہوں اور دوسرے ان لوگوں کو پھلوں کی روزی کھانے کو ملے۔ سبحان اللہ عزوجل آپ کی یہ دعائیں مقبول ہوئیں۔ چنانچہ اس طرح لوگوں کے دل اہل مکہ کی طرف مائل ہوئے کہ آج کروڑ ہا کروڑ انسان مکہ مکرمہ کی زیارت کے لئے تڑپ رہے ہیں اور ہر دور میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر مسلمان خشکی اور سمندر اور ہوائی راستوں سے مکہ مکرمہ جاتے رہے۔ اور قیامت تک جاتے رہیں گے اور اہل مکہ کی روزی میں پھلوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ باوجودیکہ شہر مکہ اور اس کے قرب وجوار میں کہیں نہ کوئی کھیتی ہے نہ کوئی باغ باغیچہ ہے۔ مگر مکہ مکرمہ کی منڈیوں اور بازاروں میں اس کثرت سے قسم قسم کے میوے اور پھل ملتے ہیں کہ فرط تعجب سے دیکھنے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ''طائف'' کی زمین میں ہر قسم کے پھلوں کی پیداوار کی صلاحیت پیدا فرمادی ہے کہ وہاں سے قسم قسم کے میوے اور پھل اور طرح طرح کی سبزیاں اور ترکاریاں مکہ معظّمہ میں آتی رہتی ہیں اور اس کے علاوہ مصر وعراق بلکہ یورپ کے ممالک سے میوے اور پھل بکثرت مکہ مکرمہ آیا کرتے ہیں۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کی برکتوں کے اثرات وثمرات ہیں جو بلاشبہ دنیا کے عجائبات میں سے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے یہ دعا مانگی جس میں آپ نے اپنی اولاد کے علاوہ تمام مومنین کے لئے بھی دعا مانگی۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ﳓ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ (پ ۱۳، ابرٰھیم: ۴۰، ۴۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

درسِ ہدایت:۔ اس واقعہ سے دو باتیں خاص طور پر معلوم ہوئیں:

﴿۱﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کے بہت ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے کہ وہ بچہ جس کو بڑی بڑی دعاؤں کے بعد بڑھاپے میں پایا تھا جو آپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا، فطری طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتے تھے مگر جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوگیا کہ اے ابراہیم! تم اپنے پیارے فرزند اور اس کی ماں کو اپنے گھر سے نکال کر وادیٔ بطحا کی اُس سنسان جگہ پر لے جا کر چھوڑ آؤ جہاں سر چھپانے کو درخت کا پتا اور پیاس بجھانے کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، نہ وہاں کوئی یار و مددگار ہے، نہ کوئی مونس و غم خوار ہے۔ دوسرا کوئی انسان ہوتا تو شاید اس کے تصور ہی سے اُس کے سینے میں دل دھڑکنے لگتا، بلکہ شدتِ غم سے دل پھٹ جاتا۔ مگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کا یہ حکم سن کر نہ فکر مند ہوئے، نہ ایک لمحہ کے لئے سوچ بچار میں پڑے، نہ رنج و غم سے نڈھال ہوئے بلکہ فوراً ہی خدا کا حکم بجالانے کے لئے بیوی اور بچے کو لے کر ملک شام سے سرزمین مکہ میں چلے گئے اور وہاں بیوی بچے کو چھوڑ کر ملک شام چلے آئے۔ اللہ اکبر! اس جذبۂ اطاعت شعاری اور جوشِ فرماں برداری پر ہماری جان قربان!

﴿۲﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی اولاد کے لئے نہایت ہی محبت بھرے انداز میں اُن کی مقبولیت اور رزق کے لئے جو دعائیں مانگیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی اولاد سے محبت کرنا اور اُن کے لئے دعائیں مانگنا یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مبارک طریقہ ہے جس پر ہم سب مسلمانوں کو عمل کرنا ہماری

صلاح وفلاح دارین کاذریعہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۳۶﴾ ابولہب کی بیوی کو رسول اللہ ﷺ نظر نہ آئے

جب سورۃ "تَبَّتْ یَدَا" نازل ہوئی اور ابولہب اور اُس کی بیوی ''اُم جمیل'' کی اس سورۃ میں مذمت اُتری تو ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل غصہ میں آپے سے باہر ہوگئی۔ اور ایک بہت بڑا پتھر لے کر وہ حرم کعبہ میں گئی۔ اُس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تلاوتِ قرآن فرمارہے تھے اور قریب ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ''اُمّ جمیل'' بڑبڑاتی ہوئی آئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتی ہوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور مارے غصہ کے منہ میں جھاگ بھرتے ہوئے کہنے لگی کہ بتاؤ تمہارے رسول کہاں ہیں؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے میری اور میرے شوہر کی ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے رسول شاعر نہیں ہیں کہ کسی کی ہجو کریں۔ پھر وہ غیظ و غضب میں بھری ہوئی پورے حرم کعبہ میں چکر لگاتی پھری اور بکتی جھکتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈھونڈتی پھری۔ مگر جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکی تو بڑبڑاتی ہوئی حرم سے باہر جانے لگی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی کہ میں تمہارے رسول کا سر کچلنے کے لئے یہ پتھر لے کر آئی تھی مگر افسوس کہ وہ مجھے نہیں ملے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سے وہ کئی بار گزری مگر میرے اور اُس کے درمیان ایک فرشتہ اس طرح حائل ہوگیا کہ آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود وہ مجھے نہ دیکھ سکی۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ (خزائن العرفان، ص ۵۱۵، پ ۱۵، بنی اسرائیل:۴۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور اے محبوب تم نے قرآن پڑھا ہم نے تم پر اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کردیا۔

درسِ ہدایت:۔ اُمِّ جمیل انکھیاری ہوتے ہوئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہی سے تلاش کرتی ہوئی بار بار گزری مگر وہ آپ کو نہیں دیکھ سکی۔ بلاشبہ یہ ایک عجیب بات ہے اور اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اس قسم کے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بارہا صادر ہوئے ہیں اور بہت سے اولیاء اللہ سے بھی ایسی کرامتیں بارہا صادر ہوئی ہیں اور اولیاء کی یہ کرامتیں بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہی ہیں۔ کیونکہ ولی کی کرامت درحقیقت اُس کے نبی کا معجزہ ہوا کرتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

﴿۳۷﴾ اَصحاب کہف (غار والے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالئے جانے کے بعد عیسائیوں کا حال بے حد خراب اور نہایت ابتر ہو گیا۔ لوگ بت پرستی کرنے لگے اور دوسروں کو بھی بت پرستی پر مجبور کرنے لگے۔ خصوصاً ان کا ایک بادشاہ ''دقیانوس'' تو اس قدر ظالم تھا کہ جو شخص بت پرستی سے انکار کرتا تھا یہ اُس کو قتل کرڈالتا تھا۔

اصحاب کہف کون تھے؟:۔اصحابِ کہف شہر ''اُفسوس'' کے شرفاء تھے جو بادشاہ کے معزز درباری بھی تھے۔ مگر یہ لوگ صاحبِ ایمان اور بت پرستی سے انتہائی بیزار تھے۔ ''دقیانوس'' کے ظلم و جبر سے پریشان ہو کر یہ لوگ اپنا ایمان بچانے کے لئے اُس کے دربار سے بھاگ نکلے اور قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہوئے اور سو گئے، تو تین سو برس سے زیادہ عرصے تک اسی حال میں سوتے رہ گئے۔ دقیانوس نے جب ان لوگوں کو تلاش

کرایا اور اُس کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ غار کے اندر ہیں تو وہ بے حد ناراض ہوا۔ اور فرط غیظ و غضب میں یہ حکم دے دیا کہ غار کو ایک سنگین دیوار اُٹھا کر بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ اُسی میں رہ کر مر جائیں اور وہی غار ان لوگوں کی قبر بن جائے۔ مگر دقیانوس نے جس شخص کے سپرد یہ کام کیا تھا وہ بہت ہی نیک دل اور صاحبِ ایمان آدمی تھا۔ اُس نے اصحابِ کہف کے نام اُن کی تعداد اور اُن کا پورا واقعہ ایک تختی پر کندہ کرا کر تانبے کے صندوق کے اندر رکھ کر دیوار کی بنیاد میں رکھ دیا۔ اور اسی طرح کی ایک تختی شاہی خزانہ میں بھی محفوظ کرادی۔ کچھ دنوں کے بعد دقیانوس بادشاہ مر گیا اور سلطنتیں بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ ایک نیک دل اور انصاف پرور بادشاہ جس کا نام ''بیدروس'' تھا، تخت نشین ہوا جس نے اڑسٹھ سال تک بہت شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔ اُس کے دور میں مذہبی فرقہ بندی شروع ہوگئی اور بعض لوگ مرنے کے بعد اُٹھنے اور قیامت کا انکار کرنے لگے۔ قوم کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ رنج وغم میں ڈوب گیا اور وہ تنہائی میں ایک مکان کے اندر بند ہو کر خداوند قدوس عزوجل کے دربار میں نہایت بے قراری کے ساتھ گریہ وزاری کر کے دعائیں مانگنے لگا کہ یا اللہ عزوجل کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما دے تا کہ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت کا یقین ہو جائے۔ بادشاہ کی یہ دعا مقبول ہوگئی اور اچانک بکریوں کے ایک چرواہے نے اپنی بکریوں کو ٹھہرانے کے لئے اسی غار کو منتخب کیا اور دیوار کو گرا دیا۔ دیوار گرتے ہی لوگوں پر ایسی ہیبت ودہشت سوار ہوگئی کہ دیوار گرانے والے لرزہ براندام ہو کر وہاں سے بھاگ گئے اور اصحابِ کہف بحکم الٰہی اپنی نیند سے بیدار ہو کر اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے سے سلام وکلام میں مشغول ہو گئے اور نماز بھی ادا کر لی۔ جب ان لوگوں کو بھوک لگی تو ان لوگوں نے اپنے ایک ساتھی یملیخا سے کہا کہ تم بازار جا کر کچھ کھانا لاؤ اور نہایت خاموشی سے یہ بھی معلوم کرو کہ ''دقیانوس'' ہم لوگوں کے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے؟ ''یملیخا'' غار سے نکل کر بازار گئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہر میں ہر طرف اسلام کا چرچا

ہے اور لوگ اعلانیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ یملیخا یہ منظر دیکھ کر محوِ حیرت ہو گئے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ کہ اس شہر میں تو ایمان واسلام کا نام لینا بھی جرم تھا آج یہ انقلاب کہاں سے اور کیونکر آ گیا؟

پھر یہ ایک نانبائی کی دکان پر کھانا لینے گئے اور دقیانوسی زمانے کا روپیہ دکاندار کو دیا جس کا چلن بند ہو چکا تھا بلکہ کوئی اس سکہ کا دیکھنے والا بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ دکاندار کو شبہ ہوا کہ شاید اس شخص کو کوئی پرانا خزانہ مل گیا ہے چنانچہ دکاندار نے ان کو حکام کے سپرد کر دیا اور حکام نے ان سے خزانے کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی اور کہا کہ بتاؤ خزانہ کہاں ہے؟ ''یملیخا'' نے کہا کہ کوئی خزانہ نہیں ہے۔ یہ ہمارا ہی روپیہ ہے۔ حکام نے کہا کہ ہم کس طرح مان لیں کہ روپیہ تمہارا ہے؟ یہ سکہ تین سو برس پرانا ہے اور برسوں گزر گئے کہ اس سکہ کا چلن بند ہو گیا اور تم ابھی جوان ہو۔ لہٰذا صاف صاف بتاؤ کہ عقدہ حل ہو جائے۔ یہ سن کر یملیخا نے کہا کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ دقیانوس بادشاہ کا کیا حال ہے؟ حکام نے کہا کہ آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ ہاں سینکڑوں برس گزرے کہ اس نام کا ایک بے ایمان بادشاہ گزرا ہے جو بت پرست تھا۔ ''یملیخا'' نے کہا کہ ابھی کل ہی تو ہم لوگ اس کے خوف سے اپنے ایمان اور جان کو بچا کر بھاگے ہیں۔ میرے ساتھی قریب ہی کے ایک غار میں موجود ہیں۔ تم لوگ میرے ساتھ چلو میں تم لوگوں کو اُن سے ملا دوں۔ چنانچہ حکام اور عمائدینِ شہر کثیر تعداد میں اُس غار کے پاس پہنچے۔ اصحابِ کہف ''یملیخا'' کے انتظار میں تھے۔ جب ان کی واپسی میں دیر ہوئی تو اُن لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ شاید یملیخا گرفتار ہو گئے اور جب غار کے منہ پر بہت سے آدمیوں کا شور وغوغا ان لوگوں نے سنا تو سمجھ بیٹھے کہ غالباً دقیانوس کی فوج ہماری گرفتاری کے لئے آن پہنچی ہے۔ تو یہ لوگ نہایت اخلاص کے ساتھ ذکرِ الٰہی اور توبہ واستغفار میں مشغول ہو گئے۔

حکام نے غار پر پہنچ کر تانبے کا صندوق برآمد کیا اور اس کے اندر سے تختی نکال کر پڑھا تو اُس تختی پر اصحابِ کہف کا نام لکھا تھا اور یہ بھی تحریر تھا کہ یہ مومنوں کی جماعت اپنے دین کی حفاظت کے لئے دقیانوس بادشاہ کے خوف سے اس غار میں پناہ گزیں ہوئی ہے۔ تو دقیانوس نے خبر پا کر ایک دیوار سے ان لوگوں کو غار میں بند کر دیا ہے۔ ہم یہ حال اس لئے لکھتے ہیں کہ جب کبھی بھی یہ غار کھلے تو لوگ اصحابِ کہف کے حال پر مطلع ہوجائیں۔ حکام تختی کی عبارت پڑھ کر حیران رہ گئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے بادشاہ ''بیدروس'' کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ فوراً ہی بیدروس بادشاہ اپنے امراء اور عمائدین شہر کو ساتھ لے کر غار کے پاس پہنچا تو اصحابِ کہف نے غار سے نکل کر بادشاہ سے معانقہ کیا اور اپنی سرگزشت بیان کی۔ بیدروس بادشاہ سجدہ میں گر کر خداوند قدوس کا شکر ادا کرنے لگا کہ میری دعا قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ایسی نشانی ظاہر کر دی جس سے موت کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے کا ہر شخص کو یقین ہو گیا۔ اصحابِ کہف بادشاہ کو دعائیں دینے لگے کہ اللہ تعالیٰ تیری بادشاہی کی حفاظت فرمائے۔ اب ہم تمہیں اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ پھر اصحابِ کہف نے السلام علیکم کہا اور غار کے اندر چلے گئے اور سو گئے اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وفات دے دی۔ بادشاہ بیدروس نے سال کی لکڑی کا صندوق بنوا کر اصحابِ کہف کی مقدس لاشوں کو اس میں رکھوا دیا اور اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا ایسا رعب لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا کہ کسی کی یہ مجال نہیں کہ غار کے منہ تک جاسکے۔ اس طرح اصحابِ کہف کی لاشوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے سامان کر دیا۔ پھر بیدروس بادشاہ نے غار کے منہ پر ایک مسجد بنوا دی اور سالانہ ایک دن مقرر کر دیا کہ تمام شہر والے اس دن عید کی طرح زیارت کے لئے آیا کریں۔ (خازن، ج۳، ص۱۹۸۔۲۰۰)

اصحابِ کہف کی تعداد: اصحابِ کہف کی تعداد میں جب لوگوں کا اختلاف ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ:

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ (پ ۱۵، الکھف: ۲۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تم فرماؤ میرا رب ان کی گنتی خوب جانتا ہے انہیں نہیں جانتے مگر تھوڑے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں انہی کم لوگوں میں سے ہوں جو اصحابِ کہف کی تعداد کو جانتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اصحابِ کہف کی تعداد سات ہے اور آٹھواں اُن کا کتا ہے۔ (تفسیر صاوی، ج ۴، ص ۱۱۹۱، پ ۱۵، الکہف: ۲۲)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝۱۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ (پ ۱۵، الکھف: ۹۔۱۳)

ترجمہ کنزالایمان:۔ کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی کھوہ اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی پھر بولے اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے کام میں ہمارے لئے راہ یابی کے سامان کر تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکا پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں دو گرہوں میں کون ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے ہم ان کا ٹھیک ٹھیک حال تمہیں سنائیں وہ کچھ جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو ہدایت بڑھائی۔

اس سے اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا پورا پورا حال بیان فرمایا ہے کہ جس کو ہم پہلے ہی تحریر کر چکے ہیں۔

اصحاب کہف کے نام:۔ان کے ناموں میں بھی بہت اختلاف ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُن کے نام یہ ہیں۔یملیخا،مکشلینا،مشلینا،مرنوش،دبرنوش، شاذنوش اور ساتواں چرواہا تھا جو ان لوگوں کے ساتھ ہوگیا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کا ذکر نہیں فرمایا۔اور ان لوگوں کے کتے کا نام ''قطمیر'' تھا اور ان لوگوں کے شہر کا نام ''افسوس'' تھا اور ظالم بادشاہ کا نام ''دقیانوس'' تھا۔

(مدارك التنزيل ،ج ٣، ص ٢٠٦ ،پ ١٥ ،الكهف:٢٢)

اور تفسیر صاوی میں لکھا ہے کہ اصحابِ کہف کے نام یہ ہیں۔مکسملینا،یملیخا،طونس،نینوس، ساریونس،ذونوانس،فلستطیونس۔یہ آخری چرواہے تھے جو راستے میں ساتھ ہولئے تھے اور ان لوگوں کے کتے کا نام ''قطمیر'' تھا۔

(صاوی، ج٤،ص ١١٩١ ،پ ١٥ ،الكهف:٢٢)

اصحابِ کہف کے ناموں کے خواص:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحابِ کہف کے ناموں کا تعویذ نو کاموں کے لئے فائدہ مند ہے۔

(۱) بھاگے ہوئے کو بلانے کے لئے اور دشمنوں سے بچ کر بھاگنے کے لئے۔(۲) آگ بجھانے کے لئے کپڑے پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں (۳) بچوں کے رونے اور تیسرے دن آنے والے بخار کے لئے۔(۴) دردِ سر کے لئے دائیں بازو پر باندھیں۔(۵) اُمّ الصبیان کے لئے گلے میں پہنائیں۔(۶) خشکی اور سمندر میں سفر محفوظ ہونے کے لئے۔(۷) مال کی حفاظت کے لیے۔(۸) عقل بڑھنے کے لئے۔(۹) گنہگاروں کی نجات کے لیے

(صاوی،ج٤،ص ١١٩١،پ ١٥،الكهف:٢٢)

اصحابِ کہف کتنے دنوں تک سوتے رہے:۔ جب قرآن کی آیت وَ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ (پ ١٥،

الکھف: ۲۵) (اوروہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے نو اوپر) نازل ہوئی۔ تو کفار کہنے لگے کہ ہم تین سو برس کے متعلق تو جانتے ہیں کہ اصحابِ کہف اتنی مدت تک غار میں رہے مگر ہم نو برس کو نہیں جانتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ شمسی سال جوڑ رہے ہو اور قرآن مجید نے قمری سال کے حساب سے مدت بیان کی ہے اور شمسی سال کے ہر سو برس میں تین سال قمری بڑھ جاتے ہیں۔ (صاوی، ج ٤، ص ۱۱۹۳، پ ۱۵، الکھف: ۲۵)

درسِ ھدایت:۔ ﴿۱﴾ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا حق ہے اور اصحابِ کہف کا واقعہ اس کی نشانی اور دلیل ہے۔ جو قرآن مجید میں موجود ہے۔

﴿۲﴾ جو اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اُس کی حفاظت کا ایسا ایسا سامان فرما دیتا ہے کہ کوئی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا۔

﴿۳﴾ اللہ والوں کے ناموں میں برکت اور نفع بخش تاثیرات ہوتی ہیں۔

﴿۴﴾ بیدروس ایک ایماندار اور نیک دل بادشاہ نے اصحابِ کہف کے غار کی زیارت کے لئے سالانہ ایک دن مقرر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کے عرس کا دستور بہت قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔

﴿۵﴾ بزرگوں کے مزاروں کے پاس مسجد تعمیر کرنا اور وہاں عبادت کرنا بھی بہت پرانا مبارک طریقہ ہے کیونکہ بیدروس بادشاہ نے اصحابِ کہف کے غار کے پاس ایک مسجد بنا دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ کہف میں ہے۔ **(واللہ تعالیٰ اعلم)**

﴿۳۸﴾ سفر مجمع البحرین کی جھلکیاں

ایک روایت ہے کہ جب فرعون مع اپنے لشکر کے دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ساتھ مصر میں قرار نصیب ہوا تو ایک دن موسیٰ علیہ السلام کا

اللہ تعالیٰ سے اس طرح مکالمہ شروع ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: خداوند! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ تجھ کو محبوب کون سا بندہ ہے؟

اللہ تعالیٰ: جو میرا ذکر کرتا ہے اور مجھے کبھی فراموش نہ کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ: جو حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور کبھی بھی خواہش انسانی کی پیروی نہ کرے

حضرت موسیٰ علیہ السلام: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ: جو ہمیشہ اپنے علم کے ساتھ دوسروں سے علم سیکھتا رہے تا کہ اس طرح اُسے کوئی ایک ایسی بات مل جائے جو اُسے ہدایت کی طرف راہنمائی کرے یا اس کو ہلاکت سے بچالے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم والا ہو تو مجھے اس کا پتا بتا دے؟

اللہ تعالیٰ: ''خضر'' تم سے زیادہ علم والے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: میں انہیں کہاں تلاش کروں؟

اللہ تعالیٰ: ساحل سمندر پر چٹان کے پاس۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: میں وہاں کیسے اور کس طرح پہنچوں؟

اللہ تعالیٰ: تم ایک ٹوکری میں ایک مچھلی لے کر سفر کرو۔ جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے بس وہیں خضر سے تمہاری ملاقات ہوگی۔

(مدارك التنزيل، ج٣، ص٢١٧، پ١٥، الكهف: ٦٠)

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم اور شاگرد حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہم السلام کو اپنا رفیق سفر بنا کر "مجمع البحرین" کا سفر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلتے چلتے جب بہت دور چلے گئے تو ایک جگہ سو گئے۔ اُسی جگہ مچھلی ٹوکری میں سے تڑپ کر سمندر میں کود گئی۔ اور جس جگہ پانی میں ڈوبی وہاں پانی میں ایک سوراخ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نیند سے بیدار ہو کر چلنے لگے۔ جب دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے شاگرد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے مچھلی طلب فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ چٹان کے پاس جہاں آپ سو گئے تھے، مچھلی کود کر سمندر میں چلی گئی اور میں آپ کو بتانا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو اس جگہ کی تلاش تھی۔ بہر حال پھر آپ اپنے قدموں کے نشانات کو تلاش کرتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی جگہ بتائی گئی تھی۔

وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک بزرگ کپڑوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو سلام کیا تو انہوں نے تعجب سے فرمایا کہ اس زمین میں سلام کرنے والے کہاں سے آ گئے؟ پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں "موسیٰ" ہوں۔ تو انہوں نے دریافت کیا کہ کون موسیٰ؟ کیا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اے موسیٰ! مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا علم دیا ہے جس کو آپ نہیں جانتے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم دیا جس کو میں نہیں جانتا۔ مطلب یہ تھا کہ میں علم "اسرار" جانتا ہوں۔ جس کا آپ کو علم نہیں اور آپ "علم الشرائع" جانتے ہیں جس کو میں نہیں جانتا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے خضر! کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں تاکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم دیئے ہیں آپ کچھ مجھے

بھی تعلیم دیں۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا۔ اور کبھی بھی کوئی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ آپ مجھ سے کسی بات کے متعلق کوئی سوال نہ کریں۔ یہاں تک کہ میں خود آپ کو بتادوں۔ غرض اس عہد و معاہدہ کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ اور یوشع بن نون علیہما السلام کو اپنے ساتھ لے کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ ایک کشتی پر نظر پڑی۔ اور کشتی والوں نے ان تینوں صاحبان کو کشتی پر سوار کرلیا اور کشتی کا کرایہ بھی نہیں مانگا۔ جب یہ لوگ کشتی میں بیٹھ گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے جھولے میں سے کلہاڑی نکالی اور کشتی کو پھاڑ کر اُس کا ایک تختہ نکال کر سمندر میں پھینک دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کرسکے اور حضرت خضر علیہ السلام سے یہ سوال کر بیٹھے کہ

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ (پ ۱۵، الکہف: ۷۱)

ترجمہ کنزالایمان: کیا تم نے اسے اس لئے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبادو بیشک یہ تم نے بُری بات کی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے آپ سے کہہ نہیں دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے بھول کر سوال کردیا۔ لہٰذا آپ میری بھول پر گرفت نہ کیجئے اور میرے کام میں مشکل نہ ڈالئے۔

پھر یہ حضرات کچھ دور آگے کو چلے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ بچے کو دیکھا جو اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے گلا دبا کر اور زمین پر پٹک کر اُس بچے کو قتل کرڈالا یہ ہوش رُبا خونی منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام میں صبر کی تاب نہ رہی اور آپ نے ذرا سخت لہجے میں حضرت خضر علیہ السلام سے کہہ دیا:

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـٴًـا نُّكْرًا(۷۴)

(پ ۱۵،الکہف:۷۴)

ترجمہ کنزالایمان: موسیٰ نے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کردی بیشک تم نے بہت بری بات کی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پھر یہی جواب دیا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اب اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ میرے ساتھ نہ رہیے گا۔ اس میں شک نہیں کہ میری طرف سے آپ کا عذر پورا ہو چکا ہے۔

پھر اس کے بعد ان حضرات نے ساتھ ساتھ چلنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ایک گاؤں میں پہنچے اور گاؤں والوں سے کھانا طلب کیا۔ مگر گاؤں والوں میں سے کسی نے بھی ان صالحین کی دعوت نہیں کی۔ پھر ان دونوں نے گاؤں میں ایک گرتی ہوئی دیوار پائی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اسم اعظم پڑھ کر دیوار سیدھی کردی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گاؤں والوں کی بداخلاقی سے بیزار تھے ہی، آپ کو غصہ آ گیا، برداشت نہ کرسکے اور یہ فرمایا:

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا(۷۷) (پ ۱۶،الکہف:۷۷)

ترجمہ کنزالایمان: تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔

یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام نے کہہ دیا کہ اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے اور جن چیزوں کو دیکھ کر آپ صبر نہ کرسکے اُن کا راز میں آپ کو بتا دوں گا۔ سنئے جو کشتی میں نے پھاڑ ڈالی وہ چند مسکینوں کی تھی جس کی آمدنی سے وہ لوگ گزر بسر کرتے تھے اور آگے ایک ظالم بادشاہ رہتا تھا جو سالم اور اچھی کشتیوں کو چھین لیا کرتا تھا اور عیب دار کشتیوں کو چھوڑ دیا کرتا تھا تو میں نے قصداً ایک تختہ نکال کر اُس کشتی کو عیب دار کر دیا تا کہ ظالم بادشاہ کے غضب سے محفوظ

رہے۔ اور جس لڑکے کو میں نے قتل کر دیا اس کے والدین بہت نیک اور صالح تھے۔ اور یہ لڑکا پیدائشی کافر تھا اور والدین اس لڑکے سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اُس کی ہر خواہش پوری کرتے تھے تو ہمیں یہ خوف وخطرہ نظر آیا کہ وہ لڑکا کہیں اپنے والدین کو کفر میں نہ مبتلا کردے۔ اس لئے میں نے اُس لڑکے کو قتل کر کے اُس کے والدین کو کفر سے بچا لیا۔ اب اُس کے والدین صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُس لڑکے کے بدلے میں اس کے والدین کو ایک بیٹی عطا فرمائے گا، جو ایک نبی سے بیاہی جائے گی اور اس کے شکم سے ایک نبی پیدا ہوگا جو ایک امت کو ہدایت کرے گا۔ اور گرتی ہوئی دیوار کو سیدھی کرنے کا راز یہ تھا کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک صالح اور نیک آدمی تھا۔ اگر ابھی یہ دیوار گر جاتی تو ان یتیموں کا خزانہ گاؤں والے لے لیتے۔ اس لئے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں یتیم بچے جوان ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں، اس لئے ابھی میں نے دیوار کو گرنے نہیں دیا۔ یہ خداوند تعالیٰ کی ان بچوں پر مہربانی ہے اور اے موسیٰ علیہ السلام! آپ یقین و اطمینان رکھیں کہ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اپنی طرف سے نہیں کیا ہے بلکہ میں نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وطن واپس چلے آئے۔

(مدارك التنزيل، ج۳، ص۲۱۹۔۲۲۱، پ۱۵۔۱۶، الكهف ملخصاً)

حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف:۔ حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ابو العباس اور نام ''بلیا'' اور ان کے والد کا نام ''ملکان'' ہے۔ ''بلیا'' سریانی زبان کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں اس کا ترجمہ ''احمد'' ہے۔ ''خضر'' ان کا لقب ہے اور اس لفظ کو تین طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ خَضِر، خَضْر، خِضْر۔ ''خضر'' کے معنی سبز چیز کے ہیں۔ یہ جہاں بیٹھتے تھے وہاں آپ کی برکت سے ہری ہری گھاس اُگ جاتی تھی اس لئے لوگ ان کو ''خضر'' کہنے لگے۔

یہ بہت ہی عالی خاندان ہیں۔ اور ان کے آباؤ اجداد بادشاہ تھے۔ بعض عارفین نے فرمایا

ہے کہ جو مسلمان ان کا اور ان کے والد کا نام اور ان کی کنیت یاد رکھے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ (صاوی، ج ٤، ص ١٢٠٧، پ ١٥، الکہف: ٦٥)

حضرت خضر علیہ السلام زندہ ولی ہیں:۔ بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو نبی بتایا ہے لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آپ ولی ہیں۔

(جلالین، ص ٢٤٩، پ ١٥، الکہف: ٦٥)

اور جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آپ اب بھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے کیونکہ آپ نے آبِ حیات پی لیا ہے۔ آپ کے گرد بکثرت اولیاء کرام جمع رہتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ چنانچہ عارف باللہ حضرت سید بکری نے اپنے قصیدہ ''وردالسحر'' میں آپ کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ ؎

حَیٌّ وَحَقِّکَ لَمْ یَقُلْ بِوَفَاتِہٖ　　　اِلَّا الَّذِیْ لَمْ یَلْقَ نُوْرَ جَمَالِہٖ

فَعَلَیْہِ مِنِّیْ کُلَّمَا ھَبَّ الصَّبَا　　　اَزْکٰی سَلَامٍ طَابَ فِیْ اِرْسَالِہٖ

تیرے حق کی قسم! کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور اُن کی وفات کا قائل وہی ہوگا جو اُن کے نورِ جمال سے ملاقات نہیں کرسکا ہے تو میری طرف سے اُن پر جب جب بادِ صبا چلے ستھرا اسلام ہو کہ پاکیزگی کے ساتھ بادِ صبا اس کو پہنچائے۔

حضرت خضر علیہ السلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ صحابی بھی ہیں۔ (صاوی، ج ٤، ص ١٢٠٨، پ ١٥، الکہف: ٦٥)

﴿٣٩﴾ ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج

ذوالقرنین کا نام ''سکندر'' ہے۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر اور جنگلوں میں علمبردار رہے ہیں۔ یہ حضرت سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یہ ایک بڑھیا کے اکلوتے فرزند ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل

اللہ علیہ السلام کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر کے مدتوں اُن کی صحبت میں رہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ان کو کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں۔صحیح قول یہی ہے کہ یہ نبی نہیں ہیں بلکہ ایک بندۂ صالح ہیں جو ولایت کے شرف سے سرفراز ہیں۔

(صاوی، ج ٤،ص ١٢١٤،پ ١٦، الکھف:٨٣)

ذوالقرنین کیوں کہلائے؟:۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ ذوالقرنین (دو سینگوں والے) کے لقب سے اس لئے مشہور ہو گئے کہ انہوں نے دنیا کے دوسینگوں یعنی دونوں کناروں کا چکر لگایا تھا۔اور بعض کا قول ہے کہ ان کے دور میں لوگوں کے دو قرن ختم ہو گئے سو برس کا ایک قرن ہوتا ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے دو گیسو تھے اس لئے ذوالقرنین کہلاتے ہیں۔اور یہ بھی ایک قول ہے کہ ان کے تاج پر دوسینگ بنے ہوئے تھے۔اور بعض اس کے قائل ہیں کہ خود ان کے سر پر دونوں طرف ابھار تھا جو سینگ جیسا نظر آتا تھا اور بعضوں نے یہ وجہ بتائی کہ چونکہ ان کے باپ اور ماں نجیب الطرفین اور شریف زادہ تھے اس لئے لوگ ان کو ذوالقرنین کہنے لگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(مدارك التنزيل، ج ٣،ص ٢٢٢،پ ١٦، الکھف:٨٣)

اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام روئے زمین کی بادشاہی عطا فرمائی تھی۔دنیا میں کل چار بادشاہ ایسے ہوئے ہیں جن کو پوری زمین کی پوری بادشاہی ملی۔ان میں دو مومنین تھے اور دو کافر۔مومن تو حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین ہیں اور کافر ایک بخت نصر اور دوسرا نمرود ہے۔اور تمام روئے زمین کے ایک پانچویں بادشاہ اس امت میں ہونے والے ہیں جن کا اسم گرامی حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہے۔

(صاوی، ج ٤،ص ١٢١٦،پ ١٦،الکھف:٨٣)

ذوالقرنین کے تین سفر:۔ قرآن مجید میں حضرت ذوالقرنین کے تین سفروں کا حال بیان ہوا ہے جو سورۂ کہف میں ہے۔ہم قرآن مجید ہی سے ان تینوں سفروں کا حال تحریر

کرتے ہیں، جن کی روداد بہت ہی عجیب اور عبرت خیز ہے۔

پہلا سفر:۔ حضرت ذوالقرنین نے پرانی کتابوں میں پڑھا تھا کہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص آبِ حیات کے چشمہ سے پانی پی لے گا تو اس کو موت نہ آئے گی۔ اس لئے حضرت ذوالقرنین نے مغرب کا سفر کیا۔ آپ کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام بھی تھے وہ تو آبِ حیات کے چشمہ پر پہنچ گئے اور اس کا پانی بھی پی لیا مگر حضرت ذوالقرنین کے مقدر میں نہیں تھا، وہ محروم رہ گئے۔ اس سفر میں آپ جانب مغرب روانہ ہوئے تو جہاں تک آبادی کا نام ونشان ہے وہ سب منزلیں طے کر کے آپ ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ انہیں سورج غروب کے وقت ایسا نظر آیا کہ وہ ایک سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ جیسا کہ سمندری سفر کرنے والوں کو آفتاب سمندر کے کالے پانی میں ڈوبتا نظر آتا ہے۔ وہاں ان کو ایک ایسی قوم ملی جو جانوروں کی کھال پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سوا کوئی دوسرا لباس ان کے بدن پر نہیں تھا اور دریائی مردہ جانوروں کے سوا ان کی غذا کا کوئی دوسرا سامان نہیں تھا۔ یہ قوم ''ناسک'' کہلاتی تھی۔ حضرت ذوالقرنین نے دیکھا کہ ان کے لشکر بے شمار ہیں اور یہ لوگ بہت ہی طاقت ور اور جنگجو ہیں۔ تو حضرت ذوالقرنین نے ان لوگوں کے گرد اپنی فوجوں کا گھیرا ڈال کر ان لوگوں کو بے بس کر دیا۔ چنانچہ کچھ تو مشرف بہ ایمان ہو گئے کچھ آپ کی فوجوں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے۔

دوسرا سفر:۔ پھر آپ نے مشرق کا سفر فرمایا یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو یہ دیکھا کہ وہاں ایک ایسی قوم ہے جن کے پاس کوئی عمارت اور مکانات نہیں ہیں۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ سورج طلوع ہونے کے وقت یہ لوگ زمین کی غاروں میں چھپ جاتے تھے۔ اور سورج ڈھل جانے کے بعد غاروں سے نکل کر اپنی روزی کی تلاش میں لگ جاتے تھے۔ یہ لوگ قوم ''منسک'' کہلاتے تھے۔ حضرت ذوالقرنین نے ان لوگوں کے مقابلہ میں بھی لشکر آرائی کی اور جو لوگ ایمان لائے ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا اور جو اپنے کفر پر اڑے

رہے ان کو تہ تیغ کر دیا۔

تیسرا سفر:۔ پھر آپ نے شمال کی جانب سفر فرمایا یہاں تک کہ ''سدین'' (دو پہاڑوں کے درمیان) میں پہنچے تو وہاں کی آبادی کی عجیب و غریب زبان تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ اشاروں سے بمشکل بات چیت کی جاسکتی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کے مظالم کی شکایت کی اور آپ کی مدد کے طالب ہوئے۔

یاجوج و ماجوج:۔ یہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک فسادی گروہ ہے۔ اور ان لوگوں کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے۔ یہ لوگ بلا کے جنگجو خونخوار اور بالکل ہی وحشی اور جنگلی ہیں جو بالکل جانوروں کی طرح رہتے ہیں۔ موسم ربیع میں یہ لوگ اپنے غاروں سے نکل کر تمام کھیتیاں اور سبزیاں کھا جاتے تھے۔ اور خشک چیزوں کو لاد کر لے جاتے تھے۔ آدمیوں اور جنگلی جانوروں یہاں تک کہ سانپ، بچھو، گرگٹ اور ہر چھوٹے بڑے جانور کو کھا جاتے تھے۔

سدِ سکندری:۔ حضرت ذوالقرنین سے لوگوں نے فریاد کی کہ آپ ہمیں یاجوج وماجوج کے شر اور اُن کی ایذاء رسانیوں سے بچائیے اور ان لوگوں نے ان کے عوض کچھ مال دینے کی بھی پیش کش کی تو حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب کچھ دیا ہے۔ بس تم لوگ جسمانی محنت سے میری مدد کرو۔ چنانچہ آپ نے دونوں پہاڑوں کے درمیان بنیاد کھدوائی۔ جب پانی نکل آیا تو اس پر پگھلائے تانبے کے گارے سے پتھر جمائے گئے اور لوہے کے تختے نیچے اوپر چن کر اُن کے درمیان میں لکڑی اور کوئلہ بھروادیا۔ اور اُس میں آگ لگوادی۔ اس طرح یہ دیوار پہاڑ کی بلندی تک اونچی کردی گئی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان کوئی جگہ نہ چھوڑی گئی۔ پھر پگھلایا ہوا تانبا دیوار میں پلادیا گیا جو سب مل کر بہت ہی مضبوط اور نہایت مستحکم دیوار بن گئی۔

(خزائن العرفان، ص ۵٤۵۔۵٤۷، پ ۱٦، الکھف: ۸٦ تا ۹۸)

قرآن مجید کی سورہ کہف میں حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ سے مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿۸۸﴾ پہلے سفر کا ذکر ہے پھر ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ سے خُبْرًا ﴿۹۱﴾ تک دوسرے سفر کا تذکرہ ہے اور ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ سے وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ تک تیسرے سفر کی روداد ہے۔

سدِ سکندری کب ٹوٹے گی؟:۔ حدیث شریف میں ہے کہ یاجوج وماجوج روزانہ اس دیوار کو توڑتے ہیں اور دن بھر جب محنت کرتے کرتے اس کو توڑنے کے قریب ہوجاتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ اب چلو باقی کو کل توڑ ڈالیں گے۔ دوسرے دن جب وہ لوگ آتے ہیں تو خدا کے حکم سے وہ دیوار پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہوجاتی ہے۔ جب اس دیوار کے ٹوٹنے کا وقت آئے گا تو ان میں سے کوئی کہے گا کہ اب چلو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کل اس دیوار کو توڑ ڈالیں گے۔ ان لوگوں کے ان شاء اللہ تعالیٰ کہنے کی برکت اور اس کلمہ کا یہ ثمرہ ہوگا کہ دوسرے دن دیوار ٹوٹ جائے گی۔ یہ قیامت قریب ہونے کا وقت ہوگا۔ دیوار ٹوٹنے کے بعد یاجوج وماجوج نکل پڑیں گے اور زمین میں ہر طرف فتنہ وفساد اور قتل وغارت کریں گے۔ چشموں اور تالابوں کا پانی پی ڈالیں گے اور جانوروں اور درختوں کو کھا ڈالیں گے۔ زمین پر ہر جگہوں میں پھیل جائیں گے۔ مگر مکہ مکرمہ ومدینہ طیبہ وبیت المقدس ان تینوں شہروں میں یہ داخل نہ ہوسکیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اُن لوگوں کی گردنوں میں کیڑے پیدا ہوجائیں گے اور یہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

(پ۱۷، الانبیاء: ۹۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج وماجوج اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے۔

﴿۴۰﴾ شجر مریم رضی اللہ عنہا اور نہر جبریل علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت بی بی مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ جب ولادت کا وقت آیا تو حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آبادی سے کچھ دور ایک کھجور کے سوکھے درخت کے نیچے تنہائی میں بیٹھ گئیں اور اُسی درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ چونکہ آپ بغیر باپ کے کنواری مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم سے پیدا ہوئے۔ اس لئے حضرت مریم بڑی فکرمند اور بے حد اداس تھیں اور بدگوئی وطعنہ زنی کے خوف سے بستی میں نہیں آ رہی تھیں۔ اور ایک ایسی سنسان زمین میں کھجور کے سوکھے درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں کہ جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ ناگہاں حضرت جبریل علیہ السلام اُتر پڑے اور اپنی ایڑی زمین پر مار کر ایک نہر جاری کر دی اور اچانک کھجور کا سوکھا درخت ہرا بھرا ہو کر پختہ پھل لایا۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پکار کر اُن سے یوں کلام فرمایا:

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ وَ هُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا (پ۱۶، مریم، ۲۴۔۲۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو اسے اس کے تلے سے پکارا کہ غم نہ کھا بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہادی ہے اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔

سوکھے درخت میں پھل لگ جانا اور نہر کا اچانک جاری ہونا، بلاشبہ یہ دونوں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامات ہیں۔

درسِ ہدایت:۔ اس سے پہلے کے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت بی بی مریم

رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بچی تھیں اور بیت المقدس کی محراب میں عبادت کرتی تھیں تو بغیر کسی محنت کے وہاں بلا موسم کے پھل ملا کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد پکی ہوئی کھجوریں تو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ضرور ملیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ کھجور کی جڑیں ہلاؤ تب تم کو کھجوریں ملیں گی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی جب تک صاحب اولاد نہیں ہوتا تو اس کو بلا محنت کے بھی روزی مل جایا کرتی ہے اور وہ کہیں نہ کہیں کھا پی لیا کرتا ہے۔ مگر جب آدمی صاحبِ اولاد ہو جائے تو اُس پر لازم ہے کہ محنت کر کے روزی حاصل کرے۔ دیکھو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تک صاحبِ اولاد نہیں ہوئی تھیں تو بلا کسی محنت و مشقت کے اُن کے محرابِ عبادت میں پھلوں کی روزی ملا کرتی تھی۔ مگر جب اُن کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو اب خدا کا یہ حکم ہوا کہ کھجور کے درخت کو ہلاؤ اور محنت کرو اور اس کے بعد کھجوریں ملیں گی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بھلائی کی مہر اور گناہ معاف

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو یہ دعا مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ پڑھے تو اس کی خطائیں مٹا دی جاتی ہیں اور جو مجلس خیر و مجلس ذکر میں پڑھے تو اس کے لئے خیر (یعنی بھلائی) پر مہر لگا دی جائے گی۔ وہ دعا یہ ہے:

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ.

(ابو داؤد شریف کتاب الادب ص ٦٦٧ ج ٢) (فیضان سنت، ج ١، ص ١٧٦)

﴿۴۱﴾ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پہلی تقریر

جب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عیسٰی علیہ السلام کو گود میں لے کر بنی اسرائیل کی بستی میں تشریف لائیں تو قوم نے آپ پر بدکاری کی تہمت لگائی۔ اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اے مریم! تم نے یہ بہت برا کام کیا۔ حالانکہ تمہارے والدین میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ اور تمہاری ماں بھی بدکار نہیں تھی۔ بغیر شوہر کے تمہارے لڑکا کیسے ہو گیا؟ جب قوم نے بہت زیادہ طعنہ زنی اور بدگوئی کی تو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود تو خاموش رہیں مگر ارشاد کیا کہ اس بچے سے تم لوگ سب کچھ پوچھ لو۔ تو لوگوں نے کہا کہ ہم اس بچے سے کیا اور کیونکر اور کس طرح گفتگو کریں؟ یہ تو ابھی بچہ ہے جو پالنے میں پڑا ہوا ہے۔ قوم کا یہ کلام سن کر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تقریر شروع کر دی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ (پ ۱۶، مریم: ۳۰۔۳۳)

ترجمہ کنزالایمان: بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک جیوں۔ اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

درسِ ہدایت: ۔﴿۱﴾ یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ پیدا ہوتے ہی فصیح زبان

میں ایسی جامع تقریر فرمائی۔اس تقریر میں سب سے پہلے آپ نے اپنے کو خدا کا بندہ کہا۔تا کہ کوئی انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ سکے۔ کیونکہ لوگ آئندہ آپ پر تہمت لگانے والے تھے۔اور یہ تہمت اللہ تعالیٰ پر لگتی تھی۔اس لئے آپ کے منصبِ رسالت کا یہی تقاضا تھا کہ اپنی والدہ پر لگائی جانے والی تہمت کو رفع کرنے سے پہلے اس تہمت کو دفع کریں جو اللہ تعالیٰ پر لگائی جانے والی تھی۔اللہ اکبر! سچ ہے خداوندِ قدوس جس کو نبوت کے شرف سے نوازتا ہے یقیناً اس کی ولادت نہایت ہی پاک اور طیب و طاہر ہوتی ہے اور بچپن ہی سے اس کی نبوت کے اعلیٰ آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

{۲} سورۂ مریم کے اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا پورا ذکر میلاد شریف میں بیان فرمایا ہے اور آخر میں سلام کا ذکر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا میلاد پڑھ کر آخر میں صلوٰۃ و سلام پڑھنا یہ اللہ تعالیٰ کی مقدس سنت ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مبارک عمل ہے۔

{۳} حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ نماز، زکوٰۃ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک یہ ایسے فرائض ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شریعت میں بھی فرض تھے۔

﴿۴۲﴾ حضرت ادریس علیہ السلام

آپ کا نام ''اخنوخ'' ہے۔آپ حضرت نوح علیہ السلام کے والد کے دادا ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ ہی پہلے رسول ہیں۔ آپ کے والد حضرت شیث بن آدم علیہما السلام ہیں۔سب سے پہلے جس شخص نے قلم سے لکھا وہ آپ ہی ہیں۔کپڑوں کے سینے اور سلے ہوئے کپڑے پہننے کی ابتداء بھی آپ ہی سے ہوئی۔ اس سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں پہنتے تھے۔سب سے پہلے ہتھیار بنانے والے، ترازو اور پیمانے قائم کرنے والے اور علم نجوم و حساب میں نظر فرمانے والے بھی آپ ہی ہیں۔ یہ سب کام آپ ہی سے شروع

ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تیس صحیفے نازل فرمائے۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا بکثرت درس دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کا لقب ''ادریس'' ہو گیا۔ اور آپ کا یہ لقب اس قدر مشہور ہو گیا کہ بہت سے لوگوں کو آپ کا اصلی نام معلوم ہی نہیں۔ قرآن مجید میں آپ کا نام ''ادریس'' ہی ذکر کیا گیا ہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھا لیا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت سے فرمایا کہ موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں، کیسا ہوتا ہے؟ تم میری روح قبض کر کے دکھاؤ۔ ملک الموت نے اس حکم کی تعمیل کی اور روح قبض کر کے اُسی وقت آپ کی طرف لوٹا دی اور آپ زندہ ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اب مجھے جہنم دکھاؤ تا کہ خوفِ الٰہی زیادہ ہو۔ چنانچہ یہ بھی کیا گیا جہنم کو دیکھ کر آپ نے داروغہ جہنم سے فرمایا کہ دروازہ کھولو، میں اس دروازے سے گزرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گزرے۔ پھر آپ نے ملک الموت سے فرمایا کہ مجھے جنت دکھاؤ، وہ آپ کو جنت میں لے گئے۔ آپ دروازوں کو کھلوا کر جنت میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد ملک الموت نے کہا کہ اب آپ اپنے مقام پر تشریف لے چلئے۔ آپ نے فرمایا کہ اب میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ تو موت کا مزہ میں چکھ ہی چکا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کہ ہر شخص کو جہنم پر گزرنا ہے تو میں گزر چکا۔ اب میں جنت میں پہنچ گیا اور جنت میں پہنچنے والوں کے لئے خداوندِ قدوس نے یہ فرمایا ہے کہ وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ کہ جنت میں داخل ہونے والے جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔ اب مجھے جنت سے چلنے کے لئے کیوں کہتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو وحی بھیجی کہ حضرت

ادریس علیہ السلام نے جو کچھ کیا میرے اذن سے کیا اور وہ میرے ہی اذن سے جنت میں داخل ہوئے۔ لہٰذا تم انہیں چھوڑ دو۔ وہ جنت ہی میں رہیں گے۔ چنانچہ حضرت ادریس علیہ السلام آسمانوں کے اوپر جنت میں ہیں اور زندہ ہیں۔

(خزائن العرفان، ص ٥٥٦۔٥٥٧، مریم:٥٦۔٥٨)

حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے اور ان کو ملنے والی نعمتوں کا مختصر اور اجمالی تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ مریم میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۟ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق (پ ١٦، مریم:٥٦۔٥٨)

ترجمہ کنزالایمان: اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بیشک وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا غیب کی خبریں بتانے والوں میں سے آدم کی اولاد سے۔

درسِ ہدایت: حضرت ادریس علیہ السلام کے واقعہ سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسولوں اور نبیوں پر کتنا بڑا فضل و کرم اور انعام و اکرام ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے واجب الایمان اور لازم العمل ہے کہ خداوند قدوس کے رسولوں اور نبیوں کی تعظیم و تکریم اور ان کا ادب و احترام رکھے اور ان کے ذکرِ جمیل سے خیر و برکت حاصل کرتا رہے۔ قرآن مجید کی مقدس آیتوں اور حدیثوں میں بار بار خدا کے ان برگزیدہ رسولوں اور نبیوں کا ذکرِ جمیل اس بات کی دلیل ہے کہ ان بزرگوں کا ذکرِ خیر اور تذکرہ موجبِ رحمت و باعث خیر و برکت ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۴۳﴾دریا کی موجوں سے ماں کی گود میں

فرعون کونجومیوں نے یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کی بربادی کا سبب ہوگا۔اس لئے فرعون نے اپنی فوجوں کو یہ حکم دے دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جولڑکا پیدا ہواس کوقتل کر دیا جائے اسی مصیبت و آفت کے دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے فرعون کے خوف سے ان کو ایک صندوق میں رکھ کر صندوق کو مضبوطی سے بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔دریا سے نکل کر ایک نہر فرعون کے محل کے نیچے بہتی تھی۔ یہ صندوق دریائے نیل سے بہتے ہوئے نہر میں چلا گیا۔اتفاق سے فرعون اور اس کی بیوی ''آسیہ'' دونوں محل میں بیٹھے ہوئے نہر کا نظارہ کررہے تھے۔جب ان دونوں نے صندوق کو دیکھا تو خدام کو حکم دیا کہ اس صندوق کو نکال کر محل میں لائیں۔جب صندوق کھولا گیا تو اس میں سے ایک نہایت خوبصورت بچہ نکلا جس کے چہرہ پر حسن و جمال کے ساتھ ساتھ انوارِ نبوت کی تجلیات چمک رہی تھیں۔فرعون اور آسیہ دونوں اس بچے کو دیکھ کر دل و جان سے اس پر قربان ہونے لگے اور آسیہ نے فرعون سے کہا کہ

قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ (پ ۲۰،القصص:۹)

ترجمہ کنزالایمان: یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے۔

اس پورے واقعہ کو قرآن مجید نے سورۂ طٰہٰ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ترجمہ یہ ہے:

''ترجمۂ کنزالایمان: جب ہم نے تیری ماں کو الہام کیا جو الہام کرنا تھا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے تو دریا اسے کنارے پر ڈالے کہ اسے وہ اٹھا لے جو میرا دشمن اور اس کا دشمن ہے۔میں نے تجھ پر اپنی طرف کی محبت ڈالی اور اس لئے کہ تو میری نگاہ کے سامنے

تیار ہو۔

چونکہ ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام شیر خوار بچے تھے۔اس لئے ان کو دودھ پلانے والی کسی عورت کی تلاش ہوئی مگر آپ کسی عورت کا دودھ پیتے ہی نہیں تھے۔ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بے حد پریشان تھیں کہ نامعلوم میرا بچہ کہاں اور کس حال میں ہوگا؟ پریشان ہو کر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ''مریم'' کو جستجوئے حال کے لئے فرعون کے محل میں بھیجا۔اور مریم نے جب یہ حال دیکھا کہ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ میں ایک عورت کو لاتی ہوں شاید کہ یہ اُس کا دودھ پینے لگیں۔ چنانچہ ''مریم'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فرعون کے محل میں لے کر گئیں اور انہوں نے جیسے ہی جوش محبت میں سینے سے چمٹا کر دودھ پلایا تو آپ دودھ پینے لگے۔اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اُن کا بچھڑا ہوا لال مل گیا۔اس واقعہ کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ قصص میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًاؕ-اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰) وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ٘-فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَۙ (۱۱) وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (۱۲) فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۠ (۱۳) (پ ۲۰،القصص:۱۰۔۱۳)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اس کے دل پر کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے اور (اس کی ماں نے) اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان

کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کردی تھیں تو بولی کیا میں تمہیں بتادوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچہ کو پال دیں اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کھائے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام **کی والدہ کا نام**:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''یوحانذ'' اور باپ کا نام ''عمران'' ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام ''مریم'' ہے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ وہ مریم نہیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ''مریم'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے سینکڑوں برس بعد کو ہوئی ہیں۔(صاوی، ج ۴، ص ۴۶، ۴۵)

درسِ ہدایت:۔{۱} اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو دشمن سے وہ کام کرالیتا ہے جو دوست بھی نہیں کرسکتے۔ دیکھ لیجئے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون ہی کے گھر میں ہوئی۔

{۲} یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی حفاظت فرماتا ہے تو کوئی بھی اُس کو نہ ضائع کرسکتا ہے نہ ضرر پہنچا سکتا ہے۔ غور کرو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح بہ حفاظت، صحت و سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پھر اُن کی ماں کی گود میں پہنچادیا۔(**واللہ تعالیٰ اعلم**)

﴿۴۴﴾ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے معاملہ میں پہلے تو اپنی قوم سے مناظرہ کر کے حق کو ظاہر کردیا۔ مگر لوگوں نے حق کو قبول نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ کل ہماری عید کا دن ہے اور ہمارا ایک بہت بڑا میلہ لگے گا، وہاں آپ چل کر دیکھیں کہ ہمارے دین میں کیا لطف اور کیسی بہار ہے۔

اس قوم کا یہ دستور تھا کہ سالانہ ان لوگوں کا ایک میلہ لگتا تھا۔ لوگ ایک جنگل میں جمع ہوتے

اور دن بھر لہو ولعب میں مشغول رہ کر شام کو بت خانہ میں جا کر بتوں کی پوجا کرتے اور بتوں کے چڑھاوے، مٹھائیوں اور کھانوں کو پرشاد کے طور پر کھاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کی دعوت پر تھوڑی دور تو میلہ کی طرف چلے لیکن پھر اپنی بیماری کا عذر کر کے واپس چلے آئے اور قوم کے لوگ میلہ میں چلے گئے۔ پھر جو میلہ میں نہیں گئے آپ نے اُن لوگوں سے صاف صاف کہہ دیا:

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

(پ۱۷، الانبیاء:۵۷)

ترجمۂ کنزالایمان:۔ اور مجھے اللہ کی قسم ہے میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر۔

چنانچہ اس کے بعد آپ ایک کلہاڑی لے کر بت خانہ میں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ اس میں چھوٹے بڑے بہت سے بت ہیں اور دروازہ کے سامنے ایک بہت بڑا بت ہے۔ ان جھوٹے معبودوں کو دیکھ کر توحیدِ الٰہی کے جذبہ سے آپ جلال میں آ گئے اور کلہاڑی سے مار مار کر بتوں کو چکنا چور کر ڈالا اور سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا اور کلہاڑی اُس کے کندھے پر رکھ کر آپ بت خانہ سے باہر چلے آئے۔ قوم کے لوگ جب میلہ سے واپس آ کر بت پوجنے اور پرشاد کھانے کے لئے بت خانہ میں گُھسے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُن کے دیوتا ٹوٹے پھوٹے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک دم سب بوکھلا گئے اور شور مچا کر چلانے لگے۔

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ (پ۱۷، الانبیاء:۵۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بیشک وہ ظالم ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو جس کا نام "ابراہیم" ہے اس کی زبان سے ان بتوں کو برا بھلا کہتے ہوئے سنا ہے۔ قوم نے کہا کہ اس جوان کو لوگوں کے سامنے لاؤ۔ شاید لوگ

گواہی دیں کہ اُس نے بتوں کو توڑا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلائے گئے۔ تو قوم کے لوگوں نے پوچھا کہ اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اس بڑے بت نے کیا ہوگا کیونکہ کلہاڑی اس کے کاندھے پر ہے۔ آخر تم لوگ اپنے ان ٹوٹے پھوٹے خداؤں ہی سے کیوں نہیں پوچھتے کہ کس نے تمہیں توڑا ہے؟ اگر یہ بت بول سکتے ہوں تو ان ہی سے پوچھ لو وہ خود بتا دیں کہ کس نے انہیں توڑا ہے۔ قوم نے سر جھکا کر کہا کہ اے ابراہیم! ہم ان خداؤں سے کیا اور کیسے پوچھیں؟ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جلال میں تڑپ کر فرمایا:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

(پ ۱۷، الانبیاء: ۶۶ـ۶۷)

ترجمہ کنزالایمان: کہا تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

آپ کی اس حق گوئی کا نعرہ سن کر قوم نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ شور مچایا اور چلا چلا کر بت پرستوں کو بلایا۔

حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۶۸﴾ (پ۱۷، الانبیاء: ۶۸)

ترجمہ کنزالایمان: ان کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔

چنانچہ ظالموں نے اتنا لمبا چوڑا آگ کا الاؤ جلایا کہ اس آگ کے شعلے اتنے بلند ہو رہے تھے کہ اس کے اوپر سے کوئی پرندہ بھی اُڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر آپ کو ننگے بدن کر کے ان ظلم و ستم کے مجسموں نے ایک گوپھن کے ذریعے اس آگ میں پھینک دیا اور اپنے اس خیال میں مگن تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جل کر راکھ ہو گئے ہوں گے، مگر احکم الحاکمین کا فرمان اس

آگ کے لئے یہ صادر ہوگیا کہ

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ (پ۱۷،الانبیاء:۶۹)

ترجمہ کنزالایمان: ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔

چنانچہ نتیجہ یہ ہوا جس کو قرآن نے اپنے قاہرانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾ (پ۱۷،الانبیاء:۷۰)

ترجمہ کنزالایمان: اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا۔

آگ بجھ گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ اور سلامت رہ کر نکل آئے اور ظالم لوگ کفِ افسوس مل کر رہ گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توکل: روایت ہے کہ جب نمرود نے اپنی ساری قوم کے روبرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا تو زمین و آسمان کی تمام مخلوقات چیخ مار مار کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگیں کہ خداوند! تیرے خلیل آگ میں ڈالے جارہے ہیں اور اُن کے سوا زمین میں کوئی اور انسان تیری توحید کا علمبردار اور تیرا پرستار نہیں، لہٰذا تو ہمیں اجازت دے کہ ہم ان کی امداد و نصرت کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم میرے خلیل ہیں اور میں اُن کا معبود ہوں تو اگر حضرت ابراہیم تم سبھوں سے فریاد کر کے مدد طلب کریں تو میری اجازت ہے کہ سب ان کی مدد کرو۔ اور اگر وہ میرے سوا کسی اور سے کوئی مدد طلب نہ کریں تو تم سب سن لو کہ میں ان کا دوست اور حامی و مددگار ہوں۔ لہٰذا تم اب اُن کا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ اس کے بعد آپ کے پاس پانی کا فرشتہ آیا اور کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں پانی برسا کر اس آگ کو بجھا دوں۔ پھر ہوا کا فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں زبردست آندھی چلا کر اس آگ کو اڑا دوں تو آپ نے ان دونوں فرشتوں

سے فرمایا کہ مجھے تم لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہی میرا بہترین کارساز ہے وہی جب چاہے گا اور جس طرح اس کی مرضی ہوگی میری مدد فرمائے گا۔

(صاوی، ج ٤، ص ١٣٠٧، پ ١٧، الانبیاء: ٦٨)

کون سی دعا پڑھکر آپ آگ میں گئے:۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب کافروں نے آپ کو آگ میں ڈالا تو آپ نے اُس وقت یہ دعا پڑھی لَا اِلٰـهَ اِلاَّ اَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لاَ شَرِيْكَ لَكَ اور جب آپ آگ کے شعلوں میں داخل ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ اے خلیل اللہ! کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم سے کوئی حاجت نہیں ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ پھر خدا ہی سے اپنی حاجت عرض کیجئے تو آپ نے جواب دیا کہ وہ میرے حال کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا مجھے اُس سے سوال کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف سولہ یا بیس برس کی تھی۔

آپ کتنی دیر تک آگ میں رہے؟:۔ اس بارے میں کہ آپ کتنی مدت تک آگ کے اندر رہے، تین اقوال ہیں۔

{۱} بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات دنوں تک آپ آگ کے شعلوں میں رہے۔

{۲} اور بعض نے یہ تحریر کیا ہے کہ چالیس دن رہے۔

{۳} اور بعض کہتے ہیں کہ پچاس دن تک آپ آگ میں رہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(صاوی، ج ٤، ص ١٣٠٧، پ ١٧، الانبیاء: ٦٨)

درسِ ہدایت:۔ اس واقعہ سے ان لوگوں کو تسلی ملتی ہے جو باطل کی طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹ جاتے ہیں۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

﴿۴۵﴾ حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان

حضرت ایوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ حسن صورت بھی اور مال و اولاد کی کثرت بھی، بے شمار مویشی اور کھیت و باغ وغیرہ کے آپ مالک تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش و امتحان میں ڈالا تو آپ کا مکان گر پڑا اور آپ کے تمام فرزندان اس کے نیچے دب کر مر گئے اور تمام جانور جس میں سینکڑوں اُونٹ اور ہزار ہا بکریاں تھیں، سب مر گئے۔ تمام کھیتیاں اور باغات بھی برباد ہو گئے۔ غرض آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا۔ آپ کو جب ان چیزوں کے ہلاک و برباد ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو آپ حمدِ الٰہی کرتے اور شکر بجالاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا کیا تھا اور کیا ہے جس کا تھا اس نے لے لیا۔ جب تک اس نے مجھے دے رکھا تھا میرے پاس تھا، جب اس نے چاہا لے لیا۔ میں ہر حال میں اس کی رضا پر راضی ہوں۔ اس کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے جسم مبارک پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ اس حال میں سب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا، بس فقط آپ کی بیوی جن کا نام ''رحمت بنت افرائیم'' تھا۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی پوتی تھیں، آپ کی خدمت کرتی تھیں۔ سالہا سال تک آپ کا یہی حال رہا، آپ آبلوں اور پھوڑوں کے زخموں سے بڑی تکلیفوں میں رہے۔

فائدہ:۔ عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ معاذ اللہ آپ کو کوڑھ کی بیماری ہو گئی تھی۔ چنانچہ بعض غیر معتبر کتابوں میں آپ کے کوڑھ کے بارے میں بہت سی غیر معتبر داستانیں بھی تحریر ہیں، مگر یاد رکھو کہ یہ سب باتیں سرتاپا بالکل غلط ہیں اور ہرگز ہرگز آپ یا کوئی نبی بھی کبھی کوڑھ اور جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا تمام ان بیماریوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے جو عوام کے نزدیک باعث نفرت و حقارت ہیں۔ کیونکہ

انبیاء علیہم السلام کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ تبلیغ و ہدایت کرتے رہیں تو ظاہر ہے کہ جب عوام ان کی بیماریوں سے نفرت کر کے ان سے دور بھاگیں گے تو بھلا تبلیغ کا فریضہ کیونکر ادا ہو سکے گا؟

الغرض حضرت ایوب علیہ السلام ہرگز کبھی کوڑھ اور جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ آپ کے بدن پر کچھ آبلے اور پھوڑے پھنسیاں نکل آئی تھیں جن سے آپ برسوں تکلیف اور مشقت جھیلتے رہے اور برابر صابر و شاکر رہے۔ پھر آپ نے بحکم الٰہی اپنے رب سے یوں دعا مانگی: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ (پ ۱۷، الانبیاء: ۸۳)

ترجمہ کنزالایمان: مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے۔

جب آپ خدا کی آزمائش میں پورے اترے اور امتحان میں کامیاب ہو گئے تو آپ کی دعا مقبول ہوئی اور ارحم الراحمین نے حکم فرمایا کہ اے ایوب علیہ السلام! اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ آپ نے زمین پر پاؤں مارا تو فوراً ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ حکمِ الٰہی ہوا کہ اس پانی سے غسل کرو، چنانچہ آپ نے غسل کیا تو آپ کے بدن کی تمام بیماریاں دور ہو گئیں۔ پھر آپ چالیس قدم دور چلے تو دوبارہ زمین پر قدم مارنے کا حکم ہوا اور آپ کے قدم مارتے ہی پھر ایک دوسرا چشمہ نمودار ہو گیا جس کا پانی بے حد ٹھنڈا، بہت شیریں اور نہایت لذیذ تھا۔ آپ نے وہ پانی پیا تو آپ کے باطن میں نور ہی نور پیدا ہو گیا۔ اور آپ کو اعلیٰ درجے کی صحت و نورانیت حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اولاد کو دوبارہ زندہ فرما دیا اور آپ کی بیوی کو دوبارہ جوانی بخشی اور ان کے کثیر اولاد ہوئی، پھر آپ کا تمام ہلاک شدہ مال و مویشی اور اسباب و سامان بھی آپ کو مل گیا بلکہ پہلے جس قدر مال و دولت کا خزانہ تھا اس سے کہیں زیادہ مل گیا۔

اس بیماری کی حالت میں ایک دن آپ نے اپنی بیوی صاحبہ کو پکارا تو وہ بہت دیر کر کے حاضر ہوئیں اس پر غصہ میں آ کر آپ نے ان کو سو دُرّے مارنے کی قسم کھالی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب علیہ السلام آپ ایک سینکوں کی جھاڑو سے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو مار دیجئے

اس طرح آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ (پ۲۳، ص:۴۲۔۴۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔ ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے برابر اور عطا فرما دیئے اپنی رحمت کرنے اور عقلمندوں کی نصیحت کو اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ بیشک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

الغرض حضرت ایوب علیہ السلام اس امتحان میں پورے پورے کامیاب ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نوازشوں اور عنایتوں سے ہر طرح سرفراز فرما دیا اور قرآن مجید میں ان کی مدح خوانی فرما کر "اَوَّابٌ" کے لاجواب خطاب سے ان کے سر مبارک پر سربلندی کا تاج رکھ دیا۔

درسِ ہدایت:۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعۂ امتحان میں یہ ہدایت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا بھی خدا کی طرف سے امتحان ہوا کرتا ہے اور جب وہ امتحان میں کامیاب اور آزمائش میں پورے اترتے ہیں تو خداوند قدوس ان کے مراتب و درجات میں اتنی اعلیٰ سربلندی عطا فرما دیتا ہے کہ کوئی انسان اس کو سوچ بھی نہیں سکتا اور اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ امتحان کی آزمائش کے وقت صبر کرنا اور خداوند عالم عزوجل کی رضا پر راضی رہنا اس کا پھل کتنا اچھا، کتنا میٹھا اور کس قدر لذیذ ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۴۶﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ایک چیونٹی

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ یہ اپنے مقدس باپ کے جانشین ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت اور سلطنت دونوں سعادتوں سے سرفراز فرما کر تمام روئے زمین کا بادشاہ بنادیا اور چالیس برس تک آپ تختِ سلطنت پر جلوہ گر رہے۔ جن و انسان و شیاطین اور چرندوں، پرندوں، درندوں سب پر آپ کی حکومت تھی سب کی زبانوں کا آپ کو علم عطا کیا گیا اور طرح طرح کی عجیب و غریب صنعتیں آپ کے زمانے میں بروئے کار آئیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ (پ۱۹، النمل:۱۶)

ترجمہ کنزالایمان: اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا بیشک یہی ظاہر فضل ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖؕ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍؕ (پ۲۲، سبا:۱۲،۱۳)

ترجمہ کنزالایمان: اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ اور ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں ہمارے

حکم سے پھرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام جن وانس وغیرہ اپنے تمام لشکروں کو لے کر طائف یا شام میں ''وادی نمل'' سے گزرے جہاں چیونٹیاں بکثرت تھیں تو چیونٹیوں کی ملکہ جو مادہ اور لنگڑی تھی اس نے تمام چیونٹیوں سے کہا کہ اے چیونٹیو! تم سب اپنے گھروں میں چلی جاؤ ورنہ حضرت سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں کچل ڈالے گا۔ چیونٹی کی اس تقریر کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کی دوری سے سن لیا اور مسکرا کر ہنس دیئے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (۱۸) فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (پ۱۹، النمل:۱۸،۱۹)

ترجمہ کنزالایمان: یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں تو اس کی بات سے مسکرا کر ہنسا۔

درس ہدایت: اس قرآنی واقعہ سے چند اسباق ہدایات معلوم ہوئے۔

{۱} چیونٹی کی آواز کو تین میل کی دوری سے سن لینا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بصارت وسماعت کو عام انسانوں کی بصارت وسماعت پر قیاس نہیں کر سکتے بلکہ حق یہ ہے کہ انبیاء کرام کا سننا اور دیکھنا اور دوسری طاقتیں عام انسانوں کی طاقتوں سے بڑھ چڑھ کر ہوا کرتی ہیں۔

{۲} چیونٹی کی تقریر سے معلوم ہوا کہ چیونٹیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ کسی نبی کے صحابی جان بوجھ

کر کسی پر ظلم نہیں کر سکتے کیونکہ چیونٹی نے "وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾" کہا یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج اگر چیونٹیوں کو کچل ڈالیں گے تو بے خبری کے عالم میں لاشعوری طور پر ایسا کریں گے۔ ورنہ جان بوجھ کر ایک نبی کے صحابی ہوتے ہوئے وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کریں گے۔ افسوس کہ چیونٹیاں تو یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ نبی کے صحابی جان بوجھ کر کسی پر ظلم نہیں کر سکتے۔ مگر رافضیوں کا گروہ ان چیونٹیوں سے بھی گیا گزرا ثابت ہوا کہ ان ظالموں نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ پر تہمت لگائی کہ ان بزرگوں نے جان بوجھ کر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اہل بیت پر ظلم کیا۔ (معاذ اللہ)

{۳} یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ہنسنا، تبسم اور مسکراہٹ ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ حضرات کبھی قہقہہ مار کر نہیں ہنستے۔

(خزائن العرفان، ص ۶۸۰، پ ۱۹، النمل: ۱۹)

لطیفہ:۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو نہایت ہی بلند پایہ عالم اور جامع العلوم علامہ تھے۔ بالخصوص علم حدیث اور تفسیر میں تو اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ کوفہ تشریف لائے تو ان کی زیارت کے لئے ایک عظیم الشان مجمع جمع ہو گیا۔ آپ نے تقریر فرماتے ہوئے حاضرین سے کئی بار یہ فرمایا کہ "سَلُوْا عَمَّا شِئْتُمْ" یعنی مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔ حاضرین پر آپ کی علمی جلالت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ سب لوگ دم بخود و ساکت و خاموش بیٹھے رہے مگر جب آپ نے بار بار للکارا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو ابھی بہت کم عمر تھے خود تو کمال ادب سے کچھ نہ بولے مگر آپ نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ حضرت قتادہ علیہ الرحمۃ سے یہ پوچھئے کہ وادئ نمل میں جس چیونٹی کی تقریر سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام مسکرا کر ہنس پڑے تھے۔ وہ چیونٹی نر تھی یا مادہ! چنانچہ جب لوگوں نے یہ سوال کیا تو

حضرت قتادہ علیہ الرحمۃ ایسے سٹپٹائے کہ بالکل لاجواب ہوکر خاموش ہو گئے پھر لوگوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''وہ چیونٹی مادہ تھی'' حضرت قتادہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس کا ثبوت؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس چیونٹی کیلئے **قَالَتْ نَمْلَةٌ** مونث کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ چیونٹی نر ہوتی تو ''قَالَ نَمْلٌ'' مذکر کا صیغہ ذکر کیا گیا ہوتا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس دلیل کو تسلیم کرلیا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دانائی اور قرآن فہمی پر حیران رہ گئے اور اپنے بڑے بول پر نادم ہوئے۔

﴿۴۷﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہُدہُد

یوں تو سبھی پرندے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مسخر اور تابع فرمان تھے لیکن آپ کا ہُدہُد آپ کی فرماں برداری اور خدمت گزاری میں بہت مشہور ہے۔ اسی ہُدہُد نے آپ کو ملک سبا کی ملکہ ''بلقیس'' کے بارے میں خبر دی تھی کہ وہ ایک بہت بڑے تخت پر بیٹھ کر سلطنت کرتی ہے اور بادشاہوں کے شایانِ شان جو بھی سر وسامان ہوتا ہے وہ سب کچھ اس کے پاس ہے مگر وہ اور اس کی قوم ستاروں کے پجاری ہیں۔ اس خبر کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے نام جو خط ارسال فرمایا، اس کو یہی ہُدہُد لے کر گیا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

''تم میرا یہ خط لے کر جاؤ۔ اور ان کے پاس یہ خط ڈال کر پھر ان سے الگ ہوکر تم دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔'' (پ ۱۹، النمل، ۲۸)

چنانچہ ہُدہُد خط لے کر گیا اور بلقیس کی گود میں اس خط کو اوپر سے گرا دیا۔ اس وقت اس نے اپنے گرد امراء اور ارکانِ سلطنت کا مجمع اکٹھا کیا پھر خط کو پڑھ کر لرزہ براندام ہوگئی اور اپنے اراکین سے یہ کہا کہ

ترجمہ کنزالایمان: ''اے سردارو! بے شک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو اور گردن رکھتے میرے حضور حاضر ہو۔ (پ ۱۹، النمل، ۲۹ تا ۳۱)

خط سنا کر بلقیس نے اپنی سلطنت کے امیروں اور وزیروں سے مشورہ کیا تو ان لوگوں نے اپنی طاقت اور جنگی مہارت کا اعلان و اظہار کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام سے جنگ کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت عقلمند بلقیس نے اپنے امیروں اور وزیروں کو سمجھایا کہ جنگ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے شہر ویران اور شہر کے عزت دار باشندے ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اس لئے میں یہ مناسب خیال کرتی ہوں کہ کچھ ہدایا وتحائف اُن کے پاس بھیج دوں اس سے امتحان ہو جائے گا کہ حضرت سلیمان صرف بادشاہ ہیں یا اللہ عزوجل کے نبی بھی ہیں۔ اگر وہ نبی ہوں گے تو ہرگز میرا ہدیہ قبول نہیں کریں گے بلکہ ہم لوگوں کو اپنے دین کے اتباع کا حکم دیں گے اور اگر وہ صرف بادشاہ ہوں گے تو میرا ہدیہ قبول کر کے نرم ہو جائیں گے۔ چنانچہ بلقیس نے پانچ سو غلام پانچ سو لونڈیاں بہترین لباس اور زیوروں سے آراستہ کر کے بھیجے اور ان لوگوں کے ساتھ پانچ سو سونے کی اینٹیں، اور بہت سے جواہرات اور مشک و عنبر اور ایک جڑاؤ تاج مع ایک خط کے اپنے قاصد کے ساتھ بھیجا۔ ہُد ہُد سب دیکھ کر روانہ ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں آ کر سب خبریں پہنچادیں۔ چنانچہ بلقیس کا قاصد جب چند دنوں کے بعد تمام سامانوں کو لے کر دربار میں حاضر ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر قاصد سے فرمایا:

قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (پ ۱۹، النمل: ۳۶، ۳۷)

ترجمہ کنزالایمان: فرمایا کیا مال سے میری مدد کرتے ہو تو جو مجھے اللہ نے دیا وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا بلکہ تمہیں اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو پلٹ جا ان کی طرف تو ضرور ہم ان پر وہ لشکر لائیں گے جن کی انہیں طاقت نہ ہو گی اور ضرور ہم ان کو اس شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے یوں کہ وہ پست ہوں گے۔

چنانچہ اس کے بعد جب قاصد نے واپس آکر بلقیس کو سارا ماجرا سنایا تو بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوگئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار اور یہاں کے عجائبات دیکھ کر اس کو یقین آ گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خدا عزوجل کے نبی برحق ہیں اور ان کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اپنے دین کی دعوت دی تو اُس نے نہایت ہی اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کر لیا پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کر کے اس کو اپنے محل میں رکھ لیا۔

اس سلسلے میں ہُدہُد نے جو کارنامے انجام دیئے وہ بلاشبہ عجائبات عالم میں سے ہیں۔ جو یقیناً حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ہیں۔

﴿۴۸﴾ تختِ بلقیس کس طرح آیا

ملکہ سبا ''بلقیس'' کا تختِ شاہی اَسّی گز لمبا اور چالیس گز چوڑا تھا، یہ سونے چاندی اور طرح طرح کے جواہرات اور موتیوں سے آراستہ تھا، جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے قاصد اور اُس کے ہدایا و تحائف کو ٹھکرا دیا اور اُس کو یہ حکم نامہ بھیجا کہ وہ مسلمان ہو کر میرے دربار میں حاضر ہو جائے تو آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ بلقیس کے یہاں آنے سے پہلے ہی اُس کا تخت میرے دربار میں آجائے چنانچہ آپ نے اپنے دربار میں درباریوں سے یہ فرمایا:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾ (پ ۱۹، النمل: ۳۸، ۳۹)

ترجمہ کنزالایمان: سلیمان نے فرمایا اے درباریو! تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں ایک بڑا خبیث جن بولا میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بیشک اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔

جنّ کا بیان سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس سے بھی جلد وہ تخت میرے دربار میں آجائے۔ یہ سن کر آپ کے وزیر حضرت ''آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسم اعظم جانتے تھے اور ایک باکرامت ولی تھے۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ (پ ۱۹، النمل: ۴۰)

ترجمہ کنزالایمان: اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے۔

چنانچہ حضرت آصف بن برخیا نے روحانی قوت سے بلقیس کے تخت کو ملک سبا سے بیت المقدس تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں کھینچ لیا اور وہ تخت زمین کے نیچے نیچے چل کر لمحہ بھر میں ایک دم حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے قریب نمودار ہو گیا۔ تخت کو دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کہا:

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ (پ ۱۹، النمل: ۴۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔یہ میرے رب کے فضل سے ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔

درسِ ہدایت:۔اس قرآنی واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو بڑی بڑی روحانی طاقت وقوت عطا فرماتا ہے۔ دیکھ لیجئے حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پلک جھپکنے بھر کی مدت میں تخت بلقیس کو ملک سبا سے دربار سلیمان میں حاضر کردیا۔ اور خود اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ اسی طرح بہت سے اولیاء کرام نے سینکڑوں میل کی دوری سے آدمیوں اور جانوروں کو لمحہ بھر میں بلا لیا ہے۔ یہ سب اولیاء کی اُس روحانی طاقت کا کرشمہ ہے جو خداوند قدوس اپنے ولیوں کو عطا فرماتا ہے اس لئے کبھی ہرگز اولیاء کرام کو اپنے جیسا نہ خیال کرنا اور نہ اُن کے اعضاء کی طاقتوں کو عام انسانوں کی طاقتوں پر قیاس کرنا۔ کہاں عوام اور کہاں اولیاء۔ اولیاء کرام کو اپنے جیسا سمجھ لینا یہ گمراہی کا سرچشمہ ہے۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں اسی مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد   کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
تمام دنیا اس وجہ سے گمراہ ہو گئی   کہ خدا کے اولیاء سے بہت کم لوگ آگاہ ہوئے

اولیاء را ھمچو خود پنداشتند   ھمسری با انبیاء برداشتند
لوگوں نے اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ لیا   اور انبیاء کے ساتھ برابری کر بیٹھے

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ   ھست فرقے درمیاں بے انتھا
ان لوگوں نے اپنے اندھے پن سے یہ نہیں جانا   کہ عوام اور اولیاء کے درمیان بے انتہا فرق ہے

بہرحال خلاصہ کلام یہ ہے کہ اولیاء کرام کو عام انسانوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ عقیدہ رکھ کر اولیاء کرام کی تعظیم وتکریم کرنی چاہئے کہ ان لوگوں پر خداوند کریم کا خاص فضل

عظیم ہے اور یہ لوگ بے پناہ روحانی طاقتوں کے بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہیں۔ یہ لوگ اللہ عزوجل کے حکم سے بڑی بڑی بلائیں اور مصیبتیں ٹال سکتے ہیں اور ان کی قبروں کا بھی ادب رکھنا لازم ہے کہ اولیاء کی قبروں پر فیوض و برکات خداوندی کی بارش ہوتی رہتی ہے اور جو عقیدت و محبت سے ان کی قبروں کی زیارت کرتا ہے وہ ضرور ان بزرگوں کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوا کرتا ہے۔ اس زمانے میں فرقہ وہابیہ اولیاء کرام کی بے ادبی کرتا رہتا ہے۔ میں اپنے سنی بھائیوں کو یہ نصیحت و وصیت کرتا ہوں کہ ان گمراہوں سے ہمیشہ دور رہیں۔ اور ان لوگوں کے ظاہری سادہ لباسوں اور وضو و نمازوں سے فریب نہ کھائیں کہ ان لوگوں کے دل بہت گندے ہیں اور یہ لوگ نورِ ایمان کی تجلیوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ (معاذاللّٰہ منھم)

﴿۴۹﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے مثل وفات

ملک شام میں جس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیمہ گاڑا گیا تھا۔ ٹھیک اُسی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔ مگر عمارت پوری ہونے سے قبل ہی حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کا وقت آن پہنچا۔ اور آپ نے اپنے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمارت کی تکمیل کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنّوں کی ایک جماعت کو اس کام پر لگایا اور عمارت کی تعمیر ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا اور عمارت مکمل نہ ہو سکی تو آپ نے یہ دعا مانگی کہ الٰہی میری موت جنوں کی جماعت پر ظاہر نہ ہونے پائے تاکہ وہ برابر عمارت کی تکمیل میں مصروف عمل رہیں اور ان سبھوں کو جو علم غیب کا دعویٰ ہے وہ بھی باطل ٹھہر جائے۔ یہ دعا مانگ کر آپ محراب میں داخل ہو گئے اور اپنی عادت کے مطابق اپنی لاٹھی ٹیک کر عبادت میں کھڑے ہو گئے۔ اور اسی حالت میں آپ کی وفات ہو گئی مگر جنّ مزدور یہ سمجھ کر کہ آپ زندہ کھڑے ہوئے ہیں برابر کام میں مصروف رہے اور عرصہ دراز تک آپ کا اسی حالت میں رہنا جنوں کے گروہ کے لئے کچھ باعث حیرت اس

لئے نہیں ہوا کہ وہ بار ہا دیکھ چکے تھے کہ آپ ایک ایک ماہ بلکہ کبھی کبھی دو دو ماہ برابر عبادت میں کھڑے رہا کرتے ہیں۔ غرض ایک سال تک وفات کے بعد آپ اپنی لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے یہاں تک کہ بحکمِ الٰہی دیمکوں نے آپ کے عصا کو کھالیا اور عصا کے گرجانے سے آپ کا جسمِ مبارک زمین پر آ گیا۔ اس وقت جنوں کی جماعت اور تمام انسانوں کو پتا چلا کہ آپ کی وفات ہوگئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿١٤﴾ (پ ۲۲، سبا: ۱۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم بھیجا جنوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آیا جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

درسِ ہدایت:۔ {۱} اس قرآنی واقعہ سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس بدن وفات کے بعد سڑتے گلتے نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ نے ابھی ابھی پڑھ لیا کہ ایک سال تک حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد عصا کے سہارے کھڑے رہے۔ اور اُن کے جسمِ مبارک میں کسی قسم کا کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ یہی حال تمام انبیاء علیہم السلام کا اُن کی قبروں میں ہے کہ ان کے بدن کو مٹی کھا نہیں سکتی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ

(سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته .....الخ، ج۲، ص۲۹۱، رقم ۱۶۳۷)

بے شک اللہ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے لہٰذا اللہ کے نبی زندہ ہیں اور ان کو روزی دی جاتی ہے۔

اور حاشیہ مشکوٰۃ میں تحریر ہے کہ ہر نبی کی یہی شان ہے کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کو روزی عطا فرماتا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام مختلف اوقات میں متعدد مقامات پر تشریف لے جائیں یہ جائز و درست ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعۃ، الفصل الثالث، ج۳، ص ٤٦٠ ، رقم ١٣٦٦)

اسی لئے اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی مقدس قبروں میں حیاتِ جسمانی کے لوازم کے ساتھ زندہ ہیں۔ وہابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ مرکر مٹی میں مل گئے۔ اسی لئے یہ گستاخ فرقہ انبیاء کرام کی قبروں کو مٹی کا ڈھیر کہہ کر ان مقدس قبروں کی توہین اور اُن کو منہدم کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ حد ہوگئی کہ عالمِ اسلام کی انتہائی بے چینی کے باوجود گنبدِ خضریٰ کو مسمار کر دینے کی اسکیمیں برابر حکومت سعودیہ میں بنتی رہتی ہیں مگر خداوند کریم کا یہ فضل عظیم ہے کہ اب تک وہ اس پلان کو بروئے کار نہیں لا سکے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اُن کا یہ شیطانی پلان پورا نہ ہو سکے گا! کیونکہ

جس کا حامی ہو خدا اُس کو گھٹا سکتا ہے کون
جس کا حافظ ہو خدا اُس کو مٹا سکتا ہے کون

{۲} حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر شریف ۵۳ سال کی ہوئی۔ ۱۳ برس کی عمر میں آپ کو بادشاہی ملی اور چالیس برس تک آپ تختِ سلطنت پر جلوہ گر رہے آپ کا مزار اقدس بیت المقدس میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۵۰﴾ قارون کا انجام

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا ''یصہر'' کا بیٹا تھا۔ بہت ہی شکیل اور خوبصورت

آدمی تھا۔اسی لئے لوگ اُس کے حسن و جمال سے متاثر ہوکر اُس کو''منور'' کہا کرتے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ اُس میں یہ کمال بھی تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں ''توراۃ'' کا بہت بڑا عالم، اور بہت ہی ملنسار و با اخلاق انسان تھا۔اورلوگ اُس کا بہت ہی ادب واحترام کرتے تھے۔

لیکن بے شمار دولت اُس کے ہاتھ میں آتے ہی اُس کے حالات میں ایک دم تغیر پیدا ہوگیااور سامری کی طرح منافق ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا دشمن ہوگیااور اعلیٰ درجے کا متکبر اور مغرور ہوگیا۔جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روبرو یہ عہد کیا کہ وہ اپنے تمام مالوں میں سے ہزارہواں حصہ زکوٰۃ نکالے گا مگر جب اُس نے مالوں کا حساب لگایا تو ایک بہت بڑی رقم زکوٰۃ کی نکلی۔ یہ دیکھ کراس پر ایک دم حرص وبخل کا بھوت سوار ہوگیا اور نہ صرف زکوٰۃ کا منکر ہوگیا بلکہ عام طور پر بنی اسرائیل کو بہکانے لگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بہانے تمہارے مالوں کو لے لینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے اُس خبیث نے یہ گندی اور گھناؤنی چال چلی کہ ایک عورت کو بہت زیادہ مال و دولت دے کر آمادہ کرلیا کہ وہ آپ پر بدکاری کا الزام لگائے۔ چنانچہ عین اُس وقت جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے۔ قارون نے آپ کو ٹوکا کہ فلانی عورت سے آپ نے بدکاری کی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس عورت کو میرے سامنے لاؤ۔ چنانچہ وہ عورت بلائی گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عورت! اُس اللہ کی قسم! جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ دیا۔اور عافیت وسلامتی کے ساتھ دریا کے پار کرا کر فرعون سے نجات دی۔ سچ سچ کہہ دے کہ واقعہ کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال سے عورت سہم کر کانپنے لگی اور اس نے مجمع عام میں صاف صاف کہہ دیا کہ اے اللہ عزوجل کے نبی! مجھ کو قارون نے کثیر دولت دے کر آپ

پر بہتان لگانے کے لئے آمادہ کیا ہے۔ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام آبدیدہ ہو کر سجدہ شکر میں گر پڑے اور بحالتِ سجدہ آپ نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! قارون پر اپنا قہر و غضب نازل فرما دے۔ پھر آپ نے مجمع سے فرمایا کہ جو قارون کا ساتھی ہو وہ قارون کے ساتھ ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھی ہو وہ قارون سے جدا ہو جائے۔ چنانچہ دو خبیثوں کے سوا تمام بنی اسرائیل قارون سے الگ ہو گئے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین! تو اس کو پکڑ لے تو قارون ایک دم گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا پھر آپ نے دوبارہ زمین سے یہی فرمایا تو وہ کمر تک زمین میں دھنس گیا۔ یہ دیکھ کر قارون رونے اور بلبلانے لگا اور قرابت و رشتہ داری کا واسطہ دینے لگا مگر آپ نے کوئی التفات نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل زمین میں دھنس گیا۔ دو منحوس آدمی جو قارون کے ساتھی ہوئے تھے، لوگوں سے کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو اس لئے دھنسا دیا ہے تا کہ قارون کے مکان اور اُس کے خزانوں پر خود قبضہ کر لیں۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ قارون کا مکان اور خزانہ بھی زمین میں دھنس جائے۔ چنانچہ قارون کا مکان جو سونے کا تھا اور اس کا سارا خزانہ، سبھی زمین میں دھنس گیا۔

(صاوی، ج٤، ص١٥٤٦۔١٥٤٧، پ ٢٠، القصص: ٨١)

قارون کا خزانہ:۔ اس کو قرآن کی زبان سے سنئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے قارون کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُن خزانوں کی کنجیاں ایک مضبوط اور طاقت ور جماعت بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ (پ ٢٠، القصص: ٧٦)

ترجمہ کنزالایمان:۔ بیشک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم

نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زورآور جماعت پر بھاری تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو جو نصیحت فرمائی وہ یہ ہے کہ جس کو قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے۔ اسی خیر خواہی والی نصیحت کو سن کر قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہو گیا۔ غور کیجئے کہ کتنی مخلصانہ اور کس قدر پیاری نصیحت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ساری قوم قارون کو سناتی رہی کہ:

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَ ابْتَغِ فِیْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ (پ ۲۰، القصص: ۷۶، ۷۷)

ترجمہ کنزالایمان:۔ جب اس سے اس کی قوم نے کہا اترا نہیں بیشک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ چاہ۔

قارون نے اپنے مال کے گھمنڈ میں اس مخلصانہ نصیحت کو ٹھکرا دیا اور خوب بن سنور کر تکبر اور غرور سے اتراتا ہوا قوم کے سامنے آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدگوئی اور ایذاء رسانی کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کو قرآن کی زبان سے سنئے اور خدا کی اس قاہرانہ گرفت پر خوفِ الٰہی سے تھرّاتے رہیے۔ **اللہ اکبر.**

قارون زمین میں دھنس گیا: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ (پ ۲۰، القصص: ۸۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ سے بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔

درسِ ہدایت:۔ یہ عبرتناک واقعہ ہمیں یہ درسِ ہدایت دیتا ہے کہ اگراللہ تعالیٰ مال ودولت عطا فرمائے تو اس فرض کو لازم جانے کہ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور ہرگز ہرگز اپنے مال و دولت پر غرور اور گھمنڈ کر کے نہ اترائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دولت دیتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے پل بھر میں دولت چھین بھی لیتا ہے۔ ہر وقت اس کا دھیان رکھتے ہوئے تواضع اور انکساری کی عادت رکھے اور ہرگز ہرگز کبھی انبیاء و اولیاء و صالحین کی ایذاء رسانی و بدگوئی نہ کرے کہ ان مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی دعا اور بددعا سے وہ ہوجایا کرتا ہے جس کا لوگ تصور اور خیال بھی نہیں کر سکتے۔**واللہ تعالیٰ اعلم.**

جنت میں بھی علماء کی حاجت ہوگی

مدینے کے سلطان، رحمت عالمیان، سرورِ ذیشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم کا فرمان پر نور ہے: جنتی جنت میں علماء کرام کے محتاج ہوں گے، اس لئے کہ وہ ہر جمعہ کو اللہ عزوجل کے دیدار سے مشرف ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: " تمنوا علی ما شئتم " یعنی مجھ سے مانگو، جو چاہو۔ وہ جنتی علماء کرام کی طرف متوجہ ہوں گے کہ اپنے ربّ کریم عزوجل سے کیا مانگیں؟ وہ فرمائیں گے: یہ مانگو، وہ مانگو، جیسے وہ لوگ دنیا میں علماء کرام کے محتاج تھے، جنت میں بھی ان کے محتاج ہوں گے۔(الفردوس بمأثور الخطاب، ج ۱، ۲۳۰ ،الحدیث ۸۸۰، الجامع الصغیر للسیوطی، ص ۱۳۵، حدیث ۲۲۳۵) (فیضان سنت، ج۱، ص ۱۱۷۲)

﴿۵۱﴾رومی مغلوب ہو کر پھر غالب ہوں گے

فارس اور روم کی دونوں سلطنتوں میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور چونکہ اہل فارس مجوسی تھے۔ اس لئے عرب کے مشرکین اُن کا غلبہ پسند کرتے تھے اور رومی چونکہ اہل کتاب تھے اس لئے مسلمانوں کو ان کا فتح یاب ہونا اچھا لگتا تھا۔ خسرو پرویز بادشاہِ فارس اور قیصر روم دونوں بادشاہوں کی فوجیں سرزمینِ شام کے قریب معرکہ آرا ہوئیں اور گھمسان کی جنگ کے بعد اہل فارس غالب ہوئے۔ مسلمانوں کو یہ خبر بڑی گراں گزری اور کفارِ مکہ اس خبر سے مسرور ہو کر مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم بھی اہل کتاب اور رومی نصاریٰ بھی اہل کتاب، اور اہلِ فارس بھی آتش پرست اور ہم بھی بت پرست، ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب ہو گئے۔ اگر ہماری تمہاری جنگ ہوئی تو اسی طرح ہم بھی تم پر غالب ہوں گے۔ اس موقع پر قرآنِ مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں غیب کی خبر دی گئی ہے:

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ﴿۲﴾ فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ۬ (پ ۲۱، الروم: ۱۔۴)

ترجمہ کنزالایمان: رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برس میں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان آیات کو سن کر کفارِ مکہ میں یہ اعلان کرادیا کہ خدا کی قسم رومی اہل فارس پر غلبہ پاجائیں گے۔ لہٰذا اے اہل مکہ! تم اس وقت کے نتیجۂ جنگ سے خوشی نہ مناؤ۔ چونکہ بظاہر رومیوں کے فتح یاب ہونے کے اسباب دور دور تک نظر نہ آتے تھے اس لئے ''ابی بن خلف'' آپ کے بالمقابل کھڑا ہو گیا اور آپ کے اور اُس کے درمیان سو سو اونٹ کی شرط لگ گئی کہ اگر نو سال کے اندر رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سو اونٹ دیں گے اور اگر رومی غالب آ جائیں تو ابی بن خلف ایک سو اونٹ دے گا۔ اُس وقت تک جوا اسلام میں حرام نہیں ہوا تھا۔ خدا کی شان کہ سات ہی برس میں قرآن کی اس غیبی خبر کی صداقت کا ظہور ہو گیا اور خالص صلح حدیبیہ کے دن ۶ ھ میں رومی اہل فارس پر غالب ہو گئے اور رومیوں نے ''مدائن'' میں گھوڑے باندھے اور عراق میں ''رومیہ'' نامی شہر بسایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرط کے سو اونٹ ابی بن خلف کی اولاد سے وصول کر لئے کیونکہ وہ اس درمیان میں مر چکا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ شرط کے اونٹوں کو جو انہوں نے ابی بن خلف کی اولاد سے وصول کئے ہیں سب صدقہ کر دیں! اور اپنی ذات پر کچھ بھی صرف نہ کریں۔ (مدارك التنزيل، ج٣، ص٤٥٨، پ٢١، الروم: ٣)

درسِ ہدایت:۔ فارس و روم کی جنگ میں رومی اس درجہ شکست کھا چکے تھے کہ ان کی عسکری طاقت ہی فنا ہو گئی تھی اور بظاہر اُن کے فتح یاب ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ مگر سات ہی برس میں رومیوں کو ایسی فتح حاصل ہو گئی کہ کوئی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غیبی خبر آپ کی صحتِ نبوت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی روشن دلیل ہے۔ سبحان اللہ! سچ ہے۔

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی ‏ ‏ ‏ ‏ خدا کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

﴿۵۲﴾ غزوۂ احزاب کی آندھی

''غزوۂ احزاب'' ۴ ھ یا ۵ ھ میں پیش آیا۔ اس جنگ کا دوسرا نام ''غزوۂ خندق'' بھی ہے۔ جب ''بنو نضیر'' کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا گیا تو یہودیوں کے سرداروں نے مکہ جا کر کفار مکہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب دلائی اور وعدہ کیا کہ ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ ان یہودیوں نے کثیر تعداد میں ہتھیار اور رقم دے کر کفار مکہ کو مدینہ پر

حملہ کرنے پر ابھار دیا۔اور ابوسفیان نے مشرکین و یہودیوں کے بہت سے قبائل کو جمع کر کے ایک عظیم فوج کے ساتھ مدینہ پر دھاوا بول کر حملہ کردیا۔ مکہ سے قبیلہ ''خزاعہ'' کے چندلوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ان تیاریوں کی اطلاع دے دی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کے گرد ایک خندق کھدوانی شروع کردی۔ اس خندق کو کھودنے میں مسلمانوں کے ساتھ خود رحمت ِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کام کیا۔ مسلمان خندق کھود کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ مشرکین ایک لشکرِ جرار لے کر ٹوٹ پڑے اور مدینہ طیبہ پر بلہ بول دیا۔ اور تین طرف سے کافروں کا لشکر اس زور وشور کے ساتھ امنڈ پڑا کہ شہر مدینہ کی فضاؤں میں ہر طرف گرد وغبار کا طوفان اٹھ گیا۔ اس خوفناک چڑھائی اور لشکرِ کفار کی معرکہ آرائی کا نقشہ قرآن کی زبان سے سنیئے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ﴿۱۱﴾ (پ ۲۱،الاحزاب: ۱۰۔۱۱)

ترجمہ کنزالایمان: جب کافر تم پر آئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آ گئے اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے (امید و یاس کے) وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔

اس لڑائی میں منافقین جو مسلمانوں کے دوش بدوش کھڑے تھے وہ کفار کے ان لشکروں کو دیکھتے ہی بزدل ہو کر پھسل گئے اور ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ اور وہ جنگ سے جان چرا کر اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھے رہنے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ لیکن اسلام کے سچے جاں نثار مہاجرین و انصار اس طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ گئے کہ کوہ سلع اور کوہ احد کی پہاڑیاں سر اٹھا اٹھا کر ان مجاہدین کی اولوالعزمیوں اور جاں نثاریوں کو حیرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں۔ ان

فدا کاروں کی ایمانی جراءت و اسلامی شجاعت کی تصویر صفحات قرآن پر بصورت تحریر دیکھئے خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ؕ﴿۲۲﴾

(پ ۲۱، الاحزاب: ۲۲)

ترجمہ کنزالایمان: اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے بولے یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا۔

کفار نے جب مدینہ کے گرد خندق کو حائل دیکھا تو حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو ایسی تدبیر ہے کہ جس سے عرب کے لوگ اب تک ناواقف تھے۔ بہر حال کافروں نے خندق کے کنارے سے مسلمانوں پر تیر اندازی اور سنگباری شروع کر دی۔ کہیں کہیں سے کافروں نے خندق کو پار بھی کر لیا اور جم کر لڑائی بھی ہوئی۔ مسلمان کافروں کے اس محاصرہ سے گو پریشان تھے۔ مگر ان کے عزم و استقلال میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔ وہ اپنے اپنے مورچوں پر جم کر دفاعی جنگ لڑتے رہے۔ اچانک ایک دم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس طرح مدد فرمائی کہ ناگہاں مشرق کی جانب سے ایک ایسی طوفان خیز اور ہلاکت انگیز شدید آندھی آئی جو قہرِ قہار و غضبِ جبار بن کر لشکر کفار پر خدا کی مار بن گئی۔ دیگیں چولھوں سے الٹ پلٹ ہو کر ادھر اُدھر لڑھک گئیں۔ خیمے اکھڑ اکھڑ کر اُڑ گئے اور ہر طرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اور شدید سردی کی لہروں نے کافروں کو جھنجھوڑ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی فوج بھیج دی جن کے رعب و دبدبہ سے کفار کے دل لرز گئے۔ اور اُن پر ایسی دہشت و وحشت سوار ہو گئی کہ انہیں راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہا۔ چنانچہ لشکرِ کفار کے سپہ سالار ابوسفیان نے ہانپتے

کانپتے ہوئے اپنے لشکر میں اعلان کر دیا کہ راشن ختم ہو چکا اور موسم نہایت خراب ہے اور یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ لہٰذا اب مدینہ کا محاصرہ بیکار ہے۔ یہ کہہ کر کوچ کا نقارہ بجا دیا اور بہت سا سامان چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور دوسرے قبائل بھی تتر بتر ہو کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور پندرہ یا چوبیس روز کے بعد مدینہ کا مطلع کفار کے گرد و غبار سے صاف ہو گیا۔

(مدارج النبوت (فارسی) ج ۲، ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، بحث غزوۂ خندق)

غزوۂ احزاب کی یہی وہ آندھی ہے جس کا ذکر خداوندِ قدوس نے قرآن میں اس طرح فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ (پ ۲۱، الاحزاب: ۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے۔

درسِ ہدایت:۔ اس واقعہ سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ جب کفار کا مقابلہ جنگ میں ہو تو مسلمانوں کو کسی حال میں بھی ہرگز ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے اور یہ یقین رکھ کر مقابلہ پر ڈٹے رہنا چاہیے کہ ضرور ضرور نصرت خداوندی اور امداد غیبی مسلمانوں کی مدد کرے گی بس شرط یہ ہے کہ اخلاص نیت کے ساتھ مسلمان ثابت قدم رہیں اور صبر و استقلال کے ساتھ میدانِ جنگ میں ڈٹے رہیں۔ چنانچہ جنگ بدر و جنگ اُحد و جنگ احزاب وغیرہ کفر و اسلام کی لڑائیوں میں یہ منظر نظر آیا کہ انتہائی مشکل حالات میں بھی جب مسلمان ثابت قدم رہے تو غیب سے نصرتِ خداوندی عزوجل اور امداد غیبی نے اس طرح جلوہ دکھایا کہ دم زدن میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہو گئی اور کفار باوجود اپنی کثرت و شوکت کے شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ (واللہ تعالٰی اعلم)

﴿۵۳﴾ قوم سبا کا سیلاب

''سبا'' عرب کا ایک قبیلہ ہے جو اپنے مورث اعلیٰ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کے نام سے مشہور ہے اس قوم کی بستی یمن میں شہر ''صنعاء'' سے چھ میل کی دوری پر واقع تھی۔ اس آبادی کی آب وہوا اور زمین اتنی صاف اور اس قدر لطیف و پاکیزہ تھی کہ اس میں مچھر نہ مکھی نہ پسو نہ کھٹمل نہ سانپ نہ بچھو۔ موسم نہایت معتدل نہ گرمی نہ سردی۔ یہاں کے باغات میں کثیر پھل آتے تھے۔ کہ جب کوئی شخص سر پر ٹوکرا لئے گزرتا تو بغیر ہاتھ لگائے قسم قسم کے پھلوں سے اس کا ٹوکرا بھر جاتا تھا۔ غرض یہ قوم بڑی فارغ البالی اور خوشحالی میں امن وسکون اور آرام و چین سے زندگی بسر کرتی تھی مگر نعمتوں کی کثرت اور خوشحالی نے اس قوم کو سرکش بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہدایت کے لئے یکے بعد دیگرے تیرہ نبیوں کو بھیجا جو اس قوم کو خدا کی نعمتیں یاد دلا دلا کر عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہے۔ مگر ان سرکشوں نے خدا کے مقدس نبیوں کو جھٹلا دیا اور اس قوم کا سردار جس کا نام ''حماد'' تھا وہ اتنا متکبر اور سرکش آدمی تھا کہ جب اُس کا لڑکا مر گیا تو اس نے آسمان کی طرف تھوکا اور اپنے کفر کا اعلان کر دیا۔ اور اعلانیہ لوگوں کو کفر کی دعوت دینے لگا اور جو کفر کرنے سے انکار کرتا، اُس کو قتل کر دیتا تھا اور خدا عزوجل کے نبیوں سے نہایت ہی بے ادبی اور گستاخی کے ساتھ کہتا تھا کہ آپ لوگ اللہ عزوجل سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نعمتوں کو ہم سے چھین لے۔ جب حماد اور اس کی قوم کا طغیان و عصیان بہت زیادہ بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر سیلاب کا عذاب بھیجا۔ جس سے ان لوگوں کے باغات اور اموال و مکانات سب غرق ہو کر فنا ہو گئے اور پوری بستی ریت کے تودوں میں دفن ہو گئی اور اس طرح یہ قوم تباہ و برباد ہو گئی کہ ان کی بربادی ملک عرب میں ضرب المثل بن گئی۔ عمدہ اور لذیذ پھلوں کے باغات کی جگہ جھاؤ اور جنگلی بیروں کے خاردار اور خوفناک جنگل اُگ گئے اور یہ قوم عمدہ اور لذیذ پھلوں کے لئے ترس گئی۔

سیلاب کس طرح آیا:۔ قوم سبا کی بستی کے کنارے پہاڑوں کے دامن میں بند باندھ کر ملکہ بلقیس نے تین بڑے بڑے تالاب نیچے اوپر بنا دیئے تھے۔ایک چوہے نے خدا عزوجل کے حکم سے بند کی دیوار میں سوراخ کردیا اور وہ بڑھتے بڑھتے بہت بڑا شگاف بن گیا یہاں تک کہ بند کی دیوار ٹوٹ گئی اور ناگہاں زوردار سیلاب آ گیا۔بستی والے اس سوراخ اور شگاف سے غافل تھے اور اپنے گھروں میں چین کی بانسری بجارہے تھے کہ اچانک سیلاب کے دھاروں نے ان کی بستی کو غارت کرڈالا۔اور ہر طرف بربادی اور ویرانی کا دور دورہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کے اس ہلاکت آفریں سیلاب کا تذکرہ فرماتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ (پ ۲۲، سبا:۱۵۔۱۷)

ترجمہ کنزالایمان:۔بیشک سبا کے لئے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ دہنے اور بائیں اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو پاکیزہ شہر اور بخشنے والا رب تو انہوں نے منہ پھیرا تو ہم نے ان پر زور کا اہلا (سیلاب) بھیجا اور ان کے باغوں کے عوض دو باغ انہیں بدل دیئے جن میں بکٹا (بدمزہ) میوہ اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں ہم نے انہیں یہ بدلہ دیا ان کی ناشکری کی سزا اور ہم کسے سزا دیتے ہیں اسی کو جو ناشکرا ہے۔

درسِ ہدایت:۔ قوم سبا کی یہ ہلاکت و بربادی اُن کی سرکشی اور خدا عزوجل کی نعمتوں کی ناشکری کے سبب سے ہوئی۔اُن کی بداعمالیاں اور خدا عزوجل کے نبیوں کے ساتھ بے ادبیاں اور گستاخیاں جب بہت بڑھ گئیں تو خداوند قہار و جبار کا قہر و غضب عذاب بن کر سیلاب کی

صورت میں آ گیا اور اُن کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ سچ ہے نیکی کا اثر آبادی اور بدی کا اثر بربادی ہے۔ لہٰذا ہر نعمت پانے والی قوم کو لازم ہے کہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور سرکشی و گناہ سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کرے، ورنہ خطرہ ہے کہ عذابِ الٰہی نہ اتر پڑے کیونکہ جو قوم سرکشی اور بداعمالی کو اپنا طریقہ کار بنالیتی ہے، اس کا لازمی اثر یہی ہوتا ہے کہ وہ قوم عذابِ الٰہی کی مار سے برباد اور اس کی آبادیاں تہس نہس ہو کر ویرانہ بن جاتی ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

﴿۵۴﴾ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے تین مبلغین

''انطاکیہ'' ملک شام کا ایک بہترین شہر تھا۔ جن کی فصیلیں سنگین دیواروں سے بنی ہوئی تھیں اور پورا شہر پانچ پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور شہر کی آبادی کا رقبہ بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں میں سے دو مبلغوں کو تبلیغ دین کے لئے اس شہر میں بھیجا۔ ایک کا نام ''صادق'' اور دوسرے کا نام ''مصدوق'' تھا۔ جب یہ دونوں شہر میں پہنچے تو ایک بوڑھے چرواہے سے ان دونوں کی ملاقات ہوئی جس کا نام ''حبیب نجار'' تھا۔ سلام کے بعد حبیب نجار نے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور مقصد کیا ہے؟ تو ان دونوں صاحبان نے کہا کہ ہم دونوں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بھیجے ہوئے مبلغین ہیں اور اس بستی والوں کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دینے آئے ہیں تو حبیب نجار نے کہا کہ آپ لوگوں کے پاس اس کی کوئی نشانی بھی ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ جی ہاں ہم لوگ مریضوں اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو خدا عزوجل کے حکم سے شفا دیتے ہیں۔ یہ ان دونوں کی کرامت اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ یہ سن کر حبیب نجار نے کہا کہ میرا ایک لڑکا مدتوں سے بیمار ہے۔ کیا آپ لوگ اس کو تندرست کر دیں گے؟ ان دونوں نے کہا کہ جی ہاں! اس کو ہمارے پاس لاؤ۔ چنانچہ ان دونوں نے اس مریض لڑکے پر اپنا ہاتھ پھیر دیا اور وہ فوراً ہی تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور بہت سے مریض جمع ہو گئے اور سب

شفایاب بھی ہو گئے۔

اس شہر کا بادشاہ ''انطیخا'' نامی ایک بت پرست تھا وہ ان دونوں کی زبان سے توحید کی دعوت سن کر مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گیا۔ اور اُس نے دونوں مبلغوں کو گرفتار کر کے سو سو درے لگا کر جیل خانہ میں قید کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے سردار حضرت ''شمعون'' رضی اللہ عنہ کو انطاکیہ بھیجا۔ آپ کسی طرح بادشاہ کے دربار میں پہنچ گئے اور بادشاہ سے کہا کہ آپ نے ہمارے دو آدمیوں کو کوڑے لگا کر جیل خانہ میں قید کر دیا ہے۔ کم سے کم آپ ان دونوں کی پوری بات تو سن لیتے۔ بادشاہ نے ان دونوں کو جیل خانہ سے بلوا کر گفتگو شروع کی تو ان دونوں نے کہا کہ ہم یہی کہنے کے لئے یہاں آئے ہیں کہ تم لوگ ان بتوں کی عبادت کو چھوڑ کر خدائے وحدہٗ کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تمہارے بتوں کو بھی پیدا کیا ہے۔ جب بادشاہ نے ان دونوں سے کوئی نشانی طلب کی تو ان دونوں صاحبوں نے ایک ایسے مادر زاد اندھے کو جس کے سر میں آنکھیں تھیں ہی نہیں، ہاتھ پھیر دیا تو اس کی پیشانی میں آنکھوں کے دو سوراخ بن گئے۔ پھر ان دونوں صاحبان نے مٹی کے دو غلولے بنا کر ان سوراخوں میں رکھ کر دعا کر دی تو یہ دونوں غلولے آنکھیں بن کر روشن ہو گئے اور مادر زاد اندھا انکھیارا بن گیا۔ حضرت شمعون نے فرمایا کہ اے بادشاہ! کیا تمہارے بتوں میں بھی یہ قدرت ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ نہیں تو حضرت شمعون نے فرمایا کہ پھر تم اُس کی عبادت کیوں نہیں کرتے جو ایسی قدرت والا ہے کہ اندھوں کو آنکھیں عطا فرما دیتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ کیا تمہارا خدا مردوں کو زندہ کر سکتا ہے؟ اگر وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے تو ایک مردے کو زندہ کر دے جو میرے ایک دہقان کا لڑکا ہے اور وہ کئی روز سے مرا پڑا ہے۔ اور میں نے اُس کے باپ کے انتظار میں ابھی تک اس کو دفن نہیں کیا ہے۔ بادشاہ ان تینوں صاحبان کو لے کر لڑکے کی لاش کے پاس گیا اور ان تینوں صاحبان نے دعا مانگی تو خدا کے حکم سے وہ مردہ زندہ

ہو گیا۔ اور بلند آواز سے کہا کہ میں بت پرست تھا تو میں مرنے کے بعد جہنم کی وادیوں میں داخل کیا گیا۔ لہٰذا میں تم لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے ہوئے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں اور تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ کر ان تینوں مبلغین کی بات مان کر ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ یہ تینوں صاحبان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور اُن کے فرستادہ ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر اور مردہ کی تقریر سن کر سب کے سب حیران رہ گئے۔ اتنے میں حبیب نجار بھی دوڑتے ہوئے پہنچ گئے اور انہوں نے بھی بادشاہ اور سارے شہر والوں کو مبلغین کی تصدیق کے لئے پرزور تقریر کر کے آمادہ کرلیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ اور اُس کے تمام درباریوں نے ایمان کی دعوت کو قبول کرلیا اور سب صاحبِ ایمان ہو گئے مگر چند منحوس لوگ جو بتوں کی محبت میں عقل و ہوش کھو چکے تھے وہ ایمان نہیں لائے بلکہ حبیب نجار کو قتل کر دیا تو ان مردودوں پر عذاب آیا اور عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دیئے گئے۔

(تفسیر صاوی، ج۵، ص ۱۷۰۸۔۱۷۱۰، پ۲۲، یٰسٓ:۱۳)

اس واقعہ کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ﴿۱۳﴾ اِذْ
اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ
مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ
شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ
لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ
لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا
طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ

اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ (پ ۲۲، یٰسٓ: ۱۳۔ ۲۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور ان سے مثال بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے (رسول) آئے جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے پھر انہوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے تیسرے سے زور دیا اب ان سب نے کہا کہ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرے جھوٹے ہو وہ بولے ہمارا رب جانتا ہے کہ بیشک ضرور ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا بولے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں بیشک تم اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور بیشک ہمارے ہاتھوں تم پر دکھ کی مار پڑے گی۔ انہوں نے فرمایا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس پر بدکتے ہو کہ تم سمجھائے گئے بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک مرد دوڑتا آیا بولا اے میری قوم! بھیجے ہوؤں کی پیروی کرو ایسوں کی پیروی کرو جو تم سے کچھ نیگ (اجر) نہیں مانگتے اور وہ راہ پر ہیں۔

درسِ ہدایت:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تینوں مبلغین یعنی صادق و مصدوق اور شمعون کی سرگزشت اور تبلیغ دین کی راہ میں ان حضرات کی دشواریاں اور قید و بند کے مصائب اور ہوش رُبا دھمکیوں کو دیکھ کر یہ سبق ملتا ہے کہ تبلیغ دین کرنے والوں کو بڑی بڑی مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر جب آدمی اس راہ میں مستقل مزاج بن کر ثابت قدم رہتا ہے اور صبر و تحمل کے ساتھ اس دینی کام میں ڈٹا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اُس کی کامیابی کا سامان پیدا فرما دیتا ہے وہ مُقَلِّبُ الْقُلُوْب اور ہادی ہے وہ ایک لمحہ میں منکرین کے دلوں کو بدل دیتا ہے اور دلوں کی گمراہی دور فرما کر ہدایت کا نور بخش دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۵۵﴾ پھولا باغ منٹوں میں تاراج

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کے تھوڑے دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ یمن میں ''صنعا'' شہر سے دو کوس کی دوری پر ایک باغ تھا جس کا نام ''ضروان'' تھا۔ اس باغ کا مالک بہت ہی نیک نفس اور سخی آدمی تھا۔ اُس کا دستور یہ تھا کہ پھلوں کو توڑنے کے وقت وہ فقیروں اور مسکینوں کو بلاتا تھا اور اعلان کر دیتا تھا کہ جو پھل ہوا سے گر پڑیں یا جو ہماری جھولی سے الگ جا کر گریں وہ سب تم لوگ لے لیا کرو۔ اس طرح اس باغ کا بہت سا پھل فقراء و مساکین کو مل جایا کرتا تھا۔ باغ کا مالک مر گیا تو اُس کے تینوں بیٹے اس باغ کے مالک ہوئے مگر یہ تینوں بہت بخیل ہوئے۔ ان لوگوں نے آپس میں طے کر لیا کہ اگر فقیروں اور مسکینوں کو ہم لوگ بلائیں گے تو بہت سے پھل یہ لوگ لے جائیں گے اور ہم لوگوں کے اہل و عیال کی روزی میں تنگی ہو جائے گی۔ چنانچہ ان تینوں بھائیوں نے قسم کھا کر یہ طے کر لیا کہ سورج نکلنے سے قبل ہی چل کر ہم لوگ باغ کا پھل توڑ لیں تاکہ فقراء و مساکین کو خبر ہی نہ ہو۔ چنانچہ ان لوگوں کی بدنیتی کی نحوست نے یہ اثر دکھایا کہ ناگہاں رات ہی میں اللہ تعالیٰ نے باغ میں ایک آگ بھیج دی۔ جس نے پورے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا اور ان لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ یہ لوگ اپنے منصوبہ کے مطابق رات کے آخری حصے میں نہایت خاموشی کے ساتھ پھل توڑنے کے لئے روانہ ہو گئے اور راستہ میں چپکے چپکے باتیں کرتے تھے تاکہ فقیروں اور مسکینوں کو خبر نہ مل جائے۔ لیکن یہ لوگ جب باغ کے پاس پہنچے تو وہاں جلے ہوئے درختوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چنانچہ ایک بول پڑا کہ ہم لوگ راستہ بھول کر کسی اور جگہ چلے آئے ہیں مگر ان میں سے جو بہ نسبت دوسرے بھائیوں کے کچھ نیک نفس تھا۔ اُس نے کہا کہ ہم راستہ نہیں بھولے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو پھلوں سے محروم کر دیا ہے لہٰذا تم لوگ خدا کی

تسبیح پڑھو تو ان سبھوں نے یہ پڑھنا شروع کر دیا کہ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾
یعنی ہمارے رب کے لئے پاکی ہے ہم لوگ یقیناً ظالم ہیں کہ ہم نے فقراء ومساکین کا حق مار لیا
پھر وہ تینوں بھائی ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور آخر میں یہ کہنے لگے کہ

عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

(پ ۲۹،القلم: ۳۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔امید ہے کہ ہمیں ہمارا رب اس سے بہتر بدل دے ہم اپنے رب کی طرف رغبت لاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی توبہ قبول فرمالی اور پھر ان لوگوں کو اس کے بدلے ایک دوسرا باغ عطا فرمادیا جس میں بہت زیادہ اور بہت بڑے بڑے پھل آنے لگے۔اس باغ کا نام ''حیوان'' تھا اور اس میں ایک ایک انگور اتنا بڑا بڑا ہوتا تھا کہ اُس کا ایک خوشہ ایک خچر کا بوجھ ہو جایا کرتا تھا۔ابو خالد یمانی کا بیان ہے کہ میں اُس باغ میں گیا تھا تو میں نے دیکھا کہ اُس باغ میں انگوروں کے خوشے حبشی آدمی کے قد کے برابر بڑے تھے۔ (تفسیر صاوی،ج ۶،ص ۲۲۱۶،پ ۲۹،القلم:۳۲)

درسِ ہدایت:۔اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ سخاوت اور نیک نیتی کا اثر مال میں خیر و برکت اور مال کی فراوانی ہے اور بخیلی و بد نیتی کا ثمرہ مال کی ہلاکت و بربادی ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سچی توبہ کر لینے سے اللہ تعالیٰ زائل شدہ نعمت سے بڑی اور بڑھ کر نعمت عطا فرمادیا کرتا ہے۔سچ ہے کہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

﴿۵۶﴾ دربار داؤد علیہ السلام میں ایک عجیب مقدمہ

حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔اس کے بعد آپ نے ایک دوسری عورت

کو نکاح کا پیغام دیا جس کو ایک مسلمان نے پہلے سے پیغام دے رکھا تھا لیکن آپ کا پیغام پہنچنے کے بعد عورت کے اولیاء دوسرے کی طرف بھلا کب اور کیسے توجہ کر سکتے تھے، آپ سے نکاح ہو گیا۔ یہ بات نہ تو شرعاً ناجائز تھی، نہ اُس زمانے کے رسم و رواج کے خلاف تھی۔ لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے۔ یہ آپ کے منصب عالی کے مناسب نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہوئی کہ آپ کو اس پر متنبہ اور آگاہ کر دیا جائے۔

چنانچہ اس کا ذریعہ یہ بنایا کہ فرشتے مدعی اور مدعا علیہ بن کر آپ کے دربار میں ایک مقدمہ لے کر آئے اور بجائے دروازہ سے داخل ہونے کے دیوار پھاند کر مسجد میں آئے۔ آپ ان لوگوں کو دیوار پھاندتے دیکھ کر کچھ گھبرا گئے۔ تو فرشتوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں۔ ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ لہٰذا آپ ہمارا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجئے اور ہمیں سیدھی راہ چلائیے۔ ہمارا مقدمہ یہ ہے کہ میرا یہ بھائی اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ تو اپنی ایک دنبی بھی میرے حوالہ کر دے اور اس بات کے لئے مجھ پر دباؤ ڈالتا ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے فوراً یہ فیصلہ فرما دیا کہ بے شک یہ زیادتی ہے کہ وہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا لینے کو کہتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اکثر ساجھے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔ بجز اُن لوگوں کے جو صاحبِ ایمان اور نیک عمل ہوں اور ایسوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مقدمہ کا فیصلہ سنا کر حضرت داؤد علیہ السلام کا ماتھا ٹھنکا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اس مقدمہ کی پیشی درحقیقت یہ میرا امتحان تھا۔ چنانچہ فوراً ہی آپ سجدہ میں گر پڑے اور خدا سے معافی مانگنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرما دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ

اَلْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (پ۲۳،صٓ:۲۵،۲۶)

ترجمہ کنزالایمان: تو ہم نے اسے یہ معاف فرمادیا اور بیشک اس کے لئے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

درسِ ھدایت:۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان بہت ہی عظیم الشان ہے اس لئے بہت ہی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی خداوندِ قدوس کی طرف سے ان حضرات کو آگاہی دی جاتی ہے اور یہ نفوسِ قدسیہ بھی بارگاہِ خداوندی میں اس قدر مطیع اور متواضع ہوتے ہیں کہ فوراً ہی دربار خداوندی میں سجدہ ریز ہو کر عفو تقصیر کی استدعا کرنے لگتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے خطاؤں کا درجہ رکھتی ہیں۔ کیوں نہ ہو۔

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

﴿۵۷﴾ اِن شآءَ اللہ عزوجل چھوڑنے کا نقصان

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں رات بھر اپنی ننانوے بیویوں کے پاس دورہ کروں گا اور سب کے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا تو میرے یہ سب لڑکے اللہ کی راہ میں گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کریں گے۔ مگر یہ فرماتے وقت آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ غالباً آپ اس وقت کسی ایسے شغل میں تھے کہ اس کا خیال نہ رہا۔ اس ''ان شاء اللہ'' کو چھوڑ دینے کا یہ اثر ہوا کہ صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اُس کے بھی ایک ناقص الخلقت (کچا بچہ) ہوا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ''ان شاء اللہ'' کہہ دیا ہوتا تو ان سب عورتوں کے لڑکے پیدا ہوتے اور وہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے۔

(بخاری شریف، کتاب الجهاد، باب من طلب الولد للجهاد، ج٤،ص ٢٢، رقم ٢٨١٩)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اجمالاً بہت مختصر طریقے پر اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ (پ ٢٣،صٓ:٣٤، ٣٥)

ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت پر ایک بے جان بدن ڈال دیا پھر رجوع لایا عرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بیشک تو ہی بڑی دین والا۔

درسِ ہدایت: ۔اس قرآنی واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کو لازم ہے کہ آئندہ کے لئے جو کام کرنے کو کہے تو ''ان شاء اللہ تعالیٰ'' ضرور کہہ دے۔اس مقدس جملہ کی برکت سے بڑی امید ہے کہ وہ کام ہو جائے گا۔اور ''ان شاء اللہ تعالیٰ'' چھوڑ دینے کا انجام سراسر نقصان اور ناکامی و محرومی ہے۔غور کیجئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو خداوندِ قدوس کے پیارے نبی اور بے مثال بادشاہ بھی ہیں۔مگر انہوں نے لاشعوری طور پر ان شاء اللہ تعالیٰ کہنا چھوڑ دیا تو ان کا مقصد جو اعلیٰ درجے کی عبادت تھی پورا نہیں ہوا اور وہ اس بات پر نہایت متاسف اور رنجیدہ ہو کر خدا کی طرف رجوع ہوئے ،وہ اپنی مغفرت کی دعا مانگنے لگے، پھر بھلا ہم تم گنہگاروں کا کیا ٹھکانا ہے؟ کہ اگر ہم تم ان شاء اللہ تعالیٰ کہنا چھوڑ دیں گے تو بھلا کس طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے؟ لہٰذا ''ان شاء اللہ تعالیٰ'' کہنا ضرور یاد رکھئے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول مقبول حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں بڑی تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ آئندہ کے لئے جو کام بھی کرنے کو کہئے تو ضرور ''ان شاء اللہ تعالیٰ'' کہہ لیجئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ (پ ۱۵ ،الکھف:۲۳،۲۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کردُوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے۔

﴿۵۸﴾ اَصحابُ الاُخدُود کے مظالم

''اصحاب الاخدود'' کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ اور ان کا کیا واقعہ تھا۔ اس بارے میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگلی امتوں میں ایک بادشاہ تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور ایک جادوگر اُس کے دربار کا بہت ہی مقرب تھا۔ ایک دن جادوگر نے بادشاہ سے کہا کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ لہٰذا تم ایک لڑکے کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں اُس کو اپنا جادو سکھا دوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک ہوشیار لڑکے کو جادوگر کے پاس بھیج دیا۔ لڑکا روزانہ جادوگر کے پاس آنے جانے لگا لیکن راستہ میں ایک ایماندار راہب رہتا تھا۔ لڑکا ایک دن اُس راہب کے پاس بیٹھا تو اس کی باتیں لڑکے کو بہت پسند آ گئیں۔ چنانچہ لڑکا جادوگر کے پاس آنے جانے میں روزانہ راہب کے پاس بیٹھنے لگا۔ ایک دن لڑکے نے دیکھا کہ ایک بڑا اور مہیب جانور کھڑا انسانوں کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ لڑکے نے یہ منظر دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ آج یہ ظاہر ہو جائے گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب؟ چنانچہ لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ دعا مانگی کہ یا اللہ عزوجل! اگر تیرے دربار میں یہ مذہب جادوگر سے زیادہ مقبول و محبوب ہو تو اس جانور کو اسی پتھر سے مقتول فرما دے۔ یہ دعا کر کے لڑکے نے جانور کو اس پتھر سے مار دیا تو یہ بہت بڑا جانور ایک چھوٹے سے پتھر سے قتل ہو کر مر گیا اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔

لڑکے نے راہب سے یہ پورا واقعہ بیان کیا تو راہب نے کہا کہ اے لڑکے! خدا عزوجل کے دربار میں تیرا مرتبہ بلند ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب تو عنقریب امتحان میں ڈالا جائے گا۔ اس لئے

کسی کو میرا پتا نہ بتانا اور امتحان کے وقت صبر کرنا۔ اس کے بعد یہ لڑکا اس قدر صاحبِ کرامت ہو گیا کہ اس کی دعاؤں سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی شفا پانے لگے۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے دربار میں اس کا چرچا ہونے لگا تو بادشاہ کا ایک بہت ہی مقرب ہم نشین جو اندھا ہو گیا تھا، اس لڑکے کے پاس بہت سے ہدایا اور تحائف لے کر حاضر ہوا۔ اور اپنی بصارت کے لئے دعا کا طالب ہوا۔ تو لڑکے نے کہا کہ اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو میں تیرے لئے دعا کروں گا۔ چنانچہ وہ ایمان لایا اور لڑکے نے اس کے لئے دعا کر دی تو فوراً ہی وہ انکھیارا ہو گیا اور بادشاہ کے دربار میں گیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ تمہاری آنکھوں میں بصارت کیسے آ گئی؟ تو مقرب ہم نشین نے کہا کہ میرے رب نے مجھے بصارت عطا فرما دی ہے۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر کہا کہ کیا میرے سوا بھی تمہارا کوئی رب ہے؟ تو اُس نے کہا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ میرا اور تیرا دونوں کا رب ہے۔ بادشاہ نے اس کو طرح طرح کی سزائیں دے کر پوچھا کہ کس نے تجھے یہ بتایا ہے؟ تو اس نے لڑکے کا نام بتا دیا۔ پھر بادشاہ نے لڑکے کو قید کر کے اُس کو اس قدر مارا پیٹا کہ اُس نے راہب کا نام بتا دیا۔ بادشاہ نے راہب کو گرفتار کر کے اُس سے کہا کہ تم اپنے عقیدہ کو چھوڑ دو مگر راہب نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اپنے اس عقیدہ پر آخری دم تک قائم رہوں گا۔ یہ سن کر بادشاہ آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے راہب کے سر پر آرا چلوا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے مقرب ہم نشین کے سر پر بھی آرا چلوا دیا۔ پھر لڑکے کو سپاہیوں کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا کر اوپر سے نیچے لڑھکا دو۔ لڑکے نے پہاڑ پر چڑھ کر دعا مانگی تو ایک زلزلہ آیا اور بادشاہ کے سپاہی زلزلہ کے جھٹکوں سے ہلاک ہو گئے اور لڑکا سلامتی کے ساتھ پھر بادشاہ کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔ پھر بادشاہ نے غیظ و غضب میں بھر کر حکم دیا کہ اس لڑکے کو کشتی پر بٹھا کر سمندر میں لے جاؤ اور سمندر کی گہرائی میں لے جا کر اس کو سمندر میں پھینک دو۔ چنانچہ بادشاہ کے سپاہی اس کو کشتی میں بٹھا کر لے گئے۔ پھر جب لڑکے نے دعا

مانگی تو کشتی غرق ہوگئی اور سب سپاہی ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحت وسلامتی کے ساتھ بادشاہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور بادشاہ حیران رہ گیا۔ پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تو مجھ کو شہید کرنا چاہتا ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تو مجھ کو سولی پر لٹکا کر اور یہ پڑھ کر مجھے تیر مار کہ ''بِسۡمِ اللّٰهِ رَبِّ الۡغُلَامِ'' چنانچہ اسی ترکیب سے بادشاہ نے اس لڑکے کو تیر مار کر شہید کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر ہزاروں کے مجمع نے بلند آواز سے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ غصہ میں بوکھلا گیا اور اُس نے گڑھا کھدوا کر اُس میں آگ جلوائی۔ جب آگ کے شعلے خوب بلند ہونے لگے تو اس نے ایمانداروں کو پکڑ وا کر اس آگ میں ڈالنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ستتر مومنین کو اُس آگ میں جلا ڈالا۔ آخر میں ایک ایمان والی عورت اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے آئی اور جب بادشاہ نے اُس کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ کچھ گھبرائی تو اس کے دودھ پیتے بچے نے کہا کہ اے میری ماں! صبر کر تو حق پر ہے۔ بچے کی آواز سن کر اس کے ماں کا جذبہ ایمانی بیدار ہو گیا اور وہ مطمئن ہو گئی۔ پھر ظالم بادشاہ نے اس مومنہ کو اُس کے بچے کے ساتھ آگ میں پھینک دیا۔

بادشاہ اور اُس کے ساتھی خندق کے کنارے مومنین کے آگ میں جلنے کا منظر کرسیوں پر بیٹھ کر دیکھ رہے تھے اور اپنی کامیابی پر خوشی منا رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے کہ ایک دم قہر الٰہی نے ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور وہ اس طرح کہ خندق کی آگ کے شعلے اس قدر بھڑک کر بلند ہوئے کہ بادشاہ اور اُس کے ساتھیوں کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور سب کے سب لمحہ بھر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے اور باقی تمام دوسرے مومنین کو اللہ تعالیٰ نے کافر اور ظالم کے شر سے بچالیا۔

(تفسیر صاوی، ج ٦، ص ٢٣٣٩۔٢٣٤٠، پ ٣٠، البروج: ٤۔٧)

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ (پ ۳۰، البروج: ۴۔۷)

ترجمہ کنزالایمان: کھائی والوں پر لعنت ہو وہ اس بھڑکتی آگ والے جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے۔

درسِ ہدایت:۔ {۱} اس واقعہ سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ عموماً خدا کی طرف سے امتحان ہوا کرتا ہے اور بوقت امتحان مومنوں کا بلاؤں اور مصیبتوں پر صابر و شاکر رہنا ہی اس امتحان کی کامیابی ہے۔

{۲} یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کامل کی یہی نشانی ہے کہ مومن خداعزوجل کی راہ میں پڑنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر کبھی بھی اُس میں تذبذب نہیں پیدا ہوتا، بلکہ مومن خواہ پھولوں کے ہار کے نیچے ہو یا تلوار کے نیچے، پانی میں غرق کیا جائے یا آگ کے شعلوں میں جلایا جائے ہر حال میں بہر صورت وہ اپنے ایمان پر استقامت و استقلال کے ساتھ پہاڑ کی طرح قائم رہتا ہے اور اس کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوتا ہے۔ یہ وہ سعادت عظمیٰ ہے کہ جس کو نصیب ہو جائے اس کی خوش بختیوں کی معراج ہو جاتی ہے اور وہ خداعزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وہ قرب حاصل کر لیتا ہے کہ آسمانوں کے فرشتے اس کے اعلیٰ مراتب کی سربلندیوں کے مداح اور ثناء خواں بن جاتے ہیں۔

﴿۵۹﴾ چار قابل عبرت عورتیں

وَاہِلہ:۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھی۔ اس کو ایک نبی برحق کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا اور برسوں یہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی صحبت سے سرفراز رہی مگر اس کی بدنصیبی قابل عبرت ہے کہ اس کو ایمان نصیب نہیں ہوا بلکہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دشمنی اور توہین و

بے ادبی کے سبب سے بے ایمان ہوکر مرگئی اور جہنم میں داخل ہوئی۔

یہ ہمیشہ اپنی قوم میں جھوٹا پروپیگنڈہ کرتی رہتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام مجنون اور پاگل ہیں، لہٰذا ان کی کوئی بات نہ مانو۔

واعلہ:۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی۔ یہ بھی اللہ کے ایک جلیل القدر نبی علیہ السلام کی زوجیت وصحبت سے برسوں سرفراز رہی مگر اس کے سر پر بدنصیبی کا ایسا شیطان سوار تھا کہ سچے دل سے کبھی ایمان نہیں لائی بلکہ عمر بھر منافقہ رہی اور اپنے نفاق کو چھپاتی رہی۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور پتھروں کی بارش ہونے لگی، اُس وقت حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں اور مومنین کو ساتھ لے کر بستی سے باہر چلے گئے تھے۔ ''واعلہ'' بھی آپ کے ساتھ تھی آپ نے فرما دیا تھا کہ کوئی شخص بستی کی طرف نہ دیکھے ورنہ وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوجائے گا۔ چنانچہ آپ کے ساتھ والوں میں سے کسی نے بھی بستی کی طرف نہیں دیکھا اور سب عذاب سے محفوظ رہے لیکن واعلہ چونکہ منافق تھی اُس نے حضرت لوط علیہ السلام کے فرمان کو ٹھکرا کر بستی کی طرف دیکھ لیا اور شہر کو الٹ پلٹ ہوتے دیکھ کر چلانے لگی کہ ''یَاقَوْمَاہْ'' ہائے رے میری قوم، یہ زبان سے نکلتے ہی ناگہاں عذاب کا ایک پتھر اس کو بھی لگا اور یہ بھی ہلاک ہوکر جہنم رسید ہوگئی۔

آسیہ:۔ آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا یہ فرعون کی بیوی ہیں۔ فرعون تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بدترین دشمن تھا لیکن حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے جب جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مغلوب ہوتے دیکھ لیا تو فوراً اُن کے دل میں ایمان کا نور چمک اُٹھا اور وہ ایمان لے آئیں۔ جب فرعون کو خبر ہوئی تو اس ظالم نے ان پر بڑے بڑے عذاب کیے، بہت زیادہ زدوکوب کے بعد چومیخا کردیا یعنی چار کھونٹیاں گاڑ کر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے چاروں ہاتھوں پیروں میں لوہے کی میخیں ٹھونک کر چاروں کھونٹوں میں اس طرح جکڑ دیا کہ وہ ہل بھی نہیں سکتی تھیں اور بھاری پتھر سینہ پر رکھ کر دھوپ کی تپش میں ڈال دیا اور دانہ پانی بند کردیا لیکن ان مصائب وشدائد کے باوجود وہ اپنے ایمان پر قائم ودائم رہیں اور فرعون کے کفر سے خدا

عزوجل کی پناہ اور جنت کی دعائیں مانگتی رہیں اور اسی حالت میں اُن کا خاتمہ بالخیر ہو گیا اور وہ جنت میں داخل ہوگئیں اور ابن کیسان کا قول ہے کہ وہ زندہ ہی اُٹھا کر جنت میں پہنچا دی گئیں۔

مریم:۔ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس لئے ان کی قوم نے طعن اور بدگوئیوں سے ان کو بڑی بڑی ایذائیں پہنچائیں مگر یہ صابر رہ کر اتنے بڑے بڑے مراتب و درجات سے سرفراز ہوئیں کہ خداوندِ قدوس نے قرآن مجید میں ان کی مدح و ثنا کا بار بار خطبہ ارشاد فرمایا۔ان چاروں عورتوں کے بارے میں قرآن مجید نے سورۂ تحریم میں فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ کافروں کی مثال دیتا ہے۔جیسے حضرت نوح (علیہ السلام) کی عورت (واہلہ) اور حضرت لوط (علیہ السلام) کی عورت (واعلہ) یہ دونوں ہمارے دو مقرب بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پھر ان دونوں نے ان دونوں سے دغا کیا تو وہ دونوں پیغمبران، ان دونوں عورتوں کے کچھ کام نہ آئے اور ان دونوں عورتوں کے بارے میں خدا کا یہ فرمان ہو گیا کہ تم دونوں جہنمی عورتوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مثال بیان فرماتا ہے۔ فرعون کی بیوی (آسیہ) جب انہوں نے عرض کی اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات بخش اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں سے ہوئی۔ (پ ۲۸، التحریم: ۱۰ ۔ ۱۲)

درسِ ھدایت:۔ واہلہ اور واعلہ دونوں نبی کی بیویاں ہو کر کفر و نفاق میں گرفتار ہو کر جہنم رسید ہوئیں اور فرعون جیسے کافر کی بیوی حضرت ''آسیہ'' ایمان کامل کی دولت پا کر جنت میں داخل ہوئیں اور حضرت آسیہ حق ظاہر ہو جانے کے بعد اس طرح ایمان لائیں کہ فرعون کے

سب آرام و راحت کو ٹھکرا دیا اور بے پناہ تکلیفوں اور ایذاؤں کے باوجود اپنے ایمان پر قائم رہیں، بلاشبہ یہ باتیں قابلِ عبرت ہیں۔

﴿۶۰﴾ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تین روزے

حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو حضرت علی و حضرت فاطمہ و حضرت فضہ رضی اللہ عنہم نے ان شاہزادوں کی صحت کے لئے تین روزوں کی منت مانی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں شاہزادوں کو شفا دے دی۔ جب نذر کے روزوں کو ادا کرنے کا وقت آیا تو سب نے روزے کی نیت کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک یہودی سے تین صاع جو لائے۔ ایک ایک صاع تینوں دن پکایا لیکن جب افطار کا وقت آیا اور تینوں روزہ داروں کے سامنے روٹیاں رکھی گئیں تو ایک دن مسکین، ایک دن یتیم، ایک دن قیدی دروازے پر آ گئے اور روٹیوں کا سوال کیا تو تینوں دن سب روٹیاں سائلوں کو دے دی گئیں اور صرف پانی سے افطار کر کے اگلا روزہ رکھ لیا گیا۔ حضرت فضہ رضی اللہ عنہا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی خادمہ تھیں۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۴۳، پ ۲۹، الدھر: ۸۔۹)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی کے گھر کی اس سرگزشت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا:

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ (پ ۲۹، الدھر: ۸۔۹)

ترجمہ کنزالایمان: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے۔

درسِ ہدایت: سبحان اللہ اس واقعہ سے اہل بیت نبوت کی سخاوت کا عجیب و غریب اور

عدیم المثال حال معلوم ہوتا ہے۔ مسلسل تین روزے اور سحری و افطار میں صرف پانی پی کر روزے رکھنا اور خود بھوکے رہ کر روٹیاں سائلوں کو دے دینا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اللہ اکبر کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

بھوکے رہتے تھے خود اَوروں کو کھلا دیتے تھے
کیسے صابر تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے والے

﴿۶۱﴾ شداد کی جنت

یہ آپ ''قوم عاد کی آندھی'' کے عنوان میں پڑھ چکے ہیں کہ قوم عاد کا مورثِ اعلیٰ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح ہے۔ اس ''عاد'' کے بیٹوں میں ''شداد'' بھی ہے۔ یہ بڑی شان وشوکت کا بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے اپنے وقت میں تمام بادشاہوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے سب کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا تھا۔ اس نے پیغمبروں کی زبان سے جنت کا ذکر سن کر براہِ سرکشی دنیا میں ایک جنت بنانی چاہی اور اس ارادہ سے ایک بہت بڑا شہر بنایا جس کے محل سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کئے گئے اور زبرجد اور یاقوت کے ستون ان کی عمارتوں میں نصب کئے گئے اور ایسے ہی فرش مکانوں میں بنائے گئے۔ سنگریزوں کی جگہ آبدار موتی بچھائے گئے۔ ہر محل کے گرد جواہرات سے پر نہریں جاری کی گئیں۔ قسم قسم کے درخت زینت اور سائے کے لئے لگائے گئے۔ الغرض اُس سرکش نے اپنے خیال سے جنت کی تمام چیزیں اور ہر قسم کی عیش و عشرت کے سامان اس شہر میں جمع کر دیئے۔ جب یہ شہر مکمل ہوا تو شداد بادشاہ اپنے اعیانِ سلطنت کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوا۔ جب ایک منزل کا فاصلہ باقی رہ گیا تو آسمان سے ایک ہولناک آواز آئی جس سے اللہ تعالیٰ نے شداد اور اس کے تمام ساتھیوں کو ہلاک کر دیا اور وہ اپنی بنوائی ہوئی جنت کو دیکھ بھی نہ سکا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں حضرت عبداللہ بن قلابہ اپنے گم شدہ اونٹ

کو تلاش کرتے ہوئے صحرائے عدن سے گزر کر اس شہر میں پہنچے اور اس کی تمام زینتوں اور آرائشوں کو دیکھا مگر وہاں کوئی رہنے بسنے والا انسان نہیں ملا۔ یہ تھوڑے سے جواہرات وہاں سے لے کر چلے آئے۔ جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے عبداللہ بن قلابہ کو بلا کر پورا حال دریافت کیا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا سب کچھ بیان کر دیا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعبِ احبار رضی اللہ عنہ کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا شہر موجود ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہ شہر شداد بن عاد نے بنایا تھا لیکن یہ سب عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے اور اس قوم میں سے کوئی ایک آدمی بھی باقی نہیں رہا اور آپ کے زمانے میں ایک مسلمان جس کی آنکھیں نیلی، قد چھوٹا اور اس کے ابرو پر ایک تل ہوگا، اپنے اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے اس ویران شہر میں داخل ہوگا، اتنے میں عبداللہ بن قلابہ آ گئے۔ تو کعب احبار نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ بخدا وہ شخص جو شداد کی بنائی ہوئی جنت کو دیکھے گا، وہ یہی شخص ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۷۰۔۱۰۶۹، پ ۳۰، الفجر:۸)

قوم عاد اور دوسری سرکش قوموں کا حال بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝۸ وَ ثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹ وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝۱۰ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝۱۱ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳ (پ ۳۰، الفجر:۶۔۱۳)

ترجمہ کنزالایمان: کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا وہ ارم حد سے زیادہ طول والے کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا اور ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں اور فرعون کہ چومیخا کرتا (سخت سزائیں دیتا) جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی پھر ان میں بہت فساد پھیلایا تو ان پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا بقوت مارا۔

درسِ ہدایت:۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی سرکشی اور تکبر و غرور بے حد ناپسند ہے اس لئے خداوندِ قدوس کا دستور ہے کہ ہر سرکش اور متکبر قوم جس نے زمین میں اپنی سرکشی اور ظلم وعدوان سے فساد پھیلایا۔ اس قوم کو قہر الٰہی نے کسی نہ کسی عذاب کی صورت میں ظاہر ہو کر ہلاک و برباد کر دیا۔ شداد اور قوم عاد کے دوسرے افراد سب اپنی سرکشی اور تکبر کی وجہ سے خدا کے مبغوض ٹھہرے اور جب ان لوگوں کا تمرد اور ظلم وعدوان اس درجہ بڑھ گیا کہ روئے زمین کا ذرہ ذرہ ان کے گناہوں اور بداعمالیوں سے بلبلا اُٹھا تو خداوندِ قہار و جبار کے عذابوں نے ان سب سرکشوں اور ظالموں کو تباہ و برباد کر کے صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ لہٰذا ان قوموں کے عروج و زوال اور ان لوگوں کے عذابِ الٰہی سے پامال ہونے کی داستانوں سے عبرت و نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ان اقوام کے انجام کے ذکر کا مقصد ہی یہ ہے کہ اہل قرآن ان کی داستان سن کر عبرت پکڑیں اور خوفِ الٰہی سے ہر دم لرزہ براندام رہیں۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کریں اور اس کا ترجمہ بھی پڑھا کریں اور ان اقوام کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں۔ ہر وقت توبہ و استغفار کرتے رہیں اور ہر قسم کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں سے ہمیشہ بچتے رہیں۔ اعمال صالحہ کی کوشش کرتے رہیں اور مال و دولت کے غرور و گھمنڈ میں سرکشی و تکبر نہ کریں بلکہ ہمیشہ دل میں خوفِ خدا عزوجل رکھ کر تواضع و انکساری کو اپنی عادت بنائیں اور جہاں تک ہو سکے اپنی زندگی میں اچھے اعمال کرتے رہیں۔ واللہ ھُوَ الموفق.

﴿۶۲﴾ اصحابِ فیل و لشکر ابابیل

یمن و حبشہ کا بادشاہ ''ابرہہ'' تھا۔ اُس نے شہر ''صنعاء'' میں ایک گرجا گھر بنایا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ حج کرنے والے بجائے مکہ مکرمہ کے صنعاء میں آئیں اور اسی گرجا گھر کا طواف کریں اور یہیں حج کا میلہ ہوا کرے۔ عرب خصوصاً قریشیوں کو یہ بات بہت شاق گزری۔

چنانچہ قریش کے قبیلہ بنوکنانہ کے ایک شخص نے آپے سے باہر ہو کر صنعاء کا سفر کیا اور ابرہہ کے گرجا گھر میں داخل ہو کر پیشاب پاخانہ کر دیا۔ اور اس کے در و دیوار کو نجاست سے آلودہ کر ڈالا۔ اس حرکت پر ابرہہ بادشاہ کو بہت طیش آیا اور اس نے کعبہ معظّمہ کو ڈھا دینے کی قسم کھالی۔ اور اس ارادہ سے اپنا لشکر لے کر روانہ ہو گیا۔ اس لشکر میں بہت سے ہاتھی تھے اور ان کا پیش رو ایک بہت بڑا کوہ پیکر ہاتھی تھا جس کا نام محمود تھا۔ ابرہہ نے اپنی فوج لے کر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر دی اور اہل مکہ کے سب جانوروں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ جس میں عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے۔ یہی عبدالمطلب جو ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں، خانہ کعبہ کے متولی اور اہل مکہ کے سردار تھے۔ یہ بہت ہی رعب دار اور نہایت ہی جسیم و باشکوہ آدمی تھے۔ یہ ابرہہ کے پاس آئے، ابرہہ نے ان کی بہت تعظیم کی اور آنے کا مقصد پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے اونٹوں کو مجھے واپس دے دو۔ یہ سن کر ابرہہ نے کہا کہ مجھے بڑا تعجب ہو رہا ہے کہ میں تو تمہارے کعبہ کو ڈھانے کے لئے فوج لے کر آیا ہوں جو تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا ایک بہت مقدس و محترم مقام ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں کچھ بھی مجھ سے نہیں کہا، صرف اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں اپنے اونٹوں ہی کا مالک ہوں اس لئے اونٹوں کے لئے کہہ رہا ہوں اور کعبہ کا جو مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ ابرہہ نے آپ کے اونٹوں کو واپس کر دیا۔ پھر آپ نے قریش سے فرمایا کہ تم لوگ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور چوٹیوں پر پناہ گزیں ہو جاؤ۔ چنانچہ قریش نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے کعبہ کا دروازہ پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں کعبہ کی حفاظت کے لئے خوب رو رو کر دعا مانگی اور دعا سے فارغ ہو کر آپ بھی اپنی قوم کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابرہہ نے صبح تڑکے اپنے لشکروں کو لے کر کعبہ مقدسہ پر دھاوا بول دینے کا حکم دے دیا اور ہاتھیوں کو چلنے کے لئے اٹھایا لیکن

ہاتھیوں کا پیش رو محمود جو سب سے بڑا تھا وہ کعبہ کی طرف نہ چلا جس طرف اس کو چلاتے تھے چلتا تھا مگر کعبہ مکرمہ کی طرف جب اس کو چلاتے تھے تو وہ بیٹھ جاتا تھا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جانب سے پرندوں کا لشکر بھیج دیا اور ہر پرندے کے پاس تین کنکریاں تھیں، دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں۔ ابابیلوں کے اس لشکر نے ابرہہ کی فوجوں پر اس زور کی سنگ باری کی کہ ابرہہ کی فوج بدحواس ہو کر بھاگنے لگی۔ مگر کنکریاں گو چھوٹی چھوٹی تھیں لیکن وہ قہر الٰہی کے پتھر تھے کہ پرندے جب ان کنکریوں کو گراتے تو وہ سنگریزے فیل سواروں کے خود کو توڑ کر، سر سے نکل کر، جسم کو چیر کر، ہاتھی کے بدن کو چھیدتے ہوئے زمین پر گرتے تھے۔ ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا تھا جو اس کنکری سے ہلاک کیا گیا۔ اس طرح ابرہہ کا پورا لشکر ہلاک و برباد ہو گیا اور کعبہ معظّمہ محفوظ رہ گیا۔ یہ واقعہ جس سال وقوع پذیر ہوا اس سال کو اہل عرب ''عام الفیل'' (ہاتھی والا سال) کہنے لگے اور اس واقعہ سے پچاس روز کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۸۳، پ ۳۰، الفیل)

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرماتے ہوئے ایک سورۃ نازل فرمائی جس کا نام ہی ''سورۂ فیل'' ہے یعنی

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾ (پ ۳۰، الفیل: ۱۔۵)

ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا، کیا ان کا داؤں تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں (فوجیں) بھیجیں کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے تو انہیں کر ڈالا جیسے کھائی کھیتی کی پتی (بھوسا)۔

درسِ ہدایت: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی طرح کعبہ معظّمہ کی حفاظت کا ذمہ بھی

خداوندِ قدوس نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھا ہے کہ کوئی طاغوتی طاقت نہ قرآن مجید کو فنا کر سکتی ہے نہ کعبہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتی ہے کیونکہ خداوندِ کریم ان دونوں کا محافظ ونگہبان ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۲۳﴾ فتح مکہ کی پیش گوئی

ہجرت کے وقت انتہائی رنجیدگی کے عالم میں حضور تاجدارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار صدیق جاں نثار رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرما کر اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ دیا تھا اور مکہ سے نکلتے وقت خدا کے مقدس گھر خانہ کعبہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر یہ فرماتے ہوئے مدینہ روانہ ہوئے تھے کہ ’’اے مکہ! خدا کی قسم! تو میری نگاہِ محبت میں تمام دنیا کے شہروں سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔‘‘ اس وقت کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ مکہ کو اس بے سروسامانی کے عالم میں خیر باد کہنے والا صرف آٹھ ہی برس بعد ایک فاتح اعظم کی شان وشوکت کے ساتھ اسی شہر مکہ میں نزولِ اجلال فرمائے گا اور کعبۃ اللہ میں داخل ہوکر اپنے سجدوں کے جمال وجلال سے خدا کے مقدس گھر کی عظمت کو سرفراز فرمائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ اہل مکہ نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ ڈالا۔ اور صلح نامہ سے غداری کر کے ’’عہد شکنی‘‘ کے مرتکب ہو گئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلیف بنوخزاعہ کو مکہ والوں نے بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ بے چارے بنوخزاعہ اس ظالمانہ حملے کی تاب نہ لاکر حرم کعبہ میں پناہ لینے کے لئے بھاگے تو ان درندہ صفت انسانوں نے حرم الٰہی کے احترام کو بھی خاک میں ملا دیا اور حرم کعبہ میں بھی ظالمانہ طور پر بنو خزاعہ کا خون بہایا۔ اس حملہ میں بنوخزاعہ کے تیئیس آدمی قتل ہو گئے۔ اس طرح اہل مکہ نے اپنی اس حرکت سے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ ڈالا۔ اور یہی فتح مکہ کی تمہید ہوئی۔

چنانچہ ۱۰ رمضان ۸ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے دس ہزار لشکر پرانوار ساتھ

لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ سے چلتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام روزہ دار تھے لیکن جب آپ مقام ''کدید'' میں پہنچے تو پانی مانگا اور اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے پورے لشکر کو دکھا کر آپ نے پانی نوش فرمایا اور سب کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے اصحاب نے سفر اور جہاد میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، رقم ٤٢٧٦، ج٥، ص ١٤٦)

غرض فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ بانی کعبہ کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین مکہ میں نزول اجلال فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جھنڈا مقام ''حجون'' (جنۃ المعلی) کے پاس گاڑا جائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام فرمان جاری کر دیا کہ وہ فوجوں کے ساتھ مکہ کے بالائی حصہ یعنی ''کدا'' کی طرف سے مکہ میں داخل ہوں۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، رقم ٤٢٨٠، ج٥، ص ١٤٧)

تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی جو پہلا فرمان شاہی جاری فرمایا وہ یہ اعلان تھا کہ جس کے لفظ لفظ میں رحمتوں کے دریا موجیں مار رہے ہیں:

''جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اُس کے لئے امان ہے۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے گا اُس کے لئے امان ہے جو کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے۔''

اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک فخر پسند آدمی ہے اس کے لئے کوئی ایسی امتیازی بات فرما دیجئے کہ اس کا سر فخر سے اونچا ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہونے لگے تو آپ اپنی اونٹنی ''قصواء'' پر سوار تھے اور آپ ایک سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اور بخاری میں ہے کہ آپ کے سر پر ''مغفر'' تھا۔ آپ کے ایک جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسری جانب اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کے چاروں طرف جوش میں بھرا ہوا

ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا لشکر تھا جس کے درمیان کوکبہ نبوی تھا۔ اس شاہانہ جلوس کے جاہ وجلال کے باوجود شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے ہوئے اس طرح سر جھکائے ہوئے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا سر اونٹنی کے پالان سے لگ لگ جاتا تھا۔ آپ کی یہ کیفیت تواضع خداوندِ قدوس کا شکر ادا کرنے اور اس کی بارگاہِ عظمت میں اپنی عجز و نیاز مندی کا اظہار کرنے کے لئے تھی۔ (زرقانی، ج ۲،ص ۳۲۰۔ ۳۲۱)

بیت اللہ میں داخلہ:۔ پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور حضرت اُسامہ بن زید کو اونٹنی کے پیچھے بٹھا کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ کعبہ کے کلید بردار بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے مسجد حرام میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور کعبہ کا طواف کیا اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلیٰ مکۃ، رقم ۴۲۸۹،ج ۵،ص ۱۴۸۔۱۴۹)

کعبہ کے اندرونِ حصار تین سو ساٹھ بتوں کی قطار تھی۔ آپ خود بہ نفس نفیس ایک چھڑی لے کر کھڑے ہوئے اور ان بتوں کو چھڑی کی نوک سے ٹھونکے مار مار کر گراتے جاتے تھے۔ اور ''جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ'' کی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح، رقم الحدیث ۴۲۸۷، ج۵، ص ۱۴۸)

پھر ان بتوں کو جو عین کعبہ کے اندر تھے آپ نے ان سب کو نکالنے کا حکم فرمایا۔ جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہو گیا تو آپ اپنے ساتھ اُسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور تمام گوشوں پر تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی پڑھی۔

(بخاری، ج ١،ص ٢١٨ و بخاری، ج ٢، ص ٦١٤)

کعبہ مقدسہ کے اندر سے جب آپ باہر نکلے تو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَّايَنْزَعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ یعنی لو یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم لوگوں میں رہے گی۔ یہ کنجی تم سے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔ (زرقانی، ج ٢، ص ٢٣٩)

شہنشاہ دو عالم ﷺ کا دربارِ عام: اس کے بعد حرم الٰہی میں آپ نے سب سے پہلا دربار عام منعقد فرمایا جس میں افواج اسلام کے علاوہ ہزاروں کفار و مشرکین کے عوام و خواص کا ایک زبردست اژدھام تھا۔ اس دربار میں آپ نے ایک خطبہ دیا اور پھر اہل مکہ کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا کہ بولو، تم کو معلوم ہے کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔

اس دہشت انگیز اور خوفناک سوال سے تمام مجرمین حواس باختہ ہو کر کانپ اٹھے، لیکن جبینِ رحمت کے پیغمبرانہ تیور کو دیکھ کر سب یک زبان ہو کر بولے "اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ" یعنی آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں۔ یہ سن کر فاتح مکہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریمانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

(شرح الزرقانی، باب غزوة الفتح الأعظم ،ج ٣،ص ٤٤٩ و السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب السیر،باب فتح مکة حرسها الله تعالیٰ،الحدیث: ١٨٢٧٦،ج٩،ص ٢٠٠)

بالکل غیر متوقع طور پر ایک دم اچانک یہ فرمان رحمت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرطِ ندامت سے اشکبار ہو گئیں۔ اور کفار کی زبانوں پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے نعروں سے حرم کعبہ کے در و دیوار پر بارش انوار ہونے لگی۔ مجرموں کی نظر میں ناگہاں ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا کہ سماں ہی بدل گیا، فضا ہی پلٹ گئی اور ایک دم ایسا محسوس ہونے لگا کہ

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا گھر گھر اجالا تھا

فتح مکہ کی تاریخ اس میں بڑا اختلاف یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کون سی تاریخ میں فتح ہوا؟ امام بیہقی نے ۱۳ رمضان، امام مسلم نے ۱۶ رمضان، امام احمد نے ۱۸ رمضان بتایا، مگر محمد بن اسحٰق نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ۲۰ رمضان ۸ ھ کو مکہ فتح ہوا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(شرح الزرقانی، باب غزوة الفتح الأعظم، ج۳، ص۳۹۶-۳۹۷)

فتح مکہ کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں قرآن کریم کی چند آیتوں میں مذکور ہیں ان میں سے سورۂ نصر بھی ہے۔ چنانچہ خداوندِ کریم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠﴿۳﴾

(پ ۳۰، النصر: ۱-۳)

ترجمہ کنزالایمان: جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

درسِ ہدایت: فتح مکہ کے واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عفو و درگزر اور رحم و کرم کا جو اعلان و اظہار فرمایا تاریخ عالم میں کسی فاتح کی زندگی میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

غور فرمائیے کہ اشرافِ قریش کے ان ظالموں اور جفا کاروں میں وہ لوگ بھی تھے جو بارہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر کی بارش کر چکے تھے، وہ خونخوار بھی تھے جنہوں نے بارہا آپ

صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملے کیے تھے، وہ بے رحم و بے درد بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کو شہید، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو لہولہان کر ڈالا تھا۔ وہ اوباش بھی تھے جو برسہابرس تک اپنی بہتان تراشیوں اور شرمناک گالیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو زخمی کر چکے تھے۔ وہ سفاک اور درندہ صفت بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹ چکے تھے۔ وہ ظلم و ستم کے مجسمے، اور پاپ کے پتلے بھی تھے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرادیا تھا اوران کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ وہ جفاکار وخونخوار بھی تھے جن کے جارحانہ حملوں اور ظالمانہ یلغار سے بار بار مدینہ کے درودیوار ہل چکے تھے۔ وہ ستم گار بھی تھے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اوراُن کی ناک کان کاٹنے والے، ان کی آنکھیں پھوڑنے والے، ان کا جگر چبانے والے بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ بے رحم بھی تھے جنہوں نے شمع نبوت کے جاں نثار پروانوں حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت خبیب، حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رسیوں سے باندھ باندھ کر کوڑے مار مار کر جلتی ریتوں پر لٹایا تھا، کسی کو آگ کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر سلایا تھا، کسی کو سولی پر لٹکا کر شہید کر دیا تھا۔ یہ تمام جوروجفا اور ظلم وستم گاری کے پیکر، جن کے جسم کے رونگٹے رونگٹے اور بدن کے بال بال، ظلم وعدوان اور سرکشی وطغیان کے وبال سے شرمناک مظالم اور خوفناک جرموں کے پہاڑ بن چکے تھے، آج یہ سب کے سب دس بارہ ہزار مہاجرین وانصار کے لشکر کی حراست میں مجرم بنے ہوئے کھڑے کانپ رہے تھے اور اپنے دلوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آج ہماری لاشوں کو کتوں سے نچوا کر ہماری بوٹیاں چیلوں اور کوؤں کو کھلا دی جائیں گی اور انصار ومہاجرین کی غضب ناک فوجیں ہمارے بچے بچے کو خاک وخون میں ملا کر ہماری نسلوں کو نیست ونابود کر ڈالیں گی اور ہماری بستیوں کو تاخت وتاراج کر کے تہس نہس کر دیں گی، مگران سب مجرمین کو

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر معاف فرما دیا کہ انتقام تو کیسا؟ بدلا تو کہاں کا؟ آج تم پر کوئی ملامت بھی نہیں۔ اے آسمان بول! اے زمین بتا! اے چاند وسورج تم بولو! کیا تم نے روئے زمین پر ایسا فاتح اور رحم دل شہنشاہ کبھی دیکھا ہے؟ یا کبھی سنا ہے؟ سن لو تمہارے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کوئی فاتح نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر کمال میں بے مثل و بے مثال ہیں۔

مسلمانو! یہ ہے ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور سیرت مبارکہ۔ لہٰذا ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور سیرت مقدسہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے کا جذبہ اپنے دل سے نکال کر اپنے دشمنوں کو درگزر کرنے اور معاف کر دینے کی کوشش کریں۔ کیونکہ لوگوں کی تقصیرات اور خطاؤں کو معاف کر دینا، یہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے اور یہی امت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات میں یہ حدیث پڑھ چکے ہیں کہ ”صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ كَ“ یعنی جو تم سے تعلق کاٹے تم اس سے میل ملاپ رکھو اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دیا کرو اور جو تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے تم اس کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرو اور قرآن مجید میں بھی عفوِ تقصیر اور دشمنوں سے درگزر کر دینے والوں کے بڑے بڑے درجات و مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ (پ ٤، اٰل عمران: ١٣٤)

یعنی لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دینے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں اور بڑے درجات والے ہیں۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور سیرت مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿۶۴﴾ جادو کا علاج

روایت ہے کہ لبید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا جس کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر نمودار ہوا۔ لیکن آپ کے قلب اور عقل واعتقاد پر کچھ بھی اثر نہیں ہوسکا۔ چند روز کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا ہے اور جادو کا جو کچھ سامان ہے وہ فلاں کنوئیں میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے کنوئیں کا پانی نکال کر پتھر اٹھایا تو اس کے نیچے سے کھجور کے گابھے کی تھیلی برآمد ہوئی۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک جو کنگھی سے ٹوٹے تھے اور کنگھی کے ٹوٹے ہوئے کچھ دندانے اور ایک ڈور یا کمان کا چلہ جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ایک موم کا پُتلا جس میں گیارہ سوئیاں چبھی تھیں۔ یہ سب سامان پتھر کے نیچے سے نکلا اور یہ سب سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی دونوں سورتیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ نازل ہوئیں۔ ان دونوں سورتوں میں گیارہ آیتیں ہیں۔ ہر ایک آیت کے پڑھنے سے ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالکل شفایاب ہوگئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۹۸) اور جادو کا سارا سامان زیر زمین دفن کر دیا گیا۔

درسِ ھدایت:۔ تعویذات اور عملیات جس میں کوئی لفظ کفر و شرک کا نہ ہو جائز ہیں۔ اسی طرح گنڈے بنانا اور ان پر گرہیں لگا کر آیات قرآن اور اسماء الٰہیہ پڑھ کر پھونک مارنا بھی جائز ہے۔ جمہور صحابہ اور تابعین اسی پر ہیں، اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سورتوں کو پڑھ

کر اس پر دم فرماتے تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان ، ص ٧٦٣،پ ٣٠،الفلق: ٤)

اور بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب بستر مبارک پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر دم فرمایا کرتے اور اپنے سر سے پاؤں تک پورے جسم مبارک پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھرایا کرتے تھے جہاں تک دست مبارک پہنچ سکتے، یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔ (تفسیر خزائن العرفان ، ص ٧٦٢،پ ٣٠،الناس: ٦)

خلاصہ یہ ہے کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ یہ دونوں سورتیں جن وشیاطین اور نظر بد وآسیب اور تمام امراض خصوصاً جادو ٹونے کا مجرب علاج ہیں۔ ان کو لکھ کر تعویذ بنائیں اور گلے میں پہنائیں۔ اور ان کو بار بار پڑھ کر مریض پر دم کریں اور کھانے پانی اور دواؤں پر پڑھ کر پھونک ماریں اور مریض کو کھلائیں پلائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مرض خصوصاً جادو ٹونا دفع ہو جائے گا اور مریض شفایاب ہو جائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید کی دوسری تمام سورتوں کے خصوصی خواص ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب ''جنتی زیور'' میں تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیا ہے اور ان اعمال کی ہر سنی مسلمان پابند شریعت کو ہم نے اجازت بھی دے دی ہے۔ لہٰذا سنی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان اعمال قرآنی کے فوائد و منافع سے خود بھی فیض یاب ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ'' (کشف الخفاء ومزیل الالباس ،ج ١،ص ٣٤٨،رقم الحدیث ١٢٥٢) یعنی بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

سورة الفلق

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿٢﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿٣﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿٤﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾

(پ ٣٠،الفلق: ١۔٥)

ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے اس کی سب مخلوق کی شر سے اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے جب وہ ڈوبے اور اُن عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حسد والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے۔

سورۃ الناس

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ۬ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾ (پ ۳۰، النّاس: ۱۔۶)

ترجمہ کنزالایمان: تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب سب لوگوں کا بادشاہ سب لوگوں کا خدا اس کے شر سے جو دل میں بُرے خطرے ڈالے اور دبک رہے وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی۔

﴿۶۵﴾ حضرت خضر علیہ السلام کی بتائی ہوئی دعا

حضرت علامہ محمد بن سماک علیہ الرحمۃ بہت جلیل القدر محدث اور باکرامت ولی تھے۔ ایک مرتبہ یہ بہت سخت بیمار ہو گئے تو ان کے متوسلین ان کا قارورہ لے کر ایک نصرانی طبیب کے پاس چلے۔ راستے میں ان لوگوں کو ایک بہت ہی خوش پوشاک بزرگ ملے جن کے بدن سے بہترین خوشبو آ رہی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت محمد بن سماک علیہ الرحمۃ بہت سخت علیل ہیں یہ اُن کا قارورہ ہے جس کو ہم فلاں طبیب کے پاس لے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر ان بزرگ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! ایک اللہ عزوجل کے ولی کے لئے تم لوگ ایک اللہ عزوجل کے دشمن سے مدد طلب کر رہے ہو؟ قارورہ پھینک کر واپس جاؤ اور محمد بن سماک علیہ الرحمۃ سے کہہ دو کہ مقام درد پر وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ (پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۱۰۵) پڑھ کر دم کریں۔

یہ فرما کر بزرگ غائب ہو گئے اور لوگوں نے واپس ہو کر حضرت محمد سماک علیہ الرحمۃ سے ذکر کیا تو آپ نے مقام درد پر ہاتھ رکھ کر آیت کے ان دونوں جملوں کو پڑھا تو فوراً ہی آرام ہو گیا۔ پھر حضرت محمد بن سماک علیہ الرحمۃ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ بزرگ جنہوں نے تم لوگوں کو یہ وظیفہ بتایا، تمہیں یہ خبر ہے کہ وہ کون بزرگ تھے؟ لوگوں نے کہا کہ جی نہیں۔ ہم لوگوں نے انہیں نہیں پہچانا۔ تو حضرت محمد بن سماک علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ (تفسیر مدارك التنزيل، ج٣، ص ١٩٥، پ ١٥، بنی اسرائیل: ١٠٥)

قرآن مجید کی آیت کا اتنا سا ٹکڑا ہر مرض کی مکمل دوا اور مجرب علاج ہے۔ مرض کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھ دیا جائے تو بیماری دور ہو جاتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پڑھنے والا پابند شریعت اور صدق مقال و رزق حلال پر کاربند ہو۔ بلاشبہ یہ آیت شفاء امراض کے لئے قرآن مجید کے عجائب میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

تلاوت کی اھمیت و آداب

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٍ وَحَرَامٍ وَمُحْكَمٍ وَمُتَشَابِهٍ وَاَمْثَالٍ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَعَمِلُوْا بِالْمُحْكَمِ وَاٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ.

(مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ج١، ص٩٩، رقم١٨٢)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پانچ طریقوں پر نازل ہوا۔ حلال و حرام و محکم و متشابہ اور امثال۔ تو تم لوگ حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام جانو اور محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ اور مثلوں (گزشتہ امتوں کے قصوں اور مثالوں) سے عبرت حاصل کرو۔

قرآن عظیم کے مذکورہ بالا پانچوں مضامین پر مطلع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن پاک کو بغور اور بار بار سمجھ کر پڑھا جائے۔ اسی لئے تلاوتِ قرآن مجید کا اس قدر زیادہ ثواب ہے کہ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں یعنی مثلاً کسی نے صرف الٓـمّٓ پڑھا اور اس کی تلاوت مقبول ہوگئی تو اس کو تیس نیکیاں ملیں گی کیونکہ اس نے قرآن کے تین حرفوں کو پڑھا ہے۔

تلاوت کے چند آداب

{۱} مسواک کر کے صحیح طریقے سے وضو کر لے اور قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر الفاظ و معانی میں غور و فکر کرتے ہوئے دل کو پوری طرح متوجہ کر کے خشوع و خضوع اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ تلاوت میں مشغول ہو اور نہ بہت بلند آواز سے پڑھے اور نہ بہت پست آواز کرے۔ بلکہ درمیانی آواز سے پڑھے۔

{۲} بہتر یہ ہے کہ دیکھ کر تلاوت کرے کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور عبادتوں میں ثواب بھی دوگنا ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی اس کے لئے دو ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے زبانی پڑھا اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(کنزالعمال، کتاب الاذکار، قسم الاقوال، الباب فی تلاوۃ القرآن الخ رقم ۲۳۰۱، ج ۱، ص ۲۶۰)

{۳} تین دن سے کم میں قرآن کریم نہ ختم کرے بلکہ کم از کم تین دن یا سات دن یا چالیس دن میں قرآن کریم ختم کرے تا کہ معانی و مطالب کو سمجھ کر تلاوت کرے۔

{۴} ترتیل کے ساتھ اطمینان سے اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ﴿۴﴾ (پ ۲۹، المزّمّل: ۴)

یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کو پڑھو۔

اس میں کئی فائدے ہیں، اولاً تو اس سے قرآن مجید کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اور ثانیاً قرآن مجید کے عجائب وغرائب کو سوچنا اور معانی کو سمجھنا ہی تلاوت کا مقصودِ اعظم ہے اور یہ ترتیل کے بغیر دشوار ہے۔

{۵} بوقت تلاوت ہر لفظ کے معانی پر نظر رکھے اور وعدہ و وعید کو سمجھنے کی کوشش کرے اور ہر خطاب میں اپنے کو مخاطب تصور کرے اور امر و نہی اور قصص و حکایات میں اپنے آپ کو مرجع خطاب سمجھے اور احکام پر عمل پیرا ہونے اور ممنوعات سے باز رہنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

{۶} دورانِ تلاوت جس جگہ جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر آئے یا حفظ و امان اور سلامتی ایمان یا کسی بھی پسندیدہ چیز کا ذکر آئے تو ٹھہر کر دعا کرے اور جس جگہ جہنم اور اسکے عذابوں کا ذکر آئے یا ان جیسی کسی بھی باعث خوف چیز کا تذکرہ آئے تو ٹھہر کر ان چیزوں سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگے اور خوفِ الٰہی عزوجل سے رو پڑے اور اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنالے۔

{۷} رات کے وقت تلاوت کی کثرت کرے کیونکہ اس وقت ذہن پرسکون اور دل مطمئن ہوتا ہے۔ تلاوت کے لئے سب سے افضل وقت سال بھر میں رمضان شریف کے آخری دس ایام اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔ اس کے بعد جمعہ پھر دوشنبہ پھر پنج شنبہ اور رات میں تلاوت کا بہترین وقت مغرب اور عشاء کے درمیان ہے اور اس کے بعد نصف شب کے بعد اور دن میں سب سے عمدہ صبح کا وقت ہے۔

{۸} خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ حروف کی صحیح ادائیگی اور اوقاف کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرے مگر اس کا لحاظ رہے کہ خوش الحانی کے لئے قواعد موسیقی اور گانے کے لہجوں کا ہرگز ہرگز استعمال نہ کرے۔

{۹} تلاوت کے وقت قرآن کریم کی عظمت پر نظر رکھے اور آیت کریمہ

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ (پ۲۸،الحشر:۲۱)

یعنی اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔آیت کے اس مضمون کو بوقت تلاوت اپنے ذہن میں حاضر رکھے اور خوفِ الٰہی سے بھرپور ہوکر نہایت عاجزی کے ساتھ تلاوت کرے۔

{۱۰} جو آیتیں اپنے حال کے مطابق ہوں،ان کو بار بار پڑھنا چاہیے اور قرآن عظیم پڑھتے وقت یہ خیال جمائے کہ گویا خداوندِ تعالیٰ کے حضور میں پڑھ رہا ہے۔جب اس منزل پر پہنچ جائے تو یہ تصور جمائے کہ گویا رب کریم مجھ ہی سے خطاب فرمارہا ہے اور اس ترقی کی انتہا یہ ہے کہ یہ تصور پیدا ہوجائے کہ قرآن عظیم پڑھنے والا گویا اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات وافعال کو اسکے کلام میں دیکھ رہا ہے۔لیکن یہ بلند مرتبہ صدیقین کے لئے مخصوص ہے ہر کس وناکس کو یہ حاصل نہیں ہوتا۔

{۱۱} جب تنہائی میں ہو تو درمیانی آواز سے تلاوت کرنا بہتر ہے۔لیکن اگر بلند آواز سے تلاوت کرنے میں ریاکاری کا خوف ہو یا کسی نمازی کی نماز میں خلل کا اندیشہ ہو یا کچھ لوگ گفتگو میں مصروف ہیں اور ان کے تلاوت نہ سننے کا گمان ہو تو ان صورتوں میں قرآن مجید کو آہستہ پڑھنا بہتر ہے۔ایسے مواقع کے لئے حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ''پوشیدہ عمل'' ظاہری عمل سے ستر گنا زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

بہرحال قرآن مجید کی تلاوت کے وقت آداب کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ دین و دنیا کی بے شمار برکتیں حاصل ہوں اور ہرگز ہرگز آداب سے غفلت نہ ہونے پائے کہ یہ غفلت برکاتِ دین سے بہت بڑی محرومی کا سبب ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغَافِلِیْنَ اٰمِین بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ O

غرائب القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُبَسْمِلاً وَّمُحَمِّدًا وَّمُصَلِّیًا

عرض مصنف

بحمدہٖ تعالیٰ ''عجائب القرآن'' طبع ہو جانے کے بعد جو پینسٹھ عنوانوں پر قرآنی عجائبات کا بہترین گلدستہ ہے۔ اب قرآن مجید کے مزید چند عجائبات اور تعجب خیز و حیرت انگیز واقعات کا مجموعہ، جو ستر عنوانوں پر مشتمل ہے، نیز ان عنوانات سے تعلق رکھنے والی آیتوں کا ترجمہ، تفسیر و شانِ نزول و نکات و درسِ ہدایت ''غرائب القرآن'' کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

''عجائب القرآن'' اور ''غرائب القرآن'' یہ دونوں کتابیں قرآن مجید کے مضامین پر ایام علالت میں میری محنتوں کا ثمرہ ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میری ان دینی تصنیفات کو قبولیت دارین کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے۔ اور میرے لئے، نیز والدین، اساتذہ و تلامذہ و مریدین کے لئے زادِ آخرت و ذریعۂ مغفرت بنائے اور میرے نواسہ عزیز القدر مولانا فیض الحق صاحب کو فیضانِ علم و عمل و برکاتِ دارین کی دولتوں سے مالا مال فرمائے کہ وہ اس کتاب کی تدوین و تبییض میں میرے شریکِ کار بنے رہے۔ (آمین)

ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ وہ میری مکمل صحت و عافیت کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ تاکہ میں صحت مند ہو کر آخرِ حیات تک درسِ حدیث و مواعظ و تصنیفات کا کام جاری رکھ سکوں۔

وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

گھوسی۔ ۲۳ رمضان ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُبَسۡمِلاً وَّمُحَمِّدًا وَّمُصَلِّیًا

﴿۱﴾ تخلیق آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کی نہ ماں ہیں نہ باپ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے بنایا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب خداوند قدوس عزوجل نے آپ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی مٹی لائیں۔ حکمِ خداوندی عزوجل کے مطابق حضرت عزرائیل علیہ السلام نے آسمان سے اتر کر زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی تو پوری روئے زمین کی اوپری پرت چھلکے کے مانند اتر کر آپ کی مٹھی میں آگئی۔ جس میں ساٹھ رنگوں اور مختلف کیفیتوں والی مٹیاں تھیں یعنی سفید و سیاہ اور سرخ و زرد رنگوں والی اور نرم و سخت، شیریں و تلخ، نمکین و پھیکی وغیرہ کیفیتوں والی مٹیاں شامل تھیں۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص ۴۸)

پھر اس مٹی کو مختلف پانیوں سے گوندھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد یہ چپکنے والی بن گئی۔ پھر ایک مدت تک یہ گوندھی گئی تو کیچڑ کی طرح بودار گارا بن گئی۔ پھر یہ خشک ہو کر کھنکھناتی اور بجتی ہوئی مٹی بن گئی۔ پھر اس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا پُتلا بنا کر جنت کے دروازے پر رکھ دیا گیا جس کو دیکھ دیکھ کر فرشتوں کی جماعت تعجب کرتی تھی۔ کیونکہ فرشتوں نے ایسی شکل و صورت کی کوئی مخلوق کبھی دیکھی ہی نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں روح کو داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ روح داخل ہو کر جب آپ کے نتھنوں میں پہنچی تو آپ کو چھینک آئی اور جب روح زبان تک پہنچ گئی، تو آپ نے "**الحمدللّٰہ**" پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**یرحمک اللّٰہ**" یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے۔ اے ابومحمد (آدم) میں نے تم کو

اپنی حمد ہی کے لئے بنایا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ پورے بدن میں روح پہنچ گئی اور آپ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (تفسیر خازن، ج ۱، ص ۴۳، پ ۱، البقرۃ : ۳۰)

ترمذی اور ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا جس مٹی سے بنایا گیا چونکہ وہ مختلف رنگوں اور مختلف کیفیتوں کی مٹیوں کا مجموعہ تھی اسی لئے آپ کی اولاد یعنی انسانوں میں مختلف رنگوں اور قسم قسم کے مزاجوں والے لوگ ہو گئے۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۴۹، پ ۱، البقرۃ : ۳۰)

حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد یا ابو البشر اور آپ کا لقب ''خلیفۃ اللہ'' ہے اور آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ نے نو سو ساٹھ برس کی عمر پائی اور بوقت وفات آپ کی اولاد کی تعداد ایک لاکھ ہو چکی تھی۔ جنہوں نے طرح طرح کی صنعتوں اور عمارتوں سے زمین کو آباد کیا۔ (تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۴۸، پ ۱، البقرۃ : ۳۰)

قرآن مجید میں بار بار اس مضمون کا بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ (پ ۳، آل عمران: ۵۹)

ترجمہ کنزالایمان :۔ عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

دوسری آیت میں اس طرح فرمایا کہ

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ (پ ۲۳، الصّافات: ۱۱)

ترجمہ کنزالایمان :۔ بیشک ہم نے ان کو چپکتی مٹی سے بنایا۔

کہیں یہ فرمایا کہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

(پ ۱٤، الحجر: ۲٦)

ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک ہم نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بودار گارا تھی۔

حضرت حواء رضی اللہ تعالٰی عنہا: جب حضرت آدم علیہ السلام کو خداوندِ قدوس نے بہشت میں رہنے کا حکم دیا تو آپ جنت میں تنہائی کی وجہ سے کچھ ملول ہوئے تو اللہ تعالٰی نے آپ پر نیند کا غلبہ فرمایا اور آپ گہری نیند سو گئے تو نیند ہی کی حالت میں آپ کی بائیں پسلی سے اللہ تعالٰی نے حضرت حواء رضی اللہ تعالٰی عنہا کو پیدا فرما دیا۔

جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک نہایت ہی خوبصورت اور حسین و جمیل عورت آپ کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم کون ہو؟ اور کس لئے یہاں آئی ہو؟ تو حضرت حواء رضی اللہ تعالٰی عنہا نے جواب دیا کہ میں آپ کی بیوی ہوں اور اللہ تعالٰی نے مجھے اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ آپ کو مجھ سے اُنس اور سکون قلب حاصل ہو۔ اور مجھے آپ سے اُنسیت اور تسکین ملے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے مل کر خوش رہیں اور پیار و محبت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور خداوندِ قدوس عزوجل کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں۔ (تفسیر روح المعانی، ج ۱، ص ۳۱٦، پ ۱، البقرۃ: ۳۵)

قرآن مجید میں چند مقامات پر اللہ تعالٰی نے حضرت حواء کے بارے میں ارشاد فرمایا، مثلاً!

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ (پ ٤، النساء: ۱)

ترجمہ کنزالایمان: اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت پھیلا دیئے۔

درسِ ہدایت: حضرت آدم و حواء علیہما السلام کی تخلیق کا واقعہ مضامین قرآن مجید کے ان

عجائبات میں سے ہے جس کے دامن میں بڑی بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کے گوہر آبدار کے انبار پوشیدہ ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اور حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمایا۔قرآن کے اس فرمان سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ خلّاق عالم جل جلالہ نے انسانوں کو چار طریقوں سے پیدا فرمایا ہے:

﴿**اول**﴾ یہ کہ مرد وعورت دونوں کے ملاپ سے، جیسا کہ عام طور پر انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف اعلان ہے کہ

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (پ ۲۹،الدھر: ۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے

﴿**دوم**﴾ یہ کہ تنہا مرد سے ایک انسان پیدا ہو۔اور وہ حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمادیا۔

﴿**سوم**﴾ یہ کہ تنہا ایک عورت سے ایک انسان پیدا ہو۔اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو کہ پاک دامن کنواری بی بی مریم علیہا السلام کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

﴿**چہارم**﴾ یہ کہ بغیر مرد وعورت کے بھی ایک انسان کو خداوندِ قدوس عزوجل نے پیدا فرما دیا اور وہ انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے بنا دیا۔

ان واقعات سے مندرجہ ذیل اسباق کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔

{۱} خداوندِ قدوس ایسا قادر و قیوم اور خلّاق ہے کہ انسانوں کو کسی خاص ایک ہی طریقے سے پیدا فرمانے کا پابند نہیں ہے، بلکہ وہ ایسی عظیم قدرت والا ہے کہ وہ جس طرح چاہے انسانوں کو پیدا فرمادے۔ چنانچہ مذکورہ بالا چار طریقوں سے اس نے انسانوں کو پیدا فرمادیا۔ جو اس کی قدرت وحکمت اور اس کی عظیم الشان خلاّقیت کا نشانِ اعظم ہے۔

سبحان اللہ! خداوندِ قدوس کی شانِ خالقیت کی عظمت کا کیا کہنا؟ جس خلاقِ عالم نے کرسی وعرش اور لوح وقلم اور زمین وآسمان کو "کُن" فرما کر موجود فرمادیا اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے حضور خلقتِ انسانی کی بھلا حقیقت وحیثیت ہی کیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تخلیق انسان اس قادر مطلق کا وہ تخلیقی شاہکار ہے کہ کائنات عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ کیونکہ وجود انسان عالم خلق کی تمام مخلوقات کے نمونوں کا ایک جامع مرقع ہے۔ اللہ اکبر! کیا خوب ارشاد فرمایا۔ مولائے کائنات حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے کہ ۔

اَتَحْسِبُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ ‏ وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

ترجمہ:۔ اے انسان! کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے؟ حالانکہ تیری عظمت کا یہ حال ہے کہ تیرے اندر عالم اکبر سمٹا ہوا ہے۔

{۲} ممکن تھا کہ کوئی مرد یہ خیال کرتا کہ اگر ہم مردوں کی جماعت نہ ہوتی تو تنہا عورتوں سے کوئی انسان پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی طرح ممکن تھا کہ عورتوں کو یہ گمان ہوتا کہ اگر ہم عورتیں نہ ہوتیں تو تنہا مردوں سے کوئی انسان پیدا نہ ہوتا۔ اسی طرح ممکن تھا کہ عورت ومرد دونوں مل کر یہ ناز کرتے کہ اگر ہم مردوں اور عورتوں کا وجود نہ ہوتا تو کوئی انسان پیدا نہیں ہوسکتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے چاروں طریقوں سے انسانوں کو پیدا فرما کر عورتوں اور مردوں دونوں کا منہ بند کردیا کہ دیکھ لو، ہم ایسے قادر وقیوم ہیں کہ حضرت حوا علیہا السلام کو تنہا مرد یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمادیا۔ لہٰذا اے عورتو! تم یہ گمان مت رکھو کہ اگر عورتیں نہ ہوتیں تو کوئی انسان پیدا نہ ہوتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تنہا عورت کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا فرما کر مردوں کو تنبیہ فرمادی کہ اے مردو! تم یہ ناز نہ کرو کہ اگر تم نہ ہوتے تو انسانوں کی پیدائش نہیں ہو سکتی تھی۔ دیکھ لو! ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تنہا عورت کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا فرمادیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مرد وعورت کے مٹی سے پیدا فرما کر عورتوں اور مردوں

کا منہ بند فرما دیا کہ اے عورتو! اور مردو! تم کبھی بھی اپنے دل میں خیال نہ لانا کہ اگر ہم دونوں نہ ہوتے تو انسانوں کی جماعت پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔ دیکھ لو! حضرت آدم علیہ السلام کے نہ باپ ہیں نہ ماں، بلکہ ہم نے ان کو مٹی سے پیدا فرما دیا۔ سبحان اللہ! سچ فرمایا اللہ جل جلالہ نے کہ

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ (پ ۱۳، الرعد: ۱۶)

ترجمہ کنزالایمان: اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے اور وہ اکیلا سب پر غالب ہے

وہ جس کو چاہے اور جیسے چاہے اور جب چاہے پیدا فرما دیتا ہے۔ اس کے افعال اور اس کی قدرت کسی اسباب وعلل، اور کسی خاص طور طریقوں کی بندشوں کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۶﴾ (پ ۳۰، البروج: ۱۶) ہے۔

یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی شان یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یُرِیْدُ ہے۔ یعنی جس چیز اور جس کام کا وہ ارادہ فرماتا ہے اسکو کر ڈالتا ہے۔ نہ کوئی اسکی مشیت وارادہ میں دخل انداز ہوسکتا ہے، نہ کسی کو اسکے کسی کام میں چون و چرا کی مجال ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۲﴾ خلافتِ آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کا لقب ''خلیفۃ اللہ'' ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں میں جو مکالمہ ہوا وہ بہت ہی تعجب خیز ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی فکر انگیز وعبرت آموز بھی ہے، جو حسب ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ: ''اے فرشتو! میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں جو میرا نائب بن کر زمین میں میرے احکام کو نافذ کرے گا۔

ملائکہ: اے باری تعالیٰ کیا تو زمین میں ایسے شخص کو اپنی خلافت ونیابت کے شرف سے سرفراز

فرمائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور قتل و غارت گری سے خوں ریزی کا بازار گرم کرے گا؟ اے خداوند تعالیٰ! اس شخص سے زیادہ تیری خلافت کے حق دار تو ہم ملائکہ کی جماعت ہے، کیونکہ ہم ملائکہ نہ زمین میں فساد پھیلائیں گے، نہ خوں ریزی کریں گے بلکہ ہم تیری حمد وثناء کے ساتھ تیری سبوحیت کا اعلان اور تیری قدوسیت اور پاکی کا بیان کرتے رہتے ہیں اور تیری تسبیح وتقدیس سے ہر لحظہ وہر آن رطب اللسان رہتے ہیں اس لئے ہم فرشتوں کی جماعت ہی میں سے کسی کے سر پر اپنی خلافت ونیابت کا تاج رکھ کر اس کو ''خلیفۃ اللہ'' کے معزز لقب سے سربلند فرما۔

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو! آدم (علیہ السلام) کے خلیفہ بنانے میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان کو میں ہی جانتا ہوں، تم گروہِ ملائکہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کو نہیں جانتے۔

فرشتے باری تعالیٰ کے اس ارشاد کو سن کر اگرچہ خاموش ہو گئے مگر انہوں نے اپنے دل میں یہ خیال چھپائے رکھا کہ اللہ تعالیٰ خواہ کسی کو بھی اپنا خلیفہ بنا دے مگر وہ فضل و کمال میں ہم فرشتوں سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم ملائکہ فضیلت کی جس منزل پر ہیں وہاں تک کسی مخلوق کی بھی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے فضیلت کے تاجدار بہر حال ہم فرشتوں کی جماعت ہی رہے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا علم ان کو عطا فرما دیا اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو! اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ تم سے افضل کوئی دوسری مخلوق نہیں ہو سکتی تو تم تمام ان چیزوں کے نام بتاؤ جن کو میں نے تمہارے پیش نظر کر دیا ہے۔

ملائکہ: اے اللہ تعالیٰ! تو ہر نقص وعیب سے پاک ہے ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جو تو نے ہمیں عطا فرما دیا ہے اس کے سوا ہمیں اور کسی چیز کا کوئی علم نہیں ہے ہم بالیقین یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ بلاشبہ علم وحکمت کا خالق و مالک تو صرف تو ہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم ان فرشتوں کو تمام چیزوں کے نام بتاؤ۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے تمام اشیاء کے نام اور ان کی حکمتوں کا علم فرشتوں کو بتا دیا جس کو سن کر فرشتے متعجب و محو حیرت ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو! کیا میں نے تم سے یہ نہیں فرما دیا تھا کہ میں آسمان و زمین کی چھپی ہوئی تمام چیزوں کو جانتا ہوں اور تم جو علانیہ یہ کہتے تھے کہ آدم فساد برپا کریں گے اس کو بھی میں جانتا ہوں اور تم جو خیالات اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے کہ کوئی مخلوق تم سے بڑھ کر افضل نہیں پیدا ہوگی، میں تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے ان خیالات کو بھی جانتا ہوں۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے فضل و کمال کے اظہار و اعلان کے لئے اور فرشتوں سے ان کی عظمت و فضیلت کا اعتراف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم فرمایا کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو چنانچہ سب فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو کافر ہو کر مردودِ بارگاہ ہو گیا۔

اس پورے مضمون کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ طرزِ بیان میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىٕكَةِۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَاؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ﱪ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ(۳۴) (پ ۱،البقرة: ۳۰۔۳٤)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کرے اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔فرمایا اے آدم بتا دے انہیں سب اشیاء کے نام جب آدم نے انہیں سب کے نام بتا دیئے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

درسِ ہدایت:۔ان آیاتِ کریمہ سے مندرجہ ذیل ہدایت کے اسباق ملتے ہیں۔

{۱} اللہ تعالیٰ کی شان فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ(۱۶) ہے۔یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کوئی اس کے ارادہ میں دخل انداز ہوسکتا ہے نہ کسی کی مجال ہے کہ اس کے کسی کام میں چون و چرا کر سکے۔ مگر اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و خلافت کے بارے میں خداوند قدوس نے ملائکہ کی جماعت سے مشورہ فرمایا۔اس میں یہ ہدایت کا سبق ہے کہ باری تعالیٰ جو سب سے زیادہ علم و قدرت والا ہے اور فاعل مختار ہے جب وہ اپنے ملائکہ سے مشورہ فرماتا ہے تو بندے جن کا علم اور اقتدار و اختیار بہت ہی کم ہے تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ جس کسی کام کا ارادہ کریں تو اپنے مخلص دوستوں، اور صاحبانِ عقل ہمدردوں سے اپنے کام کے بارے میں مشورہ کر لیا کریں

کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا مقدس دستور ہے۔

{۲} فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا کہ وہ فسادی اور خوں ریز ہیں۔ لہٰذا ان کو خلافتِ الٰہیہ سے سرفراز کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم فرشتوں کو خلافت کا شرف بخشا جائے۔ کیونکہ ہم ملائکہ خدا کی تسبیح و تقدیس اور اس کی حمد و ثناء کو اپنا شعار زندگی بنائے ہوئے ہیں لہٰذا ہم ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔

فرشتوں نے اپنی یہ رائے اس بناء پر دی تھی کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ پیدا ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں باری تعالیٰ ودیعت فرمائے گا، ایک قوت شہویہ، دوسری قوت غضبیہ، تیسری قوت عقلیہ اور چونکہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ ان دونوں سے لوٹ مار اور قتل و غارت وغیرہ قسم قسم کے فسادات رونما ہوں گے، اس لئے فرشتوں نے باری تعالیٰ کے جواب میں یہ عرض کیا کہ اے خداوند تعالیٰ! کیا تو ایسی مخلوق کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمائیگا جو زمین میں قسم قسم کے فساد برپا کریگا اور قتل و غارت گری سے زمین میں خوں ریزی کا طوفان لائیگا؟ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تو ہم فرشتوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے۔ کیونکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح پڑھتے ہیں اور تیری تقدیس اور پاکی کا چرچا کرتے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر فرشتوں کو خاموش کر دیا کہ میں جس مخلوق کو خلیفہ بنا رہا ہوں اس میں جو جو مصلحتیں اور جیسی جیسی حکمتیں ہیں ان کو بس میں ہی جانتا ہوں تم فرشتوں کو ان حکمتوں اور مصلحتوں کا علم نہیں ہے۔

وہ مصلحتیں اور حکمتیں کیا تھیں؟ اس کا پورا پورا علم تو صرف عالم الغیوب ہی کو ہے۔ مگر ظاہری طور پر ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں قوت شہویہ و قوت غضبیہ کو فساد و خوں ریزی کا منبع اور سرچشمہ سمجھ کر ان کو خلافت کا اہل نہیں سمجھا۔ مگر فرشتوں کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ حضرت آدم علیہ السلام میں قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کے ساتھ ساتھ قوت عقلیہ بھی ہے اور قوت عقلیہ کی یہ شان ہے کہ اگر وہ

غالب ہوکر قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنالے تو قوت شہویہ وقوت غضبیہ بجائے فساد وخوں ریزی کے ہر خیر وخوبی کا منبع اور ہر قسم کی صلاح وفلاح کا سرچشمہ بن جایا کرتی ہیں، یہ نکتہ فرشتوں کی نگاہ سے اوجھل رہ گیا۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں فرمایا کہ میں جو جانتا ہوں اس کو تم نہیں جانتے اور فرشتے یہ سن کر خاموش ہوگئے۔

اس سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ چونکہ بندے خداوند قدوس کے افعال اور اس کے کاموں کی مصلحتیں اور حکمتوں سے کماحقہ واقف نہیں ہیں اس لئے بندوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر تنقید وتبصرہ سے اپنی زبان کو روکے رہیں۔ اور اپنی کم عقلی وکوتاہ فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ ایمان رکھیں اور زبان سے اعلان کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اور جیسا بھی کیا بہر حال وہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے کاموں کی حکمتوں اور مصلحتوں کو خوب جانتا ہے جن کا ہم بندوں کو علم نہیں ہے۔

{۳} اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے ناموں، اور ان کی حکمتوں کا علم بذریعہ الہام ایک لمحہ میں عطا فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کا حصول کتابوں کے سبقاً سبقاً پڑھنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس بندے پر اپنا فضل فرمادے اس کو بغیر سبق پڑھنے اور بغیر کسی کتاب کے بذریعہ الہام چند لمحوں میں علم حاصل کرادیتا ہے اور بغیر تحصیل علم کے اس کا سینہ علم وعرفان کا خزینہ بن جایا کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء کرام کے بارے میں معتبر روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی کسی مدرسہ میں قدم نہیں رکھا۔ نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا نہ کبھی کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، مگر شیخ کامل کی باطنی توجہ اور فضل ربی کی بدولت چند منٹوں بلکہ چند سیکنڈوں میں الہام کے ذریعے وہ تمام علوم ومعارف کے جامع کمالات بن گئے اور ان بزرگوں کے علمی تبحر اور عالمانہ مہارت کا یہ عالم ہوگیا کہ بڑے بڑے درسگاہی مولوی جو علوم ومعارف کے پہاڑ شمار کئے جاتے تھے ان بزرگوں کے سامنے طفل مکتب

نظر آنے لگے۔
{۴}ان واقعات سے معلوم ہوا کہ خدا کی نیابت اور خلافت کا دارومدار کثرتِ عبادت اور تسبیح وتقدیس نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار علوم ومعارف کی کثرت پر ہے۔ چنانچہ حضرات ملائکہ علیہم السلام باوجود کثرت عبادت اور تسبیح وتقدیس ''خلیفۃ اللہ'' کے لقب سے سرفراز نہیں کئے گئے اور حضرت آدم علیہ السلام علوم ومعارف کی کثرت کی بناء پر خلافت کے شرف سے ممتاز بنا دیئے گئے جس پر قرآن مجید کی آیات کریمہ شاہد عدل ہیں۔
{۵} اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علوم کی کثرت کو عبادت کی کثرت پر فضیلت حاصل ہے اور ایک عالم کا درجہ ایک عابد سے بہت زیادہ بلند تر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے علمی فضل وکمال اور بلند درجات کے اظہار واعلان کے لئے اور ملائکہ سے اس کا اعتراف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے روبرو سجدہ کریں۔ چنانچہ تمام ملائکہ نے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت آدم کو سجدہ کرلیا اور وہ اس کی بدولت تقرب الی اللہ اور محبوبیت خداوندی کی منزل بلند پر فائز ہو گئے اور ابلیس چونکہ اپنے تکبر کی منحوسیت میں گرفتار ہو کر اس سجدہ سے انکار کر بیٹھا تو وہ مردودِ بارگاہ الٰہی ہو کر ذلت وگمراہی کے ایسے عمیق غار میں گر پڑا کہ قیامت تک وہ اس غار سے نہیں نکل سکتا اور ہمیشہ ہمیشہ وہ دونوں جہان کی لعنتوں کا حق دار بن گیا اور قہر قہار وغضب جبار میں گرفتار ہو کر دائمی عذابِ نار کا سزاوار بن گیا۔
{٦} اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے علم کو جانچنے اور علم کی قلت وکثرت کا اندازہ لگانے کے لئے امتحان کا طریقہ جو آج کل رائج ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ ہے کہ خداوندِ عالم نے فرشتوں کے علم کو کم اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو زائد ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان لیا۔ تو فرشتے اس امتحان میں ناکام رہ گئے اور حضرت آدم علیہ

السلام کامیاب ہو گئے۔

{۷} ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کا پُتلا کہہ کر ان کی تحقیر کی اور اپنے کو آتشی مخلوق کہہ کر اپنی بڑائی اور تکبر کا اظہار کیا اور سجدۂ آدم علیہ السلام سے انکار کیا، درحقیقت شیطان کے اس انکار کا باعث اس کا تکبر تھا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تکبر وہ بری شے ہے کہ بڑے سے بڑے بلند مراتب و درجات والے کو ذلت کے عذاب میں گرفتار کر دیتی ہے بلکہ بعض اوقات تکبر کفر تک پہنچا دیتا ہے اور تکبر کے ساتھ ساتھ جب محبوبانِ بارگاہ الٰہی کی توہین اور تحقیر کا بھی جذبہ ہو تو پھر تو اس کی شناعت و خباثت اور بے پناہ منحوسیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا اور اس کے ابلیس لعین ہونے میں کوئی شک وشبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے ان لوگوں کو عبرت آموز سبق لینا چاہئے جو بزرگان دین کی توہین کر کے اپنی عبادتوں پر اظہار تکبر کرتے رہتے ہیں کہ وہ اس دور میں ابلیس کہلانے کے مستحق نہیں تو پھر کیا ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۳﴾ علوم آدم علیہ السلام کی ایک فہرست

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتنے اور کس قدر علوم عطا فرمائے اور کن کن چیزوں کے علوم و معارف کو عالم الغیب والشہادۃ نے ایک لمحہ کے اندر ان کے سینہ اقدس میں بذریعہ الہام جمع فرما دیا، جن کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام علوم و معارف کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہو گئے کہ فرشتوں کی مقدس جماعت آپ کے علمی وقار و عرفانی عظمت و اقتدار کے روبرو سربسجود ہو گئی، ان علوم کی ایک فہرست آپ قطب زمانہ حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ کی شہرۂ آفاق تفسیر روح البیان شریف میں پڑھئے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے، وہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا نام، تمام زبانوں میں سکھا دیا اور ان کو تمام ملائکہ کے نام اور تمام اولادِ آدم کے نام، اور تمام حیوانات و نباتات و جمادات کے نام، اور تمام چیز کی صنعتوں کے نام اور تمام شہروں اور تمام بستیوں کے نام اور تمام پرندوں اور

درختوں کے نام اور جو آئندہ عالم وجود میں آنے والے ہیں سب کے نام اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جانداروں کے نام اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے نام اور جنت کی تمام نعمتوں کے نام اور تمام چیزوں اور سامانوں کے نام، یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کے نام۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات لاکھ زبانیں سکھائی ہیں۔

(تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۱۰۰، پ ۱، البقرۃ: ۳۱)

ان علوم مذکورہ بالا کی فہرست کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ جوامع الکلم کے انداز بیان میں صرف ایک جملہ کے اندر بیان فرمادیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (پ ۱، البقرۃ: ۳۱)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

درسِ ہدایت:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے خزائن علم کی یہ عظیم فہرست دیکھ کر سوچئے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے علوم و معارف کی یہ منزل ہے تو پھر حضور سید آدم و سرورِ اولادِ آدم، خلیفۃ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم عالیہ کی کثرت و وسعت اور ان کی رفعت و عظمت کا کیا عالم ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ واللہ حضرت آدم علیہ السلام کے علوم کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سے اتنی بھی نسبت نہیں ہوسکتی جتنی کہ ایک قطرہ کو سمندر سے اور ایک ذرہ کو تمام روئے زمین سے نسبت ہے۔ اللہ اکبر! کہاں علوم آدم اور کہاں علوم سید عالم! ؎

فرش تا عرش سب آئینہ ، ضمائر حاضر
بس قسم کھایئے اُمّی تیری دانائی کی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

﴿۴﴾ ابلیس کیا تھا اور کیا ہو گیا؟

ابلیس جس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ یہ فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا جو آگ سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن

یہ فرشتوں کے ساتھ ساتھ ملا جلا رہتا تھا اور دربارِ خداوندی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے بلند درجات و مراتب سے سرفراز تھا۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابلیس چالیس ہزار برس تک جنت کا خزانچی رہا اور اَسّی ہزار برس تک ملائکہ کا ساتھی رہا اور بیس ہزار برس تک ملائکہ کو وعظ سناتا رہا اور تیس ہزار برس تک مقربین کا سردار رہا اور ایک ہزار برس تک روحانیین کی سرداری کے منصب پر رہا اور چودہ ہزار برس تک عرش کا طواف کرتا رہا اور پہلے آسمان میں اس کا نام عابد اور دوسرے آسمان میں زاہد، اور تیسرے آسمان میں عارف اور چوتھے آسمان میں ولی اور پانچویں آسمان میں تقی اور چھٹے آسمان میں خازن اور ساتویں آسمان میں عزازیل تھا اور لوحِ محفوظ میں اس کا نام ابلیس لکھا ہوا تھا اور یہ اپنے انجام سے غافل اور خاتمہ سے بے خبر تھا۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۵۱، پ ۱، البقرۃ: ۳۴، تفسیر جمل، ج ۱ ص ۶۰)

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے انکار کردیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تحقیر اور اپنی بڑائی کا اظہار کرکے تکبر کیا اسی جرم کی سزا میں خداوندِ عالم نے اس کو مردودِ بارگاہ کرکے دونوں جہان میں ملعون فرمادیا اور اس کی پیروی کرنے والوں کو جہنم میں عذابِ نار کا سزاوار بنادیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہوا کہ

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۶﴾ۙ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ

شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ (پ۸،الاعراف:۱۲۔۱۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرے نکل تو ہے ذلت والوں میں بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے مہلت ہے بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور پیچھے اور داہنے اور بائیں سے اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندہ ہوا ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔

درسِ ہدایت:۔ قرآن مجید کے اس عجیب واقعہ میں عبرتوں اور نصیحتوں کی بڑی بڑی درخشندہ اور تابندہ تجلیاں ہیں اسی لئے اس واقعہ کو خداوند قدوس نے مختلف الفاظ میں اور متعدد طرز بیان کے ساتھ قرآن مجید کے سات مقامات میں بیان فرمایا ہے یعنی سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورۂ طٰہٰ، سورۂ صٓ میں اس دل ہلا دینے والے واقعہ کا تذکرہ مذکور ہے جس سے مندرجہ ذیل حقائق کا درس ہدایت ملتا ہے۔

{۱} اس سے ایک بہت بڑا درس ہدایت تو یہ ملتا ہے کہ کبھی ہرگز ہرگز اپنی عبادتوں اور نیکیوں پر گھمنڈ اور غرور نہیں کرنا چاہئے اور کسی گنہگار کو اپنی مغفرت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انجام کیا ہو گا اور خاتمہ کیسا ہو گا عام بندوں کو اس کی کوئی خبر نہیں ہے اور نجات وفلاح کا دارو مدار درحقیقت خاتمہ بالخیر پر ہی ہے بڑے سے بڑا عابد اگر اس کا خاتمہ بالخیر نہ ہوا تو وہ جہنمی ہو گا اور بڑے سے بڑا گنہگار اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا تو وہ جنتی ہو گا دیکھ لو ابلیس کتنا بڑا عبادت گزار

اور کس قدر مقرب بارگاہ تھا اور کیسے کیسے مراتب و درجات کے شرف سے سرفراز تھا۔ مگر انجام کیا ہوا؟ کہ اس کی ساری عبادتیں غارت و اکارت ہوگئیں اور وہ دونوں جہان میں ملعون ہو کر عذابِ جہنم کا حق دار بن گیا۔ کیونکہ اس کو اپنی عبادتوں اور بلندیٔ درجات پر غرور اور تکبر ہو گیا تھا مگر وہ اپنے انجام اور خاتمہ سے بالکل بے خبر تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندہ اہل جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے اور ایک بندہ اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْم** یعنی عمل کا اعتبار خاتموں پر ہے۔

(مشکوٰۃالمصابیح، کتاب الایمان،باب الایمان بالقدر، الفصل الاول، ص ۲۰)

خداوند کریم ہر مسلمان کو خاتمہ بالخیر کی سعادت نصیب فرمائے اور برے انجام اور برے خاتمہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

{۲} اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم ہو یا جاہل متقی ہو یا گنہ گار ہر آدمی کو زندگی بھر شیطان کے وسوسوں سے ہوشیار اور اس کے فریبوں سے بچتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ شیطان نے قسم کھا کر خدا کے حضور میں اعلان کر دیا ہے کہ میں آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے وسوسہ ڈال کر تیرے بندوں کو صراط مستقیم سے بہکاتا رہوں گا اور بہت سے بندوں کو خدا کا شکر گزار ہونے سے روک دوں گا۔

{۳} شیطان نے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چار جانبوں سے انسانوں پر حملہ آور ہونے اور وسوسہ ڈالنے کا اعلان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اوپر اور نیچے ان دو جانبوں سے شیطان انسانوں پر کبھی حملہ آور نہیں ہوگا نہ اوپر اور نیچے کی جانب سے کوئی وسوسہ ڈال سکے گا۔ لہٰذا اگر کوئی انسان اپنے اوپر یا نیچے کی طرف سے کوئی روشنی یا کوئی بھی حیرت انگیز و تعجب خیز چیز دیکھے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شیطانی کرتب یا ابلیس کا وسوسہ نہیں ہے بلکہ اس کو خیر سمجھ کر اس کی

جانب متوجہ ہواور خداوندقدوس کی طرف سے خیراور بھلائی کی امید رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۵﴾بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب

جب ''میدان تیہ'' میں بنی اسرائیل نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم زمین سے اگنے والے غلے اور ترکاریاں کھائیں گے تو ان لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم لوگ ''من وسلویٰ'' کے نفیس کھانے کو چھوڑ کر گیہوں، دال اور ترکاریوں جیسی خسیس اور گھٹیا غذائیں کیوں طلب کررہے ہو؟ مگر جب بنی اسرائیل اپنی ضد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم لوگ میدان تیہ سے نکل کر شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اور وہاں بے روک ٹوک اپنی پسند کی اور من بھاتی غذائیں کھاؤ مگر یہ ضروری ہے کہ تم لوگ بیت المقدس کے دروازے میں کمال ادب واحترام کے ساتھ جھک کر داخل ہونا اور داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگتے رہنا کہ یا اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے تو ہم تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے۔

مگر بنی اسرائیل جو ہمیشہ سے سرکش اور شرارتوں کے عادی اور خدا کی نافرمانیوں کے خوگر تھے، بیت المقدس کے قریب پہنچ کر ایک دم ان لوگوں کی رگ شرارت بھڑک اٹھی اور یہ نافرمان لوگ بجائے جھک کے داخل ہونے کے اپنی سرینوں پر گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے اور حِطَّۃٌ (معافی کی دعا) کے بدلے حبۃ فی شعرۃ (ایک دانہ ہے ایک بال میں) کہتے ہوئے اور مذاق وتمسخر کرتے ہوئے بیت المقدس کے دروازے میں گھستے چلے گئے۔ فرمانِ ربانی کی اس نافرمانی اور حکم الٰہی کے ساتھ تمسخر کی وجہ سے ان لوگوں پر قہر خداوندی بصورت عذاب نازل ہوگیا کہ اچانک ان لوگوں میں طاعون کی بیماری وبائی شکل میں پھیل گئی اور گھنٹہ بھر میں ستر ہزار بنی اسرائیل درد وکرب سے مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

(صاوی، ج ۱، ص ۳۱ و جلالین)

طاعون:۔ ایک مہلک وبائی بیماری ہے جس کو ڈاکٹر ''پلیگ'' کہتے ہیں اس بیماری میں گردن اور بغلوں اور کنجِ ران میں آم کی گٹھلی کے برابر گلٹیاں نکل آتی ہیں۔ جن میں بے پناہ درد اور نا قابل برداشت سوزش ہوتی ہے اور شدید بخار چڑھ جاتا ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور دردناک جلن سے شعلہ کی طرح جلنے لگتی ہیں اور مریض شدتِ درد اور شدید بے چینی و بے قراری میں تڑپ تڑپ کر بہت جلد مر جاتا ہے اور جس بستی میں یہ وبا پھیل جاتی ہے اس بستی کی اکثر آبادی موت کے گھاٹ اتر جاتی ہے اور ہر طرف ویرانی اور خوف و ہراس کا دور دورہ پھیل جاتا ہے۔

اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کے اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْؕ وَ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ع (پ ۱، البقرۃ:۵۸۔۵۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے کہ نیکی والوں کو اور زیادہ دیں تو ظالموں نے اور بات بدل دی جو فرمائی گئی تھی اس کے سوا تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا بدلہ ان کی بے حکمی کا۔

درسِ ہدایت:۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی نافرمانی اور احکام ربانی کے ساتھ تمسخر و مذاق کرنے کا کتنا بھیانک اور کس قدر ہولناک انجام ہوتا ہے کہ آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ برقرار ہی ہے دنیا میں قہر الٰہی بصورت عذاب نازل ہو جاتا ہے جس سے لوگ ہلاک ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور بستیاں ویران ہو جاتی ہیں **معاذ اللہ منہ**۔

فائدہ:۔ ''طاعون'' بنی اسرائیل کے حق میں عذاب تھا مگر اس خیر الامم یعنی خاتم الانبیاء صلی

اللہ علیہ وسلم کی امت کے حق میں یہ بیماری رحمت ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہوتا ہے۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ٦٨، پ ۱، البقرة: ٥٩)

مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں جانا نہیں چاہئے اور اگر اپنی بستی میں وبا آ جائے تو بستی چھوڑ کر دوسری جگہ بھاگنا نہیں چاہیئے بلکہ طاعون کی وبا میں اپنی بستی ہی کے اندر خدا پر توکل کر کے صبر کے ساتھ رہنا چاہئے اگر اس بیماری میں مر گیا تو شہید ہوگا اور طاعون کے ڈر سے بستی چھوڑ کر بھاگنے والے پر اتنا بڑا گناہ ہوتا ہے جتنا کہ جہاد کے دن میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں پر گناہ ہوتا ہے اس لئے ہرگز ہرگز بھاگنا نہیں چاہئے بلکہ اس بیماری میں صبر کے ساتھ اپنی ہی بستی میں مقیم رہنا چاہئے کہ اس پر خداوند تعالیٰ نے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿٦﴾ صفا و مروہ

یہ چھوٹی چھوٹی دو پہاڑیاں ہیں جو حرم کعبہ مکرمہ کے بالکل قریب ہی ہیں اور آج کل تو بلند عمارتوں اور اونچی سڑکوں اور دونوں پہاڑیوں کے درمیان چھت بن جانے اور تعمیرات کے ردوبدل سے دونوں پہاڑیاں برائے نام ہی کچھ بلندی رکھتی ہیں۔ انہی دونوں پہاڑیوں پر چڑھ کر اور چکر لگا کر حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت پانی کی جستجو اور تلاش کی تھی جب کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے اور پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے تھے اسی لئے زمانہ قدیم سے یہ دونوں پہاڑیاں بہت مقدس مانی جاتی ہیں اور حجاج کرام ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھ کر بڑے احترام اور جذبہ عقیدت کے ساتھ طواف کرتے اور دعائیں مانگا کرتے تھے۔

مگر زمانہ جاہلیت میں ایک مرد جس کا نام ''اساف'' تھا اور ایک عورت جس کا نام ''نائلہ''

تھا ان دونوں خبیثوں نے خانہ کعبہ کے اندر زنا کاری کر لی تو ان دونوں پر یہ قہرِ الٰہی نازل ہو گیا کہ یہ دونوں مسخ ہو کر پتھر کی مورت اور بت بن گئے پھر زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں نے ان دونوں مجسموں کو کعبہ سے اٹھا کر صفا و مروہ کی دونوں پہاڑیوں پر رکھ دیا اور ان دونوں بتوں کی پوجا کرنے لگے۔

پھر جب عرب میں اسلام پھیل گیا تو مسلمان ''اساف و نائلہ'' دونوں بتوں کی وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں پر جانے کو گناہ سمجھنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حکم نازل فرمایا کہ صفا و مروہ کے طواف اور ان دونوں کی زیارت میں کوئی حرج و گناہ نہیں بلکہ حج و عمرہ دونوں عبادتوں میں صفا و مروہ کا طواف ضروری ہے۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۱۳۲، پ ۲، البقرۃ : ۱۵۸)

فتح مکہ کے دن حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہاڑیوں پر سے ''اساف و نائلہ'' دونوں بتوں کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دیا اور ان دونوں پہاڑیوں کو حسب دستور سابق مقدس و معظم قرار دے کر ان دونوں کا طواف حج و عمرہ میں ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىٕرِ اللّٰهِۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَاؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًاۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ﴿۱۵۸﴾ (پ ۲، البقرۃ: ۱۵۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔ بیشک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے۔

درسِ ہدایت:۔ صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوڑ کر

پانی تلاش کیا تو ایک نبی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی اور ایک نبی یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدم ان پہاڑیوں پر پڑ جانے سے ان دونوں پہاڑیوں کو یہ عزت و عظمت مل گئی کہ حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک مقدس یادگار بن جانے کا ان دونوں پہاڑیوں کو اعزاز و شرف مل گیا اور یہ دونوں پہاڑیاں حج و عمرہ کرنے والوں کے لئے طواف وسعی کا ایک مقبول ومحترم مقام بن گئیں۔ اس سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ اللہ والوں اور اللہ والیوں سے اگر کسی جگہ کو کوئی خاص تعلق حاصل ہو جائے تو وہ جگہ بہت معزز ومعظم بن جاتی ہے اور ہر مسلمان کے لئے وہ جگہ قابل تعظیم ولائق احترام ہو جاتی ہے ورنہ مکہ معظّمہ میں بہت سی پہاڑیاں اور چھوٹے بڑے بہت سے پہاڑ ہیں، مگر صفا ومروہ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کو جو تقدس و عظمت حاصل ہے وہ کسی دوسرے پہاڑ کو حاصل نہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں پہاڑیاں ایک اللہ والی کی ایک مبارک جدوجہد کی یادگار ہیں۔

اسی پر گنبد خضراء اور اولیاء اللہ کے روضوں اور ان حضرات کی عبادت گاہوں اور دوسرے مقدس مقامات کو قیاس کر لینا چاہئے کہ یہ سب خاصانِ خدا کی نسبت وتعلق کی وجہ سے معزز و معظم اور قابل تقدس ولائق تعظیم واحترام ہیں اور ان سب جگہوں کی تعظیم وتوقیر خداوند قدوس کی خوشنودی کا باعث اور ان سب مقامات کی بے ادبی وتحقیر قہر قہار وغضب جبار کا سبب ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو جو گنبد خضراء اور مقابر اولیاء اللہ کی بے ادبی کرتے اور ان کو منہدم اور مسمار کرنے کا پلان بناتے رہتے ہیں، انہیں ان حقائق کے ستاروں سے ہدایت کی روشنی حاصل کرنی چاہئے اور اپنی نحوستوں اور بدبختیوں سے تائب ہو کر صراطِ مستقیم کی راہ پر ثابت قدم ہو جانا چاہئے۔ خداوند قدوس اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل میں سب کو ہدایت کا نور عطا فرمائے اور صراطِ مستقیم کی شاہراہ پر چلائے۔ (آمین)

﴿۷﴾ ستر آدمی مر کر زندہ ہو گئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر چالیس دن کے لئے تشریف لے گئے تو ''سامری'' منافق نے چاندی سونے کے زیورات پگھلا کر ایک بچھڑے کی مورت بنا کر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں تلے کی مٹی اس مورت کے منہ میں ڈال دی تو وہ زندہ ہو کر بولنے لگا۔ پھر سامری نے مجمع عام میں یہ تقریر شروع کر دی کہ اے بنی اسرائیل! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) خدا سے باتیں کرنے کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے ہیں لیکن خدا تو خود ہم لوگوں کے پاس آ گیا ہے اور بچھڑے کی طرف اشارہ کر کے بولا کہ یہی خدا ہے ''سامری'' نے ایسی گمراہ کن تقریر کی کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کے خدا ہونے کا یقین آ گیا اور وہ بچھڑے کو پوجنے لگے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے واپس تشریف لائے تو بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجتے دیکھ کر بے حد ناراض ہوئے پھر غضب وجلال میں آ کر اس بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر برباد کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی ہے وہ لوگ بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ستر ہزار بچھڑے کی پوجا کرنے والے قتل ہو گئے۔ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہِ طور پر لے جائیں اور یہ سب لوگ بچھڑا پوجنے والوں کی طرف سے معذرت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگیں کہ بچھڑا پوجنے والوں کے گناہ معاف ہو جائیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چن چن کر اچھے اچھے ستر آدمیوں کو ساتھ لیا اور کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ جب لوگ کوہِ طور پر طلب معذرت واستغفار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ

''اے بنی اسرائیل! میں ہی ہوں، میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں میں نے ہی تم لوگوں کو فرعون کے ظلم سے نجات دے کر تم لوگوں کو بچایا ہے لہٰذا تم لوگ فقط میری ہی عبادت کرو اور میرے سوا کسی کو مت پوجو۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سن کر یہ ستر آدمی ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ یہ ستر آدمی اپنی ضد پر بالکل اَڑ گئے کہ ہم کو آپ خدا کا دیدار کرائیے ورنہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے کہ خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا، مگر یہ شریر و سرکش لوگ اپنے مطالبہ پر اڑے رہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و جلال کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے ایک ایسی خوفناک چیخ ماری کہ خوف و ہراس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور یہ ستر آدمی مر گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے کچھ گفتگو کی اور ان لوگوں کے لئے زندہ ہو جانے کی دعا مانگی تو یہ لوگ زندہ ہو گئے۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ٦٤، ٦٥، پ ۱، البقرۃ: ٥٥، ٥٦)

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (پ ۱، البقرۃ: ٥٥، ٥٦)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آ لیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو۔

درسِ ہدایت:۔ {۱} اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے پیغمبر کی بات نہ مان کر اپنی ضد پر اڑے رہنا بڑی ہی خطرناک بات ہے پھر ان ستر آدمیوں کا مر کر زندہ ہو جانا یہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا اظہار و اعلان ہے، تاکہ لوگ ایمان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

{۲} اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا قانون یہ تھا کہ گناہِ

شرک کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے، پھر قوم کے نیک لوگ ان کے لئے طلب معذرت اور دعاءِ مغفرت کریں، تب ان شرک کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی تھی۔ مگر ہمارے حضور سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چونکہ آسان شریعت ہے اس لئے اس کے قانون میں توبہ قبول ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ گناہ کرنے والے نے اگرچہ کفر و شرک کا گناہ کرلیا ہو سچے دل سے اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندہ ہو کر معافی طلب کرے اور اپنے دل میں یہ عہد و عزم کرے کہ پھر وہ یہ گناہ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا اور اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا۔ توبہ قبول ہونے کے لئے گناہ کرنے والوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

سبحان اللہ! یہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے طفیل ہے کہ وہ اپنی امت پر رؤف و رحیم اور بے حد مہربان ہیں تو ان کے طفیل اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب کی امت پر بہت زیادہ رحیم و کریم بلکہ ارحم الراحمین ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

﴿۸﴾ ایک تاریخی مناظرہ

یہ نمرود اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مناظرہ ہے جس کی روئیداد قرآن مجید میں مذکور ہے۔

نمرود کون تھا؟:۔ ''نمرود'' بڑے طنطنے کا بادشاہ تھا سب سے پہلے اس نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ یہ ولد الزنا اور حرامی تھا اور اس کی ماں نے زنا کرالیا تھا جس سے نمرود پیدا ہوا تھا کہ سلطنت کا کوئی وارث پیدا نہ ہوگا تو بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ حرامی لڑکا بڑا ہو کر بہت اقبال مند ہوا اور بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہی صرف چار ہی شخصوں کو ملی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔ حضرت سلیمان

علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین تو صاحبان ایمان تھے اور نمرود و بخت نصر یہ دونوں کافر تھے۔ نمرود نے اپنی سلطنت بھر میں یہ قانون نافذ کر دیا تھا کہ اس نے خوراک کی تمام چیزوں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ یہ صرف ان ہی لوگوں کو خوراک کا سامان دیا کرتا تھا جو لوگ اس کی خدائی کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے دربار میں غلہ لینے کے لئے تشریف لے گئے تو اس خبیث نے کہا کہ پہلے تم مجھ کو اپنا خدا تسلیم کرو جبھی میں تم کو غلہ دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھرے دربار میں علی الاعلان فرما دیا کہ تو جھوٹا ہے اور میں صرف ایک خدا کا پرستار ہوں جو وحدہ لاشریک لہ ہے یہ سن کر نمرود آپے سے باہر ہو گیا اور آپ کو دربار سے نکال دیا اور ایک دانہ بھی نہیں دیا۔ آپ اور آپ کے چند متبعین جو مومن تھے بھوک کی شدت سے پریشان ہو کر جاں بلب ہو گئے۔ اس وقت آپ ایک تھیلا لے کر ایک ٹیلے کے پاس تشریف لے گئے اور تھیلے میں ریت بھر کر لائے اور خداوند قدوس سے دعا مانگی تو وہ ریت آٹا بن گئی اور آپ نے اس کو اپنے متبعین کو کھلایا اور خود بھی کھایا۔ پھر نمرود کی دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے آپ کو آگ میں ڈلوا دیا۔ مگر وہ آگ آپ پر گلزار بن گئی اور آپ سلامتی کے ساتھ اس آگ سے باہر نکل آئے اور علی الاعلان نمرود کو جھوٹا کہہ کر خدائے وحدہ لاشریک لہ کی توحید کا چرچا کرنے لگے۔ نمرود نے آپ کے کلمہ حق سے تنگ آ کر ایک دن آپ کو اپنے دربار میں بلایا اور حسب ذیل مکالمہ بہ صورت مناظرہ شروع کر دیا۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۲۱۹، ۲۲۰، پ ۳، البقرۃ: ۲۵۸)

نمرود: اے ابراہیم! بتاؤ تمہارا رب کون ہے جس کی عبادت کی تم لوگوں کو دعوت دے رہے ہو؟

حضرت ابراھیم: اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے۔

نمرود: یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ اس وقت اس نے دو قیدیوں کو جیل خانہ سے دربار میں

بلوایا ایک کو موت کی سزا ہو چکی تھی اور دوسرا رِہا ہو چکا تھا۔نمرود نے پھانسی پانے والے کو تو چھوڑ دیا اور بے قصور کو پھانسی دے دی اور بولا کہ دیکھ لو کہ جو مردہ تھا میں نے اس کو جلا دیا اور جو زندہ تھا میں نے اس کو مردہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ نمرود بالکل ہی احمق اور نہایت ہی گھامڑ آدمی ہے جو ''جلانے اور مارنے'' کا یہ مطلب سمجھ بیٹھا، اس لئے آپ نے اس کے سامنے ایک دوسری بہت ہی واضح اور روشن دلیل پیش فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراھیم: اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو مغرب سے نکال دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دلیل سن کر نمرود مبہوت و حیران رہ گیا اور کچھ بھی نہ بول سکا۔ اس طرح یہ مناظرہ ختم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مناظرہ میں فتح مند ہو کر دربار سے باہر تشریف لائے اور توحیدِ الٰہی کا وعظ علی الاعلان فرمانا شروع کر دیا۔قرآن مجید نے اس مناظرہ کی روئیداد ان لفظوں میں بیان فرمائی کہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾ (پ۳،البقرۃ:۲۵۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابرائیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جب کہ ابرائیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں ابرائیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے تو اس کو پچھم سے لے آ تو ہوش اُڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔

درسِ ہدایت:۔اس واقعہ سے چند اسباق کی روشنی ملتی ہے کہ

{۱} حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند تعالیٰ کی توحید کے اعلان پر پہاڑ کی طرح قائم رہے نہ نمرود کی بے شمار فوجوں سے خائف ہوئے، نہ اس کے ظلم و جبر سے مرعوب ہوئے بلکہ جب اس ظالم نے آپ کو آگ کے شعلوں میں ڈلوادیا اس وقت بھی آپ کے پائے عزم و استقلال میں بال برابر لغزش نہیں ہوئی اور آپ برابر نعرۂ توحید بلند کرتے رہے پھر اس بے رحم نے آپ پر دانہ پانی بند کردیا۔ اس پر بھی آپ کے عزم و استقامت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ پھر اس نے آپ کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور دربارِ شاہی میں طلب کیا تاکہ شاہی رعب وداب دکھا کر آپ علیہ السلام کو مرعوب کردے لیکن آپ نے بالکل بے خوف ہو کر مناظرہ کا چیلنج قبول فرمالیا اور دربارِ شاہی میں پہنچ کر ایسی مضبوط اور دندان شکن دلیل پیش فرمائی کہ نمرود کے ہوش اڑ گئے اور وہ ہکابکا ہوکر لاجواب اور خاموش ہو گیا اور بھرے دربار میں اس کلمہ حق کی تجلی ہو گئی کہ

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ (پ۱۵، بنی اسرائیل:۸۱)

ترجمہ کنزالایمان: حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صداقت وحقانیت کا پرچم سربلند ہو گیا اور نمرود ایک مچھر جیسی حقیر مخلوق سے ہلاک کردیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ سے علماء حق کو سبق لینا چاہیے کہ باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہر قسم کے خوف وہراس اور تکالیف سے بے نیاز ہو کر آخری دم تک ڈٹے رہنا چاہیے اور یہ ایمان ویقین رکھنا چاہیے کہ ضرور ضرور نصرتِ خداوندی ہماری امداد ودستگیری فرمائے گی اور بالآخر باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہم ہی فتح مند ہوں گے اور باطل پرست یقیناً خائب وخاسر ہو کر ہلاک وبرباد ہوجائیں گے۔

{۲} یہ ایمان وعقیدہ مضبوطی کے ساتھ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم حق پرستوں کو غیب سے روزی کا سامان دے گا کیونکہ ظالم نمرود نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینا بند کردیا

اور ملک بھر میں ان کو کہیں ایک دانہ بھی نہیں ملا تو اللہ تعالیٰ نے ریت اور مٹی کو ان کے لئے آٹا بنا دیا اور اسلام کے اس عقیدہ کی حقانیت کا سورج چمک اٹھا کہ

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ (پ ۲۷، الذاریات: ۵۸)

ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا قوت والا قدرت والا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرزِ فکر و عمل اور آپ کا یہ اُسوہ تمام حق پرست عالموں کے لئے چراغ راہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے ضرور ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوں گے یہ وہ تابندہ حقیقت ہے جو آفتاب عالم تاب سے بھی زیادہ تابناک اور روشن ہے۔ سبحان اللہ! کس قدر حقیقت افروز ہے یہ شعر کہ

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

﴿۹﴾ انسانوں میں ہمیشہ دشمنی رہے گی

حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام نہایت ہی آرام اور چین کے ساتھ جنت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ جنت کا جو پھل بھی چاہو بے روک ٹوک سیر ہو کر تم دونوں کھا سکتے ہو۔ مگر صرف ایک درخت کا پھل کھانے کی ممانعت تھی کہ اس کے قریب مت جانا۔ وہ درخت گیہوں تھا یا انگور وغیرہ تھا۔ چنانچہ دونوں اس درخت سے مدت دراز تک بچتے رہے۔ لیکن ان دونوں کا دشمن ابلیس برابر تاک میں لگا رہا۔ آخر اس نے ایک دن اپنا وسوسہ ڈال ہی دیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جس درخت سے تم دونوں کو منع کر دیا ہے وہ ''شجرۃ الخلد'' ہے یعنی جو اس درخت کا پھل کھائے گا، وہ کبھی جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ پہلے حضرت حوا علیہا السلام اس شیطانی وسوسہ کا شکار ہو گئیں اور انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اس پر راضی کر لیا اور وہ ناگہاں غیر ارادی طور پر اس درخت کا پھل

کھا گئے۔

آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (پ۱، البقرۃ:۳۵) کی نہی تنزیہی ہے اور واقعی ہر گز ہر گز نہی تحریمی نہیں تھی۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام نبی ہوتے ہوئے ہر گز ہر گز اس درخت کا پھل نہ کھاتے کیونکہ نبی تو ہر گناہ سے معصوم ہوتا ہے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام سے اس سلسلے میں اجتہادی خطا سرزد ہو گئی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہوتی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۹۴، پ۱، البقرۃ:۳۶)

لیکن حضرت آدم علیہ السلام چونکہ دربارِ الٰہی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے درجات پر فائز تھے اس لئے اس اجتہادی خطا پر بھی موردِ عتاب ہو گئے۔ فوراً ہی بہشتی لباس دونوں کے بدن سے گر پڑے اور یہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا ستر چھپانے لگے، اور خداوند قدوس کا حکم ہو گیا کہ تم دونوں جنت سے زمین پر اتر پڑو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دو خاص باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری اولاد میں بعض، بعض کا دشمن ہوگا کہ ہمیشہ آپس میں انسانوں کی دشمنی چلتی رہے گی۔ دوسری یہ کہ عمر بھر تم دونوں کو زمین میں ٹھہرنا ہے پھر اس کے بعد ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

(پ۱، البقرۃ:۳۶)

ترجمہ کنزالایمان: ۔ تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔

اس ارشادِ ربانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہ جو انسانوں میں مختلف وجوہات کی بناء پر عداوتیں اور دشمنیاں چل رہی ہیں یہ کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ لاکھ کوشش کرو کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان عداوت اور دشمنی کا خاتمہ ہوجائے مگر چونکہ یہ حکم خداوندی کے باعث ہے اس لئے یہ عداوتیں کبھی ہرگز ختم نہ ہوں گی۔ کبھی ایک ملک دوسرے ملک کا دشمن ہوگا، کبھی مزدور اور سرمایہ دار میں دشمنی رہے گی، کبھی امیر وغریب کی عداوت زور پکڑے گی، کبھی مذہبی ولسانی دشمنی رنگ لائے گی، کبھی تہذیب وتمدن کے باہمی ٹکراؤ کی دشمنی ابھرے گی، کبھی ایمان داروں اور بے ایمانوں کی عداوت رنگ دکھائے گی۔

الغرض دنیا میں انسانوں کی آپس میں عداوت ودشمنی کا بازار ہمیشہ گرم ہی رہے گا اس لئے لوگوں کو اس سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ اس عداوت اور دشمنی کو ختم کرنے کی تدبیروں پر غور وخوض کرکے پریشان ہونے سے کوئی فائدہ ہے۔

کیونکہ جس طرح اندھیرے اور اجالے کی دشمنی، آگ اور پانی کی دشمنی، گرمی اور سردی کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہوسکتی، ٹھیک اسی طرح انسانوں میں آپس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے زمین پر آنے سے پہلے ہی یہ فرما دیا کہ **بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ** یعنی ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن ہوگا تو یہ عداوت ودشمنی خلقی اور فطری ہے جو حکمِ الٰہی اور اس کی مشیت سے ہے تو پھر بھلا کون ہے جو اس عداوت کا دنیا سے خاتمہ کرا سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۱۰﴾ آدم علیہ السلام کی توبہ کیسے قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک ندامت کی وجہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھا اور روتے ہی رہے روایت ہے کہ اگر تمام انسانوں کے آنسو جمع کئے جائیں تو اتنے نہیں ہوں گے جتنے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام کے خوفِ الٰہی

سے زمین پر گرے اور اگر تمام انسانوں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کو جمع کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوان سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۵۵، پ ۱، البقرۃ: ۳۷)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ پڑھ کر دعا مانگی کہ

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ.

یعنی اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بہت ہی بلند مرتبہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۱، ص ۶۳، پ ۱، البقرۃ: ۳۷)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اور اگر تو ہمیں رحم فرما کر نہ بخشے گا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

(تفسیر جلالین، ص ۱۳۱، پ ۸، الاعراف: ۲۳)

لیکن حاکم و طبرانی و ابو نعیم و بیہقی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتابِ الٰہی ہوا تو آپ توبہ کی فکر میں حیران تھے۔ ناگہاں اس پریشانی کی عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ مرتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ ملا کر عرش پر تحریر فرمایا ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ کے

ساتھ یہ عرض کیا کہ اسئلك بحق محمد ان تغفرلی اور ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات بھی ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهِ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ خَطِيْئَتِیْ

یعنی اے اللہ! تیرے بندۂ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں اور ان کی بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بخش دے۔ یہ دعا کرتے ہی حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی اور توبہ مقبول ہوئی۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، پ ۱، البقرۃ:۳۷)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۳۷﴾

(پ ۱، البقرۃ:۳۷)

ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

درسِ ہدایت:۔ اس واقعہ سے چند اسباق پر روشنی پڑتی ہے جو یہ ہیں:

{۱} اس سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے وسیلہ سے بحق فلاں و بجاہ فلاں کہہ کر دعا مانگنی جائز اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔

{۲} حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ دسویں محرم کو قبول ہوئی جنت سے نکلتے وقت دوسری نعمتوں کے ساتھ عربی زبان بھی آپ سے بھلا دی گئی تھی اور بجائے اس کے سریانی زبان آپ کی زبان پر جاری کر دی گئی تھی۔ مگر توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی زبان بھی آپ کو عطا کر دی گئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۹۵، پ ۱، البقرۃ: ۳۷)

{۳} چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا اجتہادی تھی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہے اس لیے جو شخص حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی یا ظالم کہے گا وہ نبی کی توہین کے سبب سے کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے وہ اپنے بندۂ خاص حضرت آدم علیہ السلام کو جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلافِ ادب کوئی لفظ زبان پر لائے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے کلمات کو دلیل بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و اطاعت کا حکم فرمایا ہے لہٰذا ہم پر یہی لازم ہے کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء کرام کا ادب و احترام لازم جانیں اور ہرگز ہرگز ان حضرات کی شان میں کوئی ایسا لفظ نہ بولیں جس میں ادب کی کمی کا کوئی شائبہ بھی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۱۱﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ ''حواری'' جو آپ پر ایمان لا کر اور اپنے اپنے اسلام کا اعلان کر کے اپنے تن من دھن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت و حمایت کے لئے ہر وقت اور ہر دم کمر بستہ رہے، یہ کون لوگ تھے؟ اور ان لوگوں کو ''حواری'' کا لقب کیوں اور کس معنیٰ کے لحاظ سے دیا گیا؟

تو اس بارے میں صاحب تفسیر جمل نے فرمایا کہ ''حواری'' کا لفظ ''حور'' سے مشتق ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں چونکہ ان لوگوں کے کپڑے نہایت سفید اور صاف تھے اور ان کے قلوب اور نیتیں بھی صفائی ستھرائی میں بہت بلند مقام رکھتی تھیں اس بناء پر ان لوگوں کو ''حواری'' کہنے لگے اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ چونکہ یہ لوگ رزق حلال طلب کرنے کے لئے دھوبی کا پیشہ اختیار کر کے کپڑوں کی دھلائی کرتے تھے اس لئے یہ لوگ ''حواری'' کہلائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سب لوگ شاہی خاندان سے تھے اور بہت ہی صاف اور سفید کپڑے پہنتے تھے

اس لئے لوگ ان کو حواری کہنے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں آپ کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ پیالہ کبھی کھانے سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے بادشاہ کو اس کی اطلاع دے دی تو اس نے آپ کو دربار میں طلب کر کے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں عیسیٰ بن مریم خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ وہ بادشاہ آپ کی ذات اور آپ کے معجزات سے متاثر ہو کر آپ پر ایمان لایا اور سلطنت کا تخت و تاج چھوڑ کر اپنے تمام اقارب کے ساتھ آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔ چونکہ یہ شاہی خاندان بہت ہی سفید پوش تھا۔ اس لئے یہ سب ''حواری'' کے لقب سے مشہور ہو گئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سفید پوش مچھیروں کی ایک جماعت تھی جو مچھلیوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگ مچھلیوں کا شکار کرتے ہو اگر تم لوگ میری پیروی کرنے پر کمربستہ ہو جاؤ تو تم لوگ آدمیوں کا شکار کر کے ان کو حیات جاودانی سے سرفراز کرنے لگو گے۔ ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو اس وقت ''شمعون'' نامی مچھلی کے شکاری نے دریا میں جال ڈال رکھا تھا مگر ساری رات گزر جانے کے باوجود ایک مچھلی بھی جال میں نہیں آئی تو آپ نے فرمایا کہ اب تم جال دریا میں ڈالو۔ چنانچہ جیسے ہی اس نے جال کو دریا میں ڈالا لمحہ بھر میں اتنی مچھلیاں جال میں پھنس گئیں کہ جال کو کشتی والے نہیں اٹھا سکے۔ چنانچہ دو کشتیوں کی مدد سے جال اٹھایا گیا اور دونوں کشتیاں مچھلیوں سے بھر گئیں۔ یہ معجزہ دیکھ کر دونوں کشتی والے جن کی تعداد بارہ تھی سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ان ہی لوگوں کا لقب ''حواری'' ہے۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ بارہ آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان لوگوں کے ایمان کامل اور حسن نیت کی بناء پر ان لوگوں کو یہ کرامت مل گئی کہ جب بھی ان لوگوں کو بھوک لگتی تو یہ لوگ کہتے کہ یاروح اللہ! ہم کو بھوک لگی ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر

ہاتھ مار دیتے تو زمین سے دو روٹیاں نکل کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جایا کرتی تھیں اور جب یہ لوگ پیاس سے فریاد کیا کرتے تھے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام زمین پر ہاتھ مار دیا کرتے اور نہایت شیریں اور ٹھنڈا پانی ان لوگوں کو مل جایا کرتا تھا اسی طرح یہ لوگ کھاتے پیتے تھے۔ ایک دن ان لوگوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے پوچھا کہ اے روح اللہ! ہم مومنوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی حاصل کر کے دکھائے۔ یہ سن کر ان بارہ حضرات نے رزقِ حلال کے لئے دھوبی کا پیشہ اختیار کرلیا چونکہ یہ لوگ کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اس لئے ''حواری'' کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان کی والدہ نے ایک رنگریز کے ہاں ملازم رکھوا دیا تھا۔ ایک دن رنگریز مختلف کپڑوں کو نشان لگا کر چند رنگوں کو رنگنے کے لئے آپ کے سپرد کر کے کہیں باہر چلا گیا۔ آپ نے ان سب کپڑوں کو ایک ہی رنگ کے برتن میں ڈال دیا۔ رنگریز نے گھبرا کر کہا کہ آپ نے سب کپڑوں کو ایک ہی رنگ کا کر دیا۔ حالانکہ میں نے نشان لگا کر مختلف رنگوں کا رنگنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے کپڑو! تم اللہ تعالٰی کے حکم سے انہی رنگوں کے ہو جاؤ، جن رنگوں کا یہ چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک ہی برتن میں سے لال، سبز، پیلا، جن جن کپڑوں کو رنگریز جس جس رنگ کا چاہتا تھا وہ کپڑا اسی رنگ کا ہو کر نکلنے لگا۔ آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر تمام حاضرین جو سفید پوش تھے اور جن کی تعداد بارہ تھی، سب ایمان لائے یہی لوگ ''حواری'' کہلانے لگے۔

حضرت امام قفال علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ ان بارہ حواریوں میں کچھ لوگ بادشاہ ہوں اور کچھ مچھیرے ہوں اور کچھ دھوبی ہوں اور کچھ رنگریز ہوں۔ چونکہ یہ سب حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مخلص جاں نثار تھے اور ان لوگوں کے قلوب اور نیتیں صاف تھیں اس بناء پر

ان بارہ پاکبازوں اور نیک نفسوں کو''حواری'' کا لقب معزز عطا کیا گیا۔ کیونکہ ''حواری'' کے معنی مخلص دوست کے ہیں۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج۱، ص ۲۳-۴۲۲،پ۳، آل عمران:۵۲)

بہرحال قرآن مجید میں حواریوں کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡہُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾

(پ۳،آل عمران:۵۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ (پ۷،المائدۃ:۱۱۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

درسِ ہدایت:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اگرچہ تعداد میں صرف بارہ تھے مگر یہودیوں کے مقابلہ میں آپ کی نصرت وحمایت میں جس پامردی اور عزم واستقلال کے ساتھ ڈٹے رہے اس سے ہر مسلمان کو دین کے معاملہ میں ثابت قدمی کا سبق ملتا ہے۔

اس قسم کے مخلص احباب اور مخصوص جاں نثار اصحاب اللہ تعالیٰ ہر نبی کو عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ جنگ خندق کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر نبی کے ''حواری'' ہوئے

ہیں اور میرے حواری ''زبیر'' ہیں۔

(مشکوٰۃالمصابیح، کتاب الفتن،باب مناقب العشرۃرضی اللہ عنھم،الفصل الاول،ص۵٦۵)

اور حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ قریش میں بارہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ''حواری'' ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔

(۱)حضرت ابوبکر (۲)حضرت عمر (۳)حضرت عثمان (۴)حضرت علی (۵)حضرت حمزہ (۶) حضرت جعفر (۷) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (۸) حضرت عثمان بن مظعون (۹)حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۱۰)حضرت سعد بن ابی وقاص (۱۱)حضرت طلحہ بن عبیداللہ (۱۲)حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کہ ان مخلص جاں نثاروں نے ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کا بے مثال ریکارڈ قائم کردیا۔

(تفسیر معالم التنزیل للبغوی،ج ۱، ص ۲۳٦،پ ۳، آل عمران: ۵۲)

جہنم کے دروازے پر نام

حضرت سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اللہ عزوجل کے محبوب، دانائے غیوب منزہٌ عن العیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان عبرت نشان ہے:

مَنْ تَرَکَ صَلَاۃً مُتَعَمِّدًا کُتِبَ اسْمُہٗ عَلٰی بَابِ النَّارِ فِیْمَنْ یَدْخُلُھَا

یعنی ''جوکوئی جان بوجھ کر ایک نماز بھی قضا کردیتا ہے، اس کا نام جہنم کے اس دروازے پر لکھ دیا جاتا ہے جس سے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''

(حلیۃ الاولیاء، ج۷، ص۲۹۹، حدیث ۱۰۵۹۰)(فیضان سنت،ج۱،ص۱۲۸۲)

﴿۱۲﴾ مرتدین سے جہاد کرنے والے

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں چند آدمی اور وفات اقدس کے بعد بہت لوگ مرتد ہونے والے تھے جن سے اسلام کی بقا کو شدید خطرہ لاحق ہونے والا تھا۔لیکن قرآن مجید نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی اور یہ پیش گوئی فرمادی کہ اس بھیانک اور خطرناک وقت پر اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو پیدا فرمائے گا جو اسلام کی محافظت کرے گی اور وہ ایسی چھ صفتوں کی جامع ہوگی جو تمام دنیوی واخروی فضائل وکمالات کا سرچشمہ ہیں اور یہی چھ صفات ان محافظین اسلام کی علامات اوران کی پہچان کا نشان ہوں گی اور وہ چھ صفات یہ ہیں:

{۱} وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے {۲} وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے

{۳} وہ مومنین پر بہت مہربان ہوں گے {۴} وہ کافروں کے لئے بہت سخت ہوں گے {۵} وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے {۶} وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہیں ہوں گے۔

صاحب تفسیر جمل نے کشاف کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ عرب کے گیارہ قبیلے اسلام قبول کر لینے کے بعد آگے پیچھے اسلام سے منحرف ہوکر مرتد ہو گئے۔ تین قبائل تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں اور سات قبیلے حضرت امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور ایک قبیلہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے بعد۔مگر یہ گیارہ قبائل اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود اسلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ بلکہ مجاہدین اسلام کے سرفروشانہ جہادوں کی بدولت یہ سب مرتدین تہس نہس ہوکر فنا کے گھاٹ اتر گئے اور پرچم اسلام برابر بلند سے بلند تر ہوتا ہی چلا گیا۔اورقرآن مجید کا وعدہ اورغیب کی خبر بالکل سچ اور صحیح ثابت ہوکر رہی۔

زمانہ رسالت کے تین مرتدین:۔ {۱} قبیلہ بنی مدلج جس کا رئیس ''اسود عنسی'' تھا

جو ''ذوالحمار'' کے لقب سے مشہور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور یمن کے سرداروں کو فرمان بھیجا کہ مرتدین سے جہاد کریں۔ چنانچہ فیروز دیلمی کے ہاتھ سے اسود عنسی قتل ہوا اور اس کی جماعت بکھر گئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بستر علالت پر یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اسود عنسی قتل ہوگیا ہے۔ اس کے دوسرے دن ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوگیا۔

{۲} قبیلہ بنو حنیفہ جس کا سردار ''مسیلمہ کذاب'' تھا۔ جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد فرمایا اور لڑائی کے بعد حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مسیلمۃ الکذاب مقتول ہوا اور اس کا گروہ کچھ قتل ہوگیا اور کچھ دوبارہ دامنِ اسلام میں آ گئے۔

{۳} قبیلہ بنو اسد، جس کا امیر طلحہ بن خویلد تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابلہ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور جنگ کے بعد طلحہ بن خویلد شکست کھا کر ملک شام بھاگ گیا مگر پھر دوبارہ اسلام قبول کرلیا اور آخری دم تک اسلام پر ثابت قدم رہا اور اس کی فوج کچھ کٹ گئی کچھ تائب ہو کر پھر دوبارہ مسلمان ہوگئے۔

خلافت صدیق اکبر کے سات مرتد قبائل:۔

﴿۱﴾ قبیلہ فزارہ جس کا سردار عیینہ بن حصن فزاری تھا ﴿۲﴾ قبیلہ غطفان جس کا سردار قرہ بن سلمہ قشیری تھا ﴿۳﴾ قبیلہ بنو سلیم جس کا سرغنہ فجاءۃ بن یالیل تھا ﴿۴﴾ قبیلہ بنی یربوع جس کا سربراہ مالک بن بریدہ تھا ﴿۵﴾ قبیلہ بنو تمیم جن کی امیر سجاح بنت منذر ایک عورت تھی جس نے مسیلمۃ الکذاب سے شادی کرلی تھی ﴿۶﴾ قبیلہ کندہ جو اشعث بن قیس کے پیروکار تھے ﴿۷﴾ قبیلہ بنو بکر جو خطمی بن یزید کے تابعدار تھے۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مرتد ہونے والے ساتوں قبیلوں سے مہینوں تک بڑی خونریز جنگ فرمائی۔ چنانچہ کچھ ان میں سے مقتول ہوگئے اور کچھ توبہ کر کے پھر دامنِ اسلام میں آ گئے۔

دورِ فاروقی کا مرتد قبیلہ:امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں صرف ایک ہی قبیلہ مرتد ہوا اور یہ قبیلہ غسان تھا۔ جس کی سرداری جبلہ بن ایہم کررہا تھا۔ مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرچم کے نیچے صحابہ کرام نے جہاد کر کے اس گروہ کا قلع قمع کردیا اور پھر اس کے بعد کوئی قبیلہ بھی مرتد ہونے کے لئے سر نہیں اٹھا سکا۔

اس طرح مرتد ہونے والے ان گیارہ قبیلوں کا سارا فتنہ وفساد مجاہدین اسلام کے جہادوں کی بدولت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

(تفسیر جمل علی الجلالین،ج۲، ص ۲۳۹،پ۶، المائدۃ:۵۴)

ان مرتدین سے لڑنے والے اور ان شریروں کا قلع قمع کرنے والے صحابہ کرام تھے۔ جن کے بارے میں برسوں پہلے قرآنِ مجید نے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ٘ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴿۵۴﴾ (پ ۶،المائدہ: ۵۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

درسِ ہدایت:۔ان آیات سے حسبِ ذیل انوار ہدایت کی تجلیاں نمودار ہوتی ہیں۔

مرتدین کے فتنوں اور شورشوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ

مرتدوں کے مقابلہ کے لئے ہر دور میں ایک ایسی جماعت کو پیدا فرما دے گا جو تمام مرتدین کی فتنہ پردازیوں کو ختم کر کے اسلام کا بول بالا کرتے رہے گی جن کی چھ نشانیاں ہوں گی۔

ان آیات بینات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہوں نے مرتدین کے گیارہ قبائل کی شورشوں کو ختم کر کے پرچم اسلام کو بلند سے بلند تر کر دیا۔ یہ صحابۂ کرام مندرجہ ذیل چھ عظیم صفات کے شرف سے سرفراز تھے۔ یعنی {۱} صحابہ کرام اللہ کے محبوب ہیں {۲} وہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں {۳} وہ اللہ تعالیٰ کے محبّ ہیں {۴} وہ مسلمانوں کے لئے رحم دل ہیں {۵} وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں {۶} وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کا اندیشہ وخوف نہیں رکھتے۔

پھر آیت کے آخر میں خداوند قدوس نے ان صحابہ کرام کے مراتب و درجات کی عظمت و سربلندی پر اپنے فضل وانعام کی مہر ثبت فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بڑی وسعت والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے فضل کا حق دار ہے۔

اللہ اکبر! سبحان اللہ! کیا کہنا ہے صحابہ کرام کی عظمتوں کی بلندی کا۔ رسول نے صحابہ کرام کے فضل و کمال کا اعلان فرمایا اور خداوند قدوس نے ان لوگوں کے جامع الکمالات ہونے کا قرآن مجید میں خطبہ پڑھا۔

﴿۱۳﴾ کافروں کی مایوسی

ہجرت کے بعد گو برابر اسلام ترقی کرتا رہا اور ہر محاذ پر کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتوحات بھی حاصل ہوتی رہیں اور کفار اپنی چالوں میں ناکام و نامراد بھی ہوتے رہے۔ مگر پھر بھی کفار برابر اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہی رہے اور یہ آس لگائے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن ضرور اسلام مٹ جائے گا اور پھر عرب میں بت پرستی کا چرچا ہو کر رہے گا۔ کفار اپنی اسی

موہوم امید کی بناء پر برابر اپنی اسلام دشمن اسکیموں میں لگے رہے اور طرح طرح کے فتنے بپا کرتے رہے۔

مگر ۱۰ ھ حجۃ الوداع کے موقع پر جب کافروں نے مسلمانوں کا عظیم مجمع میدانِ عرفات میں دیکھا اور ان ہزاروں مسلمانوں کے اسلامی جوش اور رسول کے ساتھ ان کے والہانہ جذبات عقیدت کا نظارہ دیکھ لیا تو کفار کے حوصلوں اور ان کی موہوم امیدوں پر اوس پڑ گئی اور وہ اسلام کی تباہی و بربادی سے بالکل ہی مایوس ہو گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کی عکاسی کرتے ہوئے خاص میدانِ عرفات میں بعد عصر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (جمل ج ۱ ص ٤٦٤)

اَلْیَوْمَ یَىٕسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ ٦،المائدۃ:٣)

ترجمہ کنزالایمان: ۔آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

روایت ہے کہ ایک یہودی نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر ہم یہودیوں پر ایسی آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم لوگ اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کون سی آیت؟ تو اس نے کہا کہ "**اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ**" (پ ٦،المائدۃ:٣) والی آیت۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس دن اور جس جگہ اور جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہم اس کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں وہ جمعہ کا دن تھا اور عرفات کا میدان تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے دن تو ہماری دو عیدیں تھیں۔ایک تو عرفہ کا دن یہ بھی ہماری عید کا دن ہے۔دوسرا جمعہ کا دن یہ بھی ہماری عید ہی کا دن ہے اس لئے اب الگ سے ہم کو عید منانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(تفسیر جمل،ج ۲، ص ۱۸۰، پ ٦،المائدۃ: ۳)

یہ بھی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت امیرالمؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ اے عمر! تم روتے کیوں ہو؟ تو آپ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارا دین روز بروز بڑھتا جارہا ہے لیکن اب جب کہ یہ دین کامل ہوگیا ہے تو یہ قاعدہ ہے کہ "ہر کمالے را زوالے" کہ جو چیز اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے وہ گھٹنا شروع ہوجاتی ہے پھر اس آیت سے وفات نبوی کی طرف بھی اشارہ مل رہا ہے کیونکہ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) دین کو کامل کرنے ہی کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے تو جب دین کامل ہو چکا تو ظاہر ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اب اس دنیا میں رہنا پسند نہیں فرمائیں گے۔ (تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۲، ص ۱۸۰،پ ٦، المائدۃ: ۳)

درسِ ہدایت:۔ {۱} اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات پر مہر لگادی کہ اب کافروں کی کوئی جدوجہد اور کوشش بھی اسلام کو ختم نہیں کرسکتی۔کیونکہ کفار کی امید وآس پر ناامیدی ویاس کے بادل چھا گئے ہیں۔کیونکہ ان کا اسلام کو مٹا دینے کا خواب اب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔

{۲} اس آیت نے اعلان کردیا کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام میں فلاں فلاں مسائل ناقص رہ گئے ہیں یا اسلام میں کچھ ترمیم اور اضافہ کی ضرورت ہے تو وہ شخص کذاب اور جھوٹا ہے اور درحقیقت وہ قرآن کی تکذیب کرنے والا ملحد اور اسلام سے خارج ہے۔ دین اسلام بلاشبہ یقیناً کامل ومکمل ہو چکا ہے اس پر ایمان رکھنا ضروریات دین میں سے ہے۔

﴿۱۴﴾ اسلام اور سادھو کی زندگی

علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور قیامت کی ہولناکیوں کا اس انداز میں بیان فرمایا کہ سامعین متاثر ہو کر زار و قطار رونے لگے، اور لوگوں کے دل دہل گئے اور لوگ اس قدر خوف و ہراس سے لرزہ براندام ہو گئے کہ دس جلیل القدر صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعون جمحی کے مکان پر جمع ہوئے جن میں حضرت ابوبکر صدیق و حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت ابوذر غفاری و حضرت سالم و حضرت مقداد و حضرت سلمان فارسی و حضرت معقل بن مقرن و حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے اور ان حضرات نے آپس میں مشورہ کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ اب آج سے ہم لوگ سادھو بن کر زندگی بسر کریں گے، ٹاٹ وغیرہ کے موٹے کپڑے پہنیں گے اور روزانہ دن بھر روزے رکھ کر ساری رات عبادت کریں گے، بستر پر نہیں سوئیں گے اور اپنی عورتوں سے الگ رہیں گے اور گوشت چربی اور گھی وغیرہ کوئی مرغن غذا نہیں کھائیں گے نہ کوئی خوشبو لگائیں گے اور سادھو بن کر روئے زمین میں گشت کرتے پھریں گے۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس منصوبہ کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ مجھے ایسی ایسی خبر معلوم ہوئی ہے تم بتاؤ کہ واقعہ کیا ہے؟ تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور کو جو اطلاع ملی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس منصوبہ سے بجز نیکی اور خیر طلب کرنے کے ہمارا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال نبوت پر قدرے جلال کا ظہور ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ میں جو دین لے کر آیا ہوں اس میں ان باتوں کا حکم نہیں ہے۔ سنو! تمہارے اوپر تمہاری جانوں کا بھی حق ہے۔ لہٰذا کچھ دن روزہ رکھو اور کچھ دنوں میں کھاؤ پیو اور رات کے کچھ حصے میں جاگ کر

عبادت کرو اور کچھ حصے میں سو رہا کرو۔ دیکھو میں اللہ کا رسول ہو کر کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی روزہ نہیں بھی رکھتا ہوں۔ اور گوشت، چربی، گھی بھی کھاتا ہوں۔ اچھے کپڑے بھی پہنتا ہوں اور اپنی بیویوں سے بھی تعلق رکھتا ہوں اور خوشبو بھی استعمال کرتا ہوں یہ میری سنت ہے اور جو مسلمان میری سنت سے منہ موڑے گا وہ میرے طریقے پر اور میرے فرماں برداروں میں سے نہیں ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرام کا ایک مجمع جمع فرما کر آپ نے نہایت ہی مؤثر وعظ بیان فرمایا جس میں آپ نے برملا ارشاد فرمایا کہ سن لو! میں تمہیں اس بات کا حکم نہیں دیتا کہ تم لوگ سادھو بن کر راہبانہ زندگی بسر کرو۔ میرے دین میں گوشت وغیرہ لذیذ غذاؤں اور عورتوں کو چھوڑ کر اور تمام دنیاوی کاموں سے قطع تعلق کر کے سادھوؤں کی طرح کسی کُٹی یا پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ رہنا یا زمین میں گشت لگاتے رہنا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ سن لو! میری امت کی سیاحت جہاد ہے اس لئے تم لوگ بجائے زمین میں گشت کرتے رہنے کے جہاد کرو اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی پابندی کرتے ہوئے خدا کی عبادت کرتے رہو اور اپنی جانوں کو سختی میں نہ ڈالو۔ کیونکہ تم لوگوں سے پہلے اگلی امتوں میں جن لوگوں نے سادھو بن کر اپنی جانوں کو سختی میں ڈالا، تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان لوگوں پر سخت سخت احکام نازل فرما کر انہیں سختی میں مبتلا فرما دیا جن احکام کو وہ لوگ نباہ نہ سکے اور بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑ کر وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۲، ص ۲۶۷، پ ۷، المائدۃ: ۸۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وعظ کے بعد ہی سورۂ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیات شریفہ نازل ہوگئیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ (پ ۷، المائدۃ: ۸۷۔ ۸۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤوہ ستھری چیزیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو۔ بیشک حد سے بڑھنے والے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ اور کھاؤ جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس پر تمہیں ایمان ہے۔

درسِ ہدایت:۔ ان آیات سے سبق ملتا ہے کہ اسلام میں سادھو بن کر زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے، عمدہ غذاؤں اور اچھے کپڑوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا کر اور بیوی بچوں سے قطع تعلق کر کے سادھوؤں کی طرح کسی کٹیا میں دھونی رما کر بیٹھ رہنا، یا جنگلوں اور بیابانوں میں چکر لگاتے رہنا، یہ ہرگز ہرگز اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ جو مفت خور بابا لوگ اس طرح کی زندگی گزار کر اپنی درویشی کا ڈھونگ رچا کر کٹیوں یا میدانوں میں بیٹھے ہوئے اپنی بابائیت کا پرچار کر رہے ہیں اور جاہلوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسے ہوئے ہیں۔ خوب آنکھ کھول کر دیکھ لو اور کان کھول کر سن لو کہ یہ سادھوؤں کا رنگ ڈھنگ اسلامی طریقہ نہیں ہے بلکہ اصل اور سچا اسلام وہی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان کے مقدس طریقے کے مطابق ہو۔ لہٰذا جو شخص سنتوں کا دامن تھام کر زندگی بسر کر رہا ہو، درحقیقت اسی کی زندگی اسلامی زندگی ہے اور صوفیۂ کرام کی درویشانہ زندگی بھی یہی ہے۔

خوب سمجھ لو کہ نبوت کی سنتوں کو چھوڑ کر زندگی کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے وہ درحقیقت نہ اسلامی زندگی ہے نہ صوفیہ کی درویشانہ زندگی۔ لہٰذا آج کل جن باباؤں نے راہبانہ اور سادھوؤں کی زندگی اختیار کر رکھی ہے ان کے اس طرزِ عمل کو اسلام اور بزرگی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اور یقین رکھنا چاہئے کہ یہ سب مکر و کید کا خوبصورت جال بچھائے ہوئے ہیں جس میں بھولے بھالے عقیدت مند مسلمان پھنسے رہتے ہیں اور اس بہانے بابا لوگ اپنا اُلو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔ ایک سچی حقیقت کا

اظہار اور حق کا اعلان ہم عالموں کا فرض ہے جس کو ہم ادا کررہے ہیں۔

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جائیں گے

﴿۱۵﴾ دو بڑے ایک چھوٹا دشمن

قرآن مجید نے بار بار اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور اعلان فرمایا کہ ہر کافر مسلمان کا دشمن ہے اور کفار کے دل و دماغ میں مسلمانوں کے خلاف ایک زہر بھرا ہوا ہے اور ہر وقت اور ہر موقع پر کافروں کے سینے مسلمانوں کی عداوت اور کینے سے آگ کی بھٹی کی طرح جلتے رہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کفار کے تین مشہور فرقوں یہود و مشرکین اور نصاریٰ میں سے مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سخت ترین دشمن کون ہیں؟ اور کون سا فرقہ ہے جس کے دل میں نسبتاً مسلمانوں کی دشمنی کم ہے؟ تو اس سوال کے جواب میں سورۂ مائدۃ کی مندرجہ ذیل آیت شریفہ نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اس پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اپنے بڑے اور چھوٹے دشمنوں کو پہچان کر ان سبھوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْاۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰىؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ (پ ۶، المائدۃ: ۸۲)

ترجمہ کنزالایمان: ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے۔

درسِ ہدایت: اس آیت کی روشنی میں گزشتہ تواریخ کے صفحات کی ورق گردانی کر کے اپنے ایمان کو مزید اطمینان بخشیے کہ یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں کے ساتھ جیسی سخت

عداوتوں کا مظاہرہ کیا ہے، عیسائیوں نے ان لوگوں سے بہت کم مسلمانوں کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا ہے اور یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں پر جیسے جیسے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں، عیسائیوں نے اس درجہ مسلمانوں پر مظالم نہیں کیے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ یہود و مشرکین کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کر کے کبھی بھی ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں اور ہمیشہ ان بدترین دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور عیسائیوں کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھیں کہ یہ بھی مسلمانوں کے دشمن ہی ہیں مگر پھر بھی ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے کچھ نرم گوشے بھی ہیں۔ اس لئے یہ یہودیوں اور مشرکوں کی بہ نسبت کم درجے کے دشمن ہیں۔

یہی اس آیت مبارکہ کا خلاصہ و مطلب ہے جو مسلمانوں کے واسطے ان کے چھوٹے بڑے دشمنوں کی پہچان کے لئے بہترین شمع راہ بلکہ روشنی کا منارہ ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

﴿۱۶﴾ انبیاء کے قاتل

قرآن مجید نے متعدد جگہ پر یہودیوں کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کا تفصیلی بیان کرتے ہوئے بار بار یہ اعلان فرمایا ہے کہ ان ظالموں نے اپنے انبیاء اور پیغمبروں کو بھی قتل کیے بغیر نہیں چھوڑا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ﳓ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ (پ ۳، ال عمران: ۲۱)

ترجمہ کنزالایمان: ۔وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے ایک دن میں پینتالیس نبیوں اور ایک سو ستر صالحین کو قتل

کردیا تھا جوان کو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتے تھے۔(تاریخ ابن کثیر، ج ۲، ص ۵۵) چنانچہ حضرت یحییٰ و حضرت زکریا علیہما السلام کی شہادت بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت:۔ابن عساکر نے ''المستقصی فی فضائل الاقصیٰ'' میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ دمشق کے بادشاہ ''حداد بن حدار'' نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر وہ چاہتا تھا کہ بغیر حلالہ اس کو واپس کر کے اپنی بیوی بنالے۔اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اب تم پر حرام ہو چکی ہے اس کی بیوی کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئی۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو مجبور کر کے قتل کی اجازت حاصل کر لی اور جب کہ وہ ''مسجد جبرون'' میں نماز پڑھ رہے تھے بحالت سجدہ ان کو قتل کرادیا اور ایک طشت میں ان کا سر مبارک اپنے سامنے منگوایا۔مگر کٹا ہوا سر اس حالت میں بھی یہی کہتا رہا کہ ''تو بغیر حلالہ کرائے بادشاہ کے لئے حلال نہیں'' اور اسی حالت میں اس پر خدا کا یہ عذاب نازل ہو گیا وہ عورت، سر مبارک کے ساتھ زمین میں دھنس گئی۔(البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۵۵)

حضرت زکریا علیہ السلام کا مقتل یہودیوں نے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو پھر ان کے والد ماجد حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف یہ ظالم لوگ متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی شہید کر دیں۔مگر جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو وہاں سے ہٹ گئے اور ایک درخت کے شگاف میں روپوش ہو گئے۔ یہودیوں نے اس درخت پر آرا چلا دیا۔جب آرا حضرت زکریا علیہ السلام پر پہنچا تو خدا کی وحی آئی کہ خبردار اے زکریا! اگر آپ نے کچھ بھی آہ و زاری کی تو ہم پوری روئے زمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔اور اگر تم نے صبر کیا تو ہم بھی ان یہودیوں پر اپنا عذاب نازل کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور ظالم

یہودیوں نے درخت کے ساتھ ان کے بھی دوٹکڑے کر دیئے۔(تاریخ ابن کثیر، ج ۲،۵۲)

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ کس جگہ پیش آیا؟ پہلا قول یہ ہے کہ ''مسجد جبرون'' میں شہادت ہوئی۔مگر حضرت سفیان ثوری نے شمر بن عطیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی اور قربان گاہ کے درمیان آپ شہید کئے گئے جس جگہ آپ سے پہلے ستر انبیاء علیہم السلام کو یہودی قتل کر چکے تھے۔(تاریخ ابن کثیر، ج ۲، ص ۵۵)

بہر حال یہ سب کو مُسلَّم ہے کہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو آپ نے علی الاعلان اپنی دعوتِ حق کا وعظ شروع کر دیا اور بالآخر یہودیوں نے آپ کے قتل کا بھی منصوبہ بنالیا۔ بلکہ قتل کے لئے آپ کے مکان میں ایک یہودی داخل بھی ہوگیا۔مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بدلی بھیج کر آسمان پر اٹھالیا جس کا مفصل واقعہ ہماری کتاب ''عجائب القرآن'' میں مذکور ہے۔

درسِ ھدایت:۔ حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کی شہادت کے واقعات اور حالات سے اگرچہ حقیقت میں نگاہیں بہت سے نتائج حاصل کرسکتی ہیں۔تاہم چند باتیں خصوصی طور پر قابل توجہ ہیں:

{۱} دنیا میں ان یہودیوں سے زیادہ شقی القلب اور بدبخت کوئی اور نہیں ہوسکتا جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے۔حالانکہ یہ برگزیدہ اور مقدس ہستیاں نہ کسی کو ستاتی تھیں نہ کسی کے مال و دولت پر ہاتھ ڈالتی تھیں بلکہ بغیر کسی اجرت وعوض کے لوگوں کی اصلاح کر کے انہیں فلاح و سعادت دارین کی عزتوں سے سرفراز کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑے اور زیادہ عذاب کا مستحق کون ہوگا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

رَجُلٌ قَتَلَ نَبِیًّا اَوْمَنْ اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھٰی عَنِ الْمُنْكَرِ .

وہ شخص جو کسی نبی کو یا ایسے شخص کو قتل کرے جو بھلائی کا حکم دیتا ہو اور برائی سے روکتا ہو۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۲، پ ۳، آل عمران: ۲۱)

بہر حال ظالم یہودیوں نے اپنی شقاوت سے خدا کے نبیوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا اور جس بے دردی کے ساتھ ان مقدس نفوس کا خون بہایا اقوام عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اس لئے خداوند قہار و جبار نے اپنے قہر و غضب سے ان ظالموں کو دونوں جہان میں ملعون کر دیا۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان ملعونوں سے ہمیشہ نفرت و دشمنی رکھے۔

{۲} بنی اسرائیل چونکہ مختلف قبائل میں تقسیم تھے اس لئے ان کے درمیان ایک ہی وقت میں متعدد نبی اور پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور ان سب نبیوں کی تعلیمات کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت ہی رہی اور ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیثیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائبین کی رہی۔

{۳} علماء کرام کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک حق پر ڈٹ کر اُس کی تبلیغ کرتے رہنا چاہئے اور حق کے معاملہ میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا کہ سر کٹ جانے کے بعد بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے کٹے ہوئے سر سے یہی آواز آتی رہی کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کرائے ہوئے عورت سے اس کا شوہر دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۱۷﴾ منافقوں کی ایک سازش

جنگ اُحد کا مکمل اور مفصل بیان تو ہم اپنی کتاب ''سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں تحریر کر چکے ہیں مگر ہم یہاں تو صرف منافقوں کی ایک خطرناک سازش کا ذکر کر رہے ہیں جو جنگ اُحد کے دن ان بدبختوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی تھی۔ جس پر قرآن مجید نے روشنی ڈالی ہے اور جو بہت ہی قابل عبرت اور نہایت ہی نصیحت آموز ہے اور وہ یہ ہے کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر جنگ کے لئے نکلے تو ایک ہزار کا لشکر پرچم نبوت کے نیچے تھا۔ اس لشکر میں تین سو منافقین بھی عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں ہم رکاب تھے۔ منافقین پہلے ہی کفار مکہ کے ساتھ یہ سازش کر چکے تھے کہ مخلص مسلمانوں کو بزدل بنانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کریں گے کہ شروع میں مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ نکلیں گے پھر مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ واپس آ جائیں گے۔ چنانچہ منافقوں کا سردار یہ بہانہ بنا کر لشکر اسلام سے کٹ کر جدا ہو گیا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم تجربہ کاروں کی بات نہیں مانی کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرنی چاہئے بلکہ الٹا نو جوانوں کی بات مان کر مدینہ سے نکل پڑے تو ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ مگر الحمدللہ عزوجل! کہ منافقوں کا مقصد پورا نہیں ہوا کیونکہ مخلص مسلمانوں پر ان لوگوں کے لشکر اسلام سے جدا ہو جانے کا مطلق کوئی اثر نہیں پڑا۔ البتہ مسلمانوں کے دو قبیلے ''بنوسلمہ'' و ''بنوحارثہ'' میں کچھ تھوڑی سی بددلی اور بزدلی پیدا ہو چکی تھی مگر مخلص مسلمانوں کے جوش جہاد کو دیکھ کر ان دونوں قبیلوں کی بھی ہمت بلند ہوگئی اور یہ لوگ بھی ثابت قدم رہ کر پورے جاں نثارانہ جذبات سرفروشی کے ساتھ مشرکین کے دل بادل لشکروں سے ٹکرا گئے اور آخری دم تک پرچم نبوت کے زیر سایہ مشرکوں سے جنگ کرتے رہے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآىٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (پ ٤، اٰل عمران: ١٢١ ـ ١٢٢)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے برآمد ہوئے مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے اور اللہ سنتا جانتا ہے جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی

پر بھروسہ چاہئے۔

الغرض جنگ اُحد میں منافقوں کی یہ خطرناک سازش اور خوفناک تدبیر بالکل ناکام ہو کر رہ گئی اور بحمدﷲ عزوجل اگرچہ ستر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا لیکن آخر میں فتح مبین نے پیغمبر کے قدم نبوت کا بوسہ لیا اور مشرکین ناکام ہو کر میدانِ جنگ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور پرچم اسلام بلند ہی رہا۔

درسِ ھدایت:۔ اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اگر مومنین اخلاصِ نیت کے ساتھ متحد ہو کر میدانِ جنگ میں کافروں کے ساتھ جواں مردی اور اُولوالعزمی کے ساتھ جہاد میں ڈٹے رہیں تو منافقوں اور کافروں کی ہر سازش و تدبیر کو خداوند قدوس ناکام بنا دیتا ہے مگر یہ حقیقت بڑی ہی صداقت مآب ہے کہ

برائے فتح پہلی شرط ہے ثابت قدم رہنا
جماعت کو بہم رکھنا، جماعت کا بہم رہنا

﴿۱۸﴾ حضرت الیاس علیہ السلام

یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ بیشتر مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کا نسب نامہ یہ ہے۔ الیاس بن یاسین بن فنحاس بن عیزار بن ہارون علیہ السلام۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت کے متعلق مفسرین و مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ شام کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے اور ''بعلبک'' کا مشہور شہر ان کی رسالت و ہدایت کا مرکز تھا۔

ان دنوں ''بعلبک'' شہر پر ''ارجب'' نامی بادشاہ کی حکومت تھی جو ساری قوم کو بت پرستی پر مجبور کئے ہوئے تھا اور ان لوگوں کا سب سے بڑا بت ''بعل'' تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا اور بیس گز لمبا تھا اور اس کے چار چہرے بنے ہوئے تھے اور چار سو خدام اس بت کی خدمت کرتے تھے

جن کوساری قوم بیٹوں کی طرح مانتی تھی اور اس بت میں سے شیطان کی آواز آتی تھی جولوگوں کو بت پرستی اور شرک کا حکم سنایا کرتا تھا۔ اس ماحول میں حضرت الیاس علیہ السلام ان لوگوں کو توحیداور خدا پرستی کی دعوت دینے لگے مگر قوم ان پر ایمان نہیں لائی۔ بلکہ شہر کا بادشاہ ''ارجب'' ان کا دشمن جاں بن گیا اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کر دینے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ آپ شہر سے ہجرت فرما کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں روپوش ہو گئے اور پورے سات برس تک خوف و ہراس کے عالم میں رہے اور جنگلی گھاسوں اور جنگل کے پھولوں اور پھلوں پر زندگی بسر فرماتے رہے۔ بادشاہ نے آپ کی گرفتاری کے لئے بہت سے جاسوس مقرر کر دیئے تھے۔ آپ نے مشکلات سے تنگ آ کر یہ دعا مانگی کہ الٰہی! مجھے ان ظالموں سے نجات اور راحت عطا فرما تو آپ پر وحی آئی کہ تم فلاں دن فلاں جگہ پر جاؤ اور وہاں جو سواری ملے بلاخوف اس پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ اس دن اس مقام پر آپ پہنچے تو ایک سرخ رنگ کا گھوڑا کھڑا تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا چل پڑا تو آپ کے چچا زاد بھائی حضرت ''الیسع'' علیہ السلام نے آپ کو پکارا اور عرض کیا کہ اب میں کیا کروں؟ تو آپ نے اپنا کمبل ان پر ڈال دیا۔ یہ نشانی تھی کہ میں نے تم کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اپنا خلیفہ بنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل فرمادیا اور آپ کو کھانے اور پینے سے بے نیاز کر دیا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت میں شامل فرمالیا اور حضرت الیسع علیہ السلام نہایت عزم و ہمت کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کرنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر دم ہر قدم پر ان کی مدد فرمائی اور بنی اسرائیل آپ پر ایمان لائے اور آپ کی وفات تک ایمان پر قائم رہے۔

حضرت الیاس کے معجزات:۔ اللہ تعالیٰ نے تمام پہاڑوں اور حیوانات کو آپ کے لئے مسخر فرمادیا اور آپ کو ستر انبیاء کی طاقت بخش دی۔ غضب و جلال اور قوت و طاقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم پلہ بنا دیا۔ اور روایات میں آیا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت

خضر علیہما السلام ہر سال کے روزے بیت المقدس میں ادا کرتے ہیں اور ہر سال حج کے لئے مکہ مکرمہ جایا کرتے ہیں اور سال کے باقی دنوں میں حضرت الیاس علیہ السلام تو جنگلوں اور میدانوں میں گشت فرماتے رہتے ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام دریاؤں اور سمندروں کی سیر فرماتے رہتے ہیں اور یہ دونوں حضرات آخری زمانے میں وفات پائیں گے جب کہ قرآن مجید اٹھالیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ہم لوگ ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو راستہ میں ایک آواز آئی کہ یا اللہ! تو مجھ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنادے جو امت مرحومہ اور مستجاب الدعوات ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے انس! تم اس آواز کا پتا لگاؤ تو میں پہاڑ میں داخل ہوا، تو اچانک یہ نظر آیا کہ ایک آدمی نہایت سفید کپڑوں میں ملبوس لمبی داڑھی والا نظر آیا جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو؟ تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں تو انہوں نے فرمایا کہ تم جا کر حضور سے میرا سلام عرض کرو اور یہ کہہ دو کہ آپ کے بھائی الیاس (علیہ السلام) آپ سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے واپس آکر حضور سے سارا معاملہ عرض کیا تو آپ مجھ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور جب آپ ان کے قریب پہنچ گئے تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر دونوں صاحبان دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور آسمان سے ایک دستر خوان اتر پڑا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بلا بھیجا اور میں نے دونوں حضرات کے ساتھ میں کھانا کھایا۔ جب ہم لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آسمان سے ایک بدلی آئی اور وہ حضرت الیاس علیہ السلام کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئی اور میں ان کے سفید کپڑوں کو دیکھتا رہ گیا۔

(تفسیر صاوی، ج ۵، ص ۱۷۴۹، پ ۲۳، الصّٰفٰت: ۱۲۴)

حضرت الیاس اور قرآن:۔ قرآن مجید میں حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ دو جگہ آیا ہے سورۂ انعام میں اور سورۂ الصّٰفّٰت میں۔ سورۂ انعام میں تو صرف ان کو انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں شمار کیا ہے اور سورۂ الصّٰفّٰت میں آپ کی بعثت اور قوم کی ہدایت کے متعلق مختصر طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ انعام میں ہے:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ (پ۷،الانعام: ۸۴ تا ۸۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔ اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔

اور سورۂ الصّٰفّٰت میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

(پ۲۳،الصّٰفّٰت: ۱۲۳ تا ۱۳۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور بیشک الیاس پیغمبروں سے ہے۔ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا

کیا تم ڈرتے نہیں کیا بعل کو پوجتے ہو اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے اللہ کو جو رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پھر انہوں نے اسے جھٹلایا تو وہ ضرور پکڑے آئیں گے مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے اور ہم نے پچھلوں میں اس کی ثنا باقی رکھی سلام ہو الیاس پر بیشک ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ اگرچہ قرآن مجید میں بہت ہی مختصر مذکور ہے تاہم اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہودیوں کی ذہنیت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ کوئی ایسی برائی نہیں تھی جس کے کرنے پر یہ لوگ حریص نہ ہوں باوجودیکہ ان میں ہدایت کے لئے مسلسل انبیاء کرام تشریف لاتے رہے مگر پھر بھی بت پرستی، کواکب پرستی اور غیر اللہ کی عبادت ان لوگوں سے نہ چھوٹ سکی۔ پھر یہ لوگ اعلیٰ درجے کے جھوٹے، بدعہد اور رشوت خور بھی رہے اور اللہ تعالیٰ کے مقدس نبیوں کو ایذائیں دینا اور ان کو قتل کر دینا ان ظالموں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ بہر حال ان ظالموں کے واقعات سے جہاں ان لوگوں کی بدبختی و کجروی اور مجرمانہ شقاوت پر روشنی پڑتی ہے، وہیں ہم لوگوں کو یہ نصیحت و عبرت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اب جب کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو ہمارے لئے بے حد ضروری ہے کہ خدا کے آخری پیغام یعنی اسلام پر مضبوطی سے قائم رہ کر یہودیوں کے ظالمانہ طریقوں کی مخالفت کریں اور کفار کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کر کے خدا کے مقدس نبیوں کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۱۹﴾ جنگ بدر کی بارش

جنگ بدر کا مفصل حال تو ہم اپنی کتاب ''سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں مکمل لکھ چکے ہیں یہاں جنگِ بدر میں نصرتِ الٰہی نے بارش کی صورت میں جو تجلی فرمائی جس سے میدانِ جنگ کا نقشہ بھی بدل گیا، اس کا ہم ایک جلوہ دکھا رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کرام کی جماعت کو ہمراہ لے کر مقام بدر میں تشریف لے گئے اور بدر کے قریب پہنچ کر مدینہ کی جانب والے رُخ ''عدوۃ الدنیا'' پر خیمہ زن ہو گئے اور مشرکین آگے بڑھے تو بدر پہنچ کر مدینہ سے دور مکہ کی جانب والے ''عدوۃ القصویٰ'' پر اُترے اور محاذ جنگ کا نقشہ اس طرح بنا کہ مشرکین اور مسلمان بالکل آمنے سامنے تھے مگر مسلمانوں کا محاذ جنگ اس قدر ریتیلا تھا کہ انسانوں اور گھوڑوں دونوں کے قدم ریت میں دھنسے جا رہے تھے اور وہاں چلنا پھرنا دشوار تھا اور مشرکین کا محاذ جنگ بالکل ہموار اور پختہ فرش کی طرح تھا۔ غرض دشمن تعداد میں تین گنے سے زیادہ، سامان جنگ سے پوری طرح مکمل، رسل و رسائل میں ہر طرح مطمئن تھے۔ پھر مزید برآں ان کا محاذ جنگ بھی اپنے محل وقوع کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا۔ ان سہولتوں کے علاوہ پانی کے سب کنوئیں بھی دشمنوں ہی کے قبضے میں تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو پانی کی بے حد تکلیف تھی، خود پینے کے لئے کہاں سے پانی لائیں؟ جانوروں کو کیسے سیراب کریں؟ وضو اور غسل کی کیا صورت ہو؟ غرض صحابہ کرام انتہائی فکر مند اور پریشان تھے۔ اس موقع پر شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیا کہ اے مسلمانو! تم گمان کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تم میں اللہ عزوجل کا رسول بھی موجود ہے اور تم اللہ والے ہو اور حال یہ ہے کہ مشرکین پانی پر قابض ہیں اور تم بغیر وضو و غسل کے نمازیں پڑھتے ہو اور تم اور تمہارے جانور پیاس سے بے تاب ہو رہے ہیں۔

اس موقع پر ناگہاں نصرتِ آسمانی نے اس طرح جلوہ سامانی فرمائی کہ زوردار بارش ہو گئی جس نے مسلمانوں کے لئے ریتیلی زمین کو جما کر پختہ فرش کی طرح ہموار بنا دیا اور نشیب کی وجہ سے حوض نما گڑھوں میں پانی کا ذخیرہ مہیا کر دیا اور دشمنوں کی زمین کو کیچڑ والی دلدل بنا دیا جس پر کافروں کا چلنا پھرنا دشوار ہو گیا اور مسلمان ان پانی کے ذخیروں کی وجہ سے کنوؤں سے بے نیاز ہو گئے اور مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو گیا اور لوگ مطمئن ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس عجیب و غریب بارش کی منظر کشی ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ

وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ (پ ۹، الانفال: ۱۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمہیں اس سے ستھرا کردے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرمادے اور تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جمادے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں اس ناگہانی بارش کے چار فائدے بیان فرمائے ہیں:

{۱} تاکہ جو بے وضو اور بے غسل ہوں وہ وضو اور غسل کر کے پاک وصاف اور ستھرے ہو جائیں۔

{۲} مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو جائے۔

{۳} مسلمانوں کے دلوں کو ڈھارس مل جائے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا۔

{۴} محاذ جنگ کی ریتیلی زمین اس قابل ہو جائے کہ اس پر قدم جم سکیں الغرض جنگ بدر کی یہ بارش مسلمانوں کے لئے بارانِ رحمت اور کفار کے لئے سامانِ زحمت بن گئی۔

درسِ ہدایت:۔جنگ بدر میں مسلمانوں کو جن مشکل حالات کا سامنا تھا ظاہر ہے کہ عقل انسانی عالم اسباب پر نظر کرتے ہوئے اس کے سوا اور کیا فیصلہ کر سکتی تھی کہ وہ اس جنگ کو ٹال دیں۔مگر صادق الایمان مسلمانوں نے اپنے رسول کی مرضی پا کر ہر قسم کی بے سروسامانی کے باوجود حق و باطل کی معرکہ آرائی کے لئے والہانہ اور فداکارانہ جذبات کے ساتھ خود کو پیش کردیا اور نہایت ثابت قدمی اور اُولوالعزمی کے ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی کس کس طرح امداد و نصرت فرمائی، اس پر ایک نظر ڈال کر خداوندِ قدوس کے فضل

عظیم کی جلوہ سامانیوں کا نظارہ کیجئے اور یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں کس کس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

{۱} مسلمانوں کی نگاہ میں دشمنوں کی تعداد اصل تعداد سے کم نظر آئی تاکہ مسلمان مرعوب نہ ہوں اور مشرکین کی نظروں میں مسلمان مٹھی بھر نظر آئیں تاکہ وہ جنگ سے جی نہ چرائیں اور حق وباطل کی جنگ ٹل نہ جائے۔ (انفال)

{۲} اور ایک وقت میں مسلمان مشرکین کی نظر میں دگنے نظر آئے تاکہ مشرکین مسلمانوں سے شکست کھا جائیں۔ (آلِ عمران)

{۳} پہلے مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک ہزار فرشتے بھیجے گئے۔ پھر فرشتوں کی تعداد بڑھا کر تین ہزار کردی گئی۔ پھر فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار ہوگئی۔ (آل عمران)

{۴} مسلمانوں پر عین معرکہ کے وقت تھوڑی دیر کے لئے غنودگی اور نیند طاری کردی گئی جس کے چند منٹ بعد ان کی بیداری نے ان میں ایک نئی تازگی اور نئی روح پیدا کردی۔ (انفال)

{۵} آسمان سے پانی برسا کر مسلمانوں کے لئے ریتیلی زمین کو پختہ زمین کی طرح بنا دیا اور مشرکین کے محاذِ جنگ کی زمین کو کیچڑ اور پھسلن والی دلدل بنا دیا۔ (انفال)

{۶} نتیجہ جنگ یہ ہوا کہ ذرا دیر میں مشرکین کے بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان اور جنگجو شہسوار مارے گئے۔ چنانچہ ستر مشرکین قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے اور مشرکین کا لشکر اپنا سارا سامان چھوڑ کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا اور یہ سارا سامان مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں مل گیا۔

مسلمان اگرچہ خداوندِ قدوس کی مذکورہ بالا امداد اور اس کے فضل سے فتح یاب ہوئے، تاہم اس جنگ میں چودہ مجاہدینِ اسلام نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔

(زرقانی، ج ۲، ص ۲۷۰)

یہ واقعہ ہمیں متنبہ کر رہا ہے کہ اگر مسلمان خدا پر بھروسہ کر کے حق و باطل کی جنگ میں ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ ڈٹے رہیں تو تعداد کی کمی اور بے سروسامانی کے باوجود ضرور خدا کی مدد اُتر پڑے گی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی۔ یہ رب العزت کے فضل وکرم کا وہ دستور ہے کہ جس میں ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ بس شرط یہ ہے کہ مسلمان نہ بدل جائیں، اور ان کے اسلامی خصائل وکردار میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ ورنہ خدا کا دستور تو نہ بدلا ہے نہ کبھی بدلے گا اس کا وعدہ ہے کہ

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (پ ۲۲، الفاطر: ۴۳)

یعنی ہرگز ہرگز خدا کے دستور میں کوئی ردوبدل نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۲۰﴾ جنگ حنین

فتح مکہ کے بعد مشرکینِ عرب کی شوکت کا قریب قریب خاتمہ ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر ''ہوازن'' اور ''ثقیف'' کے دونوں قبائل کے سرداروں کا اجتماع ہوا، اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم ''قریش'' کو مغلوب کر کے مطمئن ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اب ہماری باری ہے تو کیوں نہ ہم پیش قدمی کر کے حملہ آور ہو کر ان مسلمانوں کا قلع قمع کر کے رکھ دیں۔ چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے دونوں قبائل نے مالک بن عوف نضری کو اپنا بادشاہ بنا کر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ یہ خبر پا کر ۱۰ شوال ۸ ھ مطابق فروری ۶۳۰ ء کو دس ہزار مہاجرین وانصار اور دو ہزار مکہ کے نومسلم اور اسی وہ مشرکین جو اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود اپنی خواہش سے مسلمانوں کے رفیق بن گئے۔ کل تقریباً بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر ساتھ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''مقام حنین'' پہنچ گئے۔ جب دشمن کے مقابلہ میں صف آرائی کا وقت آیا تو آپ نے مہاجرین کا پرچم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور انصار میں بنی خزرج کا علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو بنایا اور اَوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس بدن پر ہتھیار سجا کر ڈبل زرہ پہن کر اور سرانور پر آہنی ٹوپی رکھ کر اپنے خچر پر سوار ہوئے اور اسلامی فوج کی کمان سنبھال لی۔

مسلمانوں کے دلوں میں اپنے لشکر کی اکثریت دیکھ کر کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا یہاں تک کہ بعض لوگوں کی زبان سے بغیر ''ان شاء اللہ'' کہے یہ لفظ نکل گیا کہ آج ہماری قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ مسلمانوں کا اپنی فوج کی عددی اکثریت اور عسکری طاقت پر بھروسہ کر کے فخر کرنا خداوند تعالیٰ کو پسند نہیں آیا لہٰذا مسلمانوں پر خدا کی طرف سے یہ تازیانہ عبرت لگا کہ جب جنگ شروع ہوئی تو اچانک دشمن کی ان ٹولیوں نے جو گوریلا جنگ کے لئے پہاڑوں کی مختلف گھاٹیوں میں گھات لگائے بیٹھی تھی اس زور وشور کے ساتھ تیراندازی شروع کر دی کہ مسلمان تیروں کی بارش سے بدحواس ہو گئے اور اس ناگہانی تیر بارانی کی بوچھاڑ سے ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور چند مہاجرین وانصار کے سوا تمام لشکر میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

اس خطرناک صورتِ حال اور نازک گھڑی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار برابر آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور رجز کا یہ شعر بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب   انا ابن عبدالمطلب

یعنی میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹی بات نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔

بالآخر حضور کے حکم پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بآواز بلند بھاگے ہوئے مسلمانوں کو پکارا اور **یا معشر الانصار یا اصحاب بیعۃ الرضوان** کہہ کر للکارا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ للکار اور پکار سن کر تمام جاں نثار مسلمان پلٹ پڑے اور پرچم نبوت کے نیچے جمع ہو کر ایسی جاں نثاری کے ساتھ دادِ شجاعت دینے لگے کہ دم زدن میں میدانِ جنگ کا

نقشہ ہی پلٹ گیا اور یہ نتیجہ نکلا کہ شکست کے بعد مسلمان فتح مند ہو گئے اور پرچم اسلام سربلند ہو گیا، ہزاروں کفار گرفتار ہو گئے اور بہت سے تلوار کا لقمہ بن گئے اور بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور کفارِ عرب کی طاقت وشوکت کا جنازہ نکل گیا۔

جنگ حنین میں مسلمانوں کے اپنی کثرت تعداد پر غرور کے انجام میں شکست اور پھر فتح و نصرت کا حال خداوند ذوالجلال نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے کہ

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ (پ ۱۰، التوبہ: ۲۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اِترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی سزا ہے۔

جنگ حنین کا یہ واقعہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں فتح و کامرانی فوجوں کی کثرت اور سامانِ جنگ کی فراوانی سے نہیں ملتی۔ بلکہ فتح و نصرت کا دارومدار درحقیقت پروردگار کے فضل عظیم پر ہے۔ اگر وہ رب کریم اپنا فضل عظیم فرمادے تو چھوٹے سے چھوٹا لشکر بڑی سے بڑی فوج پر غالب ہو کر مظفر ومنصور ہو سکتا ہے اور اگر اس کا فضل و کرم شامل حال نہ ہو تو بڑے سے بڑا لشکر چھوٹی سے چھوٹی فوج سے مغلوب ہو کر شکست کھا جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ کبھی بھی اپنے لشکر کی کثرت پر اعتماد نہ رکھیں بلکہ ہمیشہ خداوند قدوس

کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۲۱﴾ غارِ ثور

ہجرت کی رات حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام ''حزورہ'' کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ ''کعبہ مکرمہ'' کو دیکھا اور فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا اور کسی جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی، وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات غارِ ثور پہنچے۔ (مدارج النبوۃ، بحث "غارِ ثور" ج ۲، ص ۵۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یارِ غار کے پاؤں میں کاٹا۔ مگر جاں نثار نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابِ راحت میں خلل نہ پڑ جائے۔ مگر درد کی شدت سے یارِ غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار پر نثار ہو گئے۔ جس سے رحمتِ عالم بیدار ہو گئے اور اپنے یارِ غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ پوچھا ابوبکر کیا ہوا؟ عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے یہ سن

کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا، جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا اور زخم بھی اچھا ہو گیا۔ تین رات حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اس غار میں رونق افروز رہے۔ کفار مکہ نے آپ کی تلاش میں مکّہ کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے منہ پر حفاظتِ خداوندی کا پہرہ لگا ہوا تھا۔ یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے یہ منظر دیکھ کر کفار آپس میں کہنے لگے کہ اگر اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی، نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔ کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ گھبرا گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (پ ۱۰، التوبہ: ۴۰)

مت گھبراؤ، خدا ہمارے ساتھ ہے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سکینہ اتر پڑا کہ وہ بالکل ہی مطمئن اور بے خوف ہو گئے اور چوتھے دن یکم ربیع الاول دوشنبہ کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار سے باہر تشریف لائے اور مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ اس غارِ ثور کے واقعہ کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰

(پ ۱۰، التوبہ: ۴۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔اگرتم محبوب کی مدد نہ کروتو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

درسِ ہدایت:۔ یہ آیت اور غارِ ثور کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور ان کی محبت و جاں نثاریٔ رسول کا وہ نشانِ اعظم ہے جو قیامت تک آفتابِ عالمتاب کی طرح درخشاں اور روشن رہے گا۔ کیوں نہ ہو کہ پروردگار نے انہیں اپنے رسول کے ''یارِ غار'' ہونے کی سند مستند قرآن میں دے دی ہے جو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹ سکتی ہے۔

سبحان اللہ! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ وہ فضل و شرف ہے جو نہ کسی کو ملا ہے نہ کسی کو ملے گا۔

مرتبہ حضرت صدیق کا ہو کس سے بیاں
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

﴿۲۲﴾ مسجدِ ضرار جلا دی گئی

منافقین کو یہ تو جراءت ہوتی نہ تھی کہ علانیہ اسلام کی مخالفت کرتے۔ مگر وہ لوگ در پردہ اسلام کی بیخ کنی میں ہمیشہ مصروف رہتے اور اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں میں اختلاف اور پھوٹ ڈال کر اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے جہاں ان بے ایمانوں نے دوسری بہت سی فتنہ سامانیاں برپا کر رکھی تھیں، ان میں سے ایک واقعہ رجب ۹ھ میں بھی رونما ہوا جو درحقیقت نہایت ہی خطرناک سازش تھی۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے منافقین کی اس خوفناک مہم سے بذریعہ وحی آگاہ فرما دیا اور دشمنانِ

اسلام کی ساری اسکیموں پر پانی پھر گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ رجب ۹ ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ''تبوک'' کے میدان میں جو مدینہ منورہ سے چودہ منزل پر دمشق کے راستہ پر واقع ہے۔ ''ہرقل'' شاہِ روم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے آپ نے عرب میں سخت گرمی اور قحط کے باوجود جہاد کے لئے اعلان فرما دیا اور مسلمان جوق در جوق شوقِ جہاد میں مدینہ کے اندر جمع ہونے لگے۔

ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ منافقین نے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوچا کہ مسجد ''قبا'' کے مقابلہ میں اس حیلہ سے ایک مسجد تیار کریں کہ جو لوگ کسی عذر کی وجہ سے مسجد نبوی میں نہ جا سکیں وہ لوگ یہاں نماز پڑھ لیا کریں اور منافقوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ اس مسجد کو اسلام کی تخریب کاری کے لئے اڈہ بنا کر اور اس میں جمع ہو کر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے اور اسکیمیں بناتے رہیں اور شاہِ روم کی خفیہ امدادوں اور اسلحہ وغیرہ کے ذخیروں کا اس مسجد کو مرکز بنائیں اور یہیں سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا جال پورے عالم اسلام میں بچھاتے رہیں۔ یہ سوچ کر منافقین خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے ضعیفوں اور کمزوروں کے لئے قریب میں ہی ایک مسجد بنائی ہے اب ہماری تمنا ہے کہ حضور وہاں چل کر اس میں نماز پڑھ دیں تو وہ مسجد عند اللہ مقبول ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تو میں ایک بہت ہی اہم جہاد کے لئے مدینہ سے باہر جا رہا ہوں، واپسی پر دیکھا جائے گا۔

مگر جب آپ بخیریت اور فتح و کامرانی کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لائے تو وحی الٰہی کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر کا حقیقی سبب آپ کو معلوم ہو چکا تھا اور منافقین کی خفیہ اور خطرناک سازش بے نقاب ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ صحابہ کرام

علیہم الرضوان کی ایک جماعت کو یہ حکم دے کر وہاں بھیجا کہ وہ وہاں جائیں اور اس مسجد کو آگ لگا کر خاک سیاہ کردیں۔

چونکہ اس مسجد کی بنیاد حقیقتاً تقویٰ اور للّٰہیت کی جگہ تفریق بین المسلمین اور تخریب اسلام پر رکھی گئی تھی اس لئے بلاشبہ وہ اس کی مستحق تھی کہ اس کو جلا کر برباد کردیا جائے اور درحقیقت اس تخریب کاری کے اڈہ کو مسجد کہنا حقیقت کے خلاف تھا اس لئے قرآن مجید نے اس حقیقتِ حال کو ظاہر کرتے ہوئے اعلان فرمادیا کہ یہ مسجدِ تقویٰ نہیں بلکہ ''مسجد ضرار'' کہلانے کی مستحق ہے ملاحظہ فرمایئے اس مسجد کے بارے میں قرآن مجید کے غضب ناک تیور اور پُر جلال الفاظ:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

(پ ۱۱، التوبۃ: ۱۰۷ ۔ ۱۰۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا بیشک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں۔

درسِ ہدایت:۔ایک ہی عمل، عمل کرنے والے کی نیت کے فرق سے اچھا بھی ہوسکتا ہے

اور برا بھی، طیب بھی بن سکتا ہے اور خبیث بھی۔

مسجد کی تعمیر ایک عمل خیر ہے مگر جب ''لوجہ اللہ'' کی نیت ہو تو ثواب ہی ثواب ہے اور اگر ''شر وفساد'' کی نیت ہو تو عذاب ہی عذاب ہے۔ مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر مقبول بارگاہِ الٰہی اور باعث ثواب ہوئی۔ کیونکہ ان دونوں مسجدوں کے بنانے والوں کی نیت خدا کی رضا اور ان دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد مردود بارگاہِ الٰہی ہوگئی اور سراسر باعثِ عذاب بن گئی کیونکہ اس مسجد کو تعمیر کرنے والوں کی نیت رضائے الٰہی نہیں تھی اور اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ ان لوگوں کی غرض فاسد تخریبِ اسلام اور تفریق بین المسلمین تھی، تو یہ مسجد قطعاً غیر مقبول ہوگئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد میں قدم رکھنے کی بھی ممانعت فرما دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسجد کو نہ صرف ویران فرما دیا بلکہ اس کو جلا کر نیست و نابود کر ڈالا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اگر کسی مسجد کو گمراہ فرقوں والے اہل حق کے خلاف کمین گاہ اور جاسوسی کا مرکز بنا کر اہل حق کے خلاف فتنہ پردازیاں کرنے لگیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مسجد میں نماز کے لئے نہ جائیں بلکہ اس کا بائیکاٹ کر کے اس کو ویران کر دیں۔ اور ہرگز ہرگز نہ اس مسجد میں نماز پڑھیں، نہ اس کی تعمیر و آبادکاری میں کوئی امداد و تعاون کریں۔

یا پھر تمام مسلمان مل کر گمراہ فرقوں کو اس مسجد سے بے دخل کر دیں اور اس مسجد کو اپنے قبضے میں لے کر گمراہ کا تسلط ختم کر دیں تا کہ ان لوگوں کے شر و فساد اور فتنہ انگیزیوں سے مسجد ہمیشہ کے لئے پاک ہوجائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

﴿۲۳﴾ فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا

فرعون جب اپنے لشکروں کے ساتھ دریا میں غرق ہونے لگا تو ڈوبتے وقت تین مرتبہ اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا مگر اس کا ایمان مقبول نہیں ہوا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرا۔ لہٰذا بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ فرعون مومن ہو کر مرا، ان کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

(تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۸۹۱، پ ۱۱، یونس: ۹۰)

ڈوبتے وقت ایک مرتبہ فرعون نے ''اٰمَنْتُ'' کہا یعنی میں ایمان لایا۔ دوسری مرتبہ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ کہا یعنی اس اللہ کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے دوسرا کوئی خدا نہیں ہے اور تیسری بار یہ کہا کہ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ یعنی میں مسلمان ہوں۔ (پ ۱۱، یونس: ۹۰)

روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرعون کے منہ میں خداوند تعالیٰ کے حکم سے کیچڑ بھر دی اور وہ اچھی طرح کلمہ ایمان ادا نہیں کر سکا۔

(تفسیر جلالین، ص ۱۷۸، پ ۱۱، یونس: ۹۰)

یہ بھی ایک حکایت منقول ہے کہ جب فرعون تختِ سلطنت پر بیٹھ کر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں اس کے پاس یہ فتویٰ طلب کرنے کے لئے تشریف لے گئے کہ کیا فرماتے ہیں بادشاہ اس غلام کے بارے میں جو اپنے مولیٰ کے دیئے ہوئے مال اور اس کی نعمتوں میں پلا بڑھا پھر اس نے اپنے مولیٰ کی ناشکری کی اور اس کے حقوق کا انکار کرتے ہوئے خود اپنی سیادت کا اعلان کر دیا بلکہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگا تو فرعون نے اس کا جواب یہ لکھا کہ ایسا غلام جو اپنے مولیٰ کی ناشکری کر کے اپنے مولیٰ کا باغی ہو گیا اس کی سزا یہی ہے کہ وہ دریا میں غرق کر دیا جائے چنانچہ جب ڈوبتے وقت فرعون پر موت کا غرغرہ سوار ہو گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرعون کا وہ دستخطی فتویٰ اس کو دکھایا اس کے بعد فرعون مر گیا۔

(تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۸۹۱، پ ۱۱، یونس: ۹۰)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًاؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْــٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةًؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

(پ ۱۱، یونس ۹۰ ـ ۹۲)

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد بھی بنی اسرائیل پر اس کی ہیبت کا اس درجہ دبدبہ چھایا ہوا تھا کہ لوگوں کو فرعون کی موت میں شک وشبہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو خشکی پر پہنچا دیا اور دریا کی موجوں نے اس کی لاش کو ساحل پر ڈال دیا تا کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس کی موت کا یقین بھی کرلیں اور اس کے انجام سے عبرت بھی حاصل کریں۔

مشہور ہے کہ اس کے بعد ہی سے پانی نے لاشوں کو قبول کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ پانی لاشوں کو اوپر تیرا تار ہتا ہے یا کنارے پر پھینک دیتا ہے۔

(تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۸۹۲، پ ۱۱، یونس: ۹۲)

درسِ ھدایت:۔ فرعون نے باوجودیکہ تین مرتبہ اپنے ایمان کا اعلان کیا مگر اس کا ایمان پھر بھی مقبول نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کے بارے میں مفسرین نے تین وجہیں بیان فرمائیں ہیں:

﴿**اول**﴾ یہ کہ فرعون نے اپنے ایمان کا اقرار اس وقت کیا جب عذابِ الٰہی اس کے سر پر مسلط ہو گیا اور موت کا غرغرہ اس پر طاری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَاؕ (پ ۲۴،المومن: ۸۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آ جاتا ہے تو اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچاتا۔

چونکہ فرعون، عذاب آ جانے کے بعد، جب موت کا غرغرہ سوار ہو گیا، اس وقت ایمان لایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ایمان کو قبول نہیں فرمایا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کے منہ میں کیچڑ بھر دیں اور یہ کہہ دیں کہ اب تو ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو ہمیشہ ایمان لانے سے انکار کرتا رہا اور لوگوں کو گمراہ کر کے فساد پھیلاتا رہا۔

﴿**دوم**﴾ دوسرا قول یہ ہے کہ خدا کی توحید کے ساتھ رسول کی رسالت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور فرعون نے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ (پ ۱۱، یونس: ۹۰) کہا یعنی صرف خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان نہیں لایا۔ اس لئے وہ مومن نہ ہو سکا۔

﴿**سوم**﴾ تیسرا قول یہ ہے کہ فرعون نے ایمان لانے کے قصد سے کلمہ ایمان کا تلفظ نہیں کیا تھا بلکہ صرف غرق سے بچنے کے لئے یہ کلمہ کہا تھا جیسا کہ اس کی عادت تھی کہ ہر مصیبت اور عذاب نازل ہونے کے وقت وہ گڑگڑا کر خدا کی طرف رجوع کرتا تھا۔ لیکن مصیبت ٹل جانے کے بعد پھر اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ﴿۲۴﴾ (پ ۳۰،النّٰزعٰت: ۲۴) کہہ کر اپنی خدائی کا ڈنکا بجایا

کرتا تھا۔

معلوم ہوا کہ صرف کلمہ اسلام کا تلفظ جب کہ ایمان لانے کی نیت نہ ہو بلکہ جان بچانے کے لئے کہا ہو، ایمان کے لئے کافی نہیں ہے۔ لہٰذا فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا اور صحیح قول یہی ہے کہ فرعون کفر ہی کی حالت میں غرق ہو کر مرا۔ اس پر قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں شاہد عدل ہیں۔ اسی لئے علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ فرعون مومن ہو کر مرا، ان لوگوں کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۲۴﴾ نوح علیہ السلام کی کشتی

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو خدا کا پیغام سناتے رہے مگر ان کی بدنصیب قوم ایمان نہیں لائی بلکہ طرح طرح سے آپ کی تحقیر و تذلیل کرتی رہی اور قسم قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں سے آپ کو ستاتی رہی یہاں تک کہ کئی بار ان ظالموں نے آپ کو اس قدر زدو کوب کیا کہ آپ کو مردہ خیال کر کے کپڑوں میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیا۔ مگر آپ پھر مکان سے نکل کر دین کی تبلیغ فرمانے لگے۔ اسی طرح بارہا آپ کا گلا گھونٹتے رہے یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگا اور آپ بے ہوش ہو جاتے مگر ان ایذاؤں اور مصیبتوں پر بھی آپ یہی دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے پروردگار! تو میری قوم کو بخش دے اور ہدایت عطا فرما کیونکہ یہ مجھ کو نہیں جانتے ہیں۔

اور قوم کا یہ حال تھا کہ ہر بوڑھا باپ اپنے بچوں کو یہ وصیت کر کے مرتا تھا کہ نوح (علیہ السلام) بہت پرانے پاگل ہیں اس لئے کوئی ان کی باتوں کو نہ سنے اور نہ ان کی باتوں پر دھیان دے، یہاں تک کہ ایک دن یہ وحی نازل ہوگئی کہ اے نوح! اب تک جو لوگ مومن ہو چکے ہیں ان کے سوا اور دوسرے لوگ کبھی ہرگز ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کے بعد آپ اپنی قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے۔ اور آپ نے اس قوم کی ہلاکت کے لئے

دعا فرمادی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ایک کشتی تیار کریں چنانچہ ایک سو برس میں آپ کے لگائے ہوئے ساگوان کے درخت تیار ہو گئے اور آپ نے ان درختوں کی لکڑیوں سے ایک کشتی بنائی جو ۸۰ گز لمبی اور ۵۰ گز چوڑی تھی اور اس میں تین درجے تھے، نچلے طبقے میں درندے، پرندے اور حشرات الارض وغیرہ اور درمیانی طبقے میں چوپائے وغیرہ جانوروں کے لئے اور بالائی طبقے میں خود اور مومنین کے لئے جگہ بنائی۔ اس طرح یہ شاندار کشتی آپ نے بنائی اور ایک سو برس کی مدت میں یہ تاریخی کشتی بن کر تیار ہوئی جو آپ کی اور مومنوں کی محنت اور کاری گری کا ثمرہ تھی۔ جنہوں نے بے پناہ محنت کر کے یہ کشتی بنائی تھی۔

جب آپ کشتی بنانے میں مصروف تھے تو آپ کی قوم آپ کا مذاق اُڑاتی تھی۔ کوئی کہتا کہ اے نوح! اب تم بڑھئی بن گئے؟ حالانکہ پہلے تم کہا کرتے تھے کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ کوئی کہتا اے نوح! اس خشک زمین میں تم کشتی کیوں بنا رہے ہو؟ کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے؟ غرض طرح طرح کا تمسخر و استہزاء کرتے اور قسم قسم کی طعنہ بازیاں اور بدزبانیاں کرتے رہتے تھے اور آپ ان کے جواب میں یہی فرماتے تھے کہ آج تم ہم سے مذاق کرتے ہو لیکن مت گھبراؤ جب خدا کا عذاب بصورتِ طوفان آ جائے گا تو ہم تمہارا مذاق اُڑائیں گے۔

جب طوفان آ گیا تو آپ نے کشتی میں درندوں، چرندوں اور پرندوں اور قسم قسم کے حشرات الارض کا ایک ایک جوڑا نر و مادہ سوار کرا دیا اور خود آپ اور آپ کے تینوں فرزند یعنی حام، سام اور یافث اور ان تینوں کی بیویاں اور آپ کی مومنہ بیوی اور ۷۲ مومنین مرد و عورت کل ۸۰ انسان کشتی میں سوار ہو گئے اور آپ کی ایک بیوی ''واعلہ'' جو کافرہ تھی، اور آپ کا ایک لڑکا جس کا نام ''کنعان'' تھا، یہ دونوں کشتی میں سوار نہیں ہوئے اور طوفان میں غرق ہو گئے۔

روایت ہے کہ جب سانپ اور بچھو کشتی میں سوار ہونے لگے تو آپ نے ان دونوں کو روک

دیا۔ تو ان دونوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! آپ ہم دونوں کو سوار کر لیجئے۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ جو شخص سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۹﴾ پڑھ لے گا ہم دونوں اس کو ضرر نہیں پہنچائیں گے تو آپ نے ان دونوں کو بھی کشتی میں بٹھالیا۔

طوفان میں کشتی والوں کے سوا ساری قوم اور کل مخلوق غرق ہو کر ہلاک ہوگئی اور آپ کی کشتی ''جودی پہاڑ'' پر جا کر ٹھہر گئی اور طوفان ختم ہونے کے بعد آپ مع کشتی والوں کے زمین پر اُتر پڑے اور آپ کی نسل میں بے پناہ برکت ہوئی کہ آپ کی اولاد تمام روئے زمین پر پھیل کر آباد ہوگئی اسی لئے آپ کا لقب ''آدم ثانی'' ہے۔ (تفسیر صاوی، پ ۱۲، ھود: ۳۶۔ ۳۹)

قرآن مجید میں خداوند (عزوجل) نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

وَ اُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّہٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿ۚۖ۳۶﴾ وَ اصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ وَحۡیِنَا وَ لَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّہُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَ یَصۡنَعُ الۡفُلۡکَ ۟ وَ کُلَّمَا مَرَّ عَلَیۡہِ مَلَاٌ مِّنۡ قَوۡمِہٖ سَخِرُوۡا مِنۡہُ ؕ قَالَ اِنۡ تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡکُمۡ کَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ﴿ؕ۳۸﴾ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ یَّاۡتِیۡہِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡہِ وَ یَحِلُّ عَلَیۡہِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۳۹﴾ (پ ۱۲، ھود: ۳۶۔ ۳۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لاچکے تو غم نہ کھا اس پر جو وہ کرتے ہیں اور کشتی بنا ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈبائے جائیں گے اور نوح کشتی بناتا ہے اور جب اس کی قوم کے سردار اس پر گزرتے اس پر ہنستے بولا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا تم ہنستے ہو تو اب جان جاؤ گے کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے اور اترتا ہے وہ عذاب جو ہمیشہ رہے۔

﴿۲۵﴾ طوفان برپا کرنے والا تنور

یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو دو سو برس پہلے ہی بذریعہ وحی مطلع کر دیا تھا کہ آپ کی قوم طوفان میں غرق کردی جائے گی۔ مگر طوفان آنے کی نشانی یہ مقرر فرمادی تھی کہ آپ کے گھر کے تنور سے پانی ابلنا شروع ہوگا۔ چنانچہ پتھر کے اس تنور سے ایک دن صبح کے وقت پانی ابلنا شروع ہوگیا اور آپ نے کشتی پر جانوروں اور انسانوں کو سوار کرانا شروع کر دیا پھر زوردار بارش ہونے لگی جو مسلسل چالیس دن اور چالیس رات موسلا دھار برستی رہی اور زمین بھی جا بجا شق ہوگئی اور پانی کے چشمے پھوٹ کر بہنے لگے۔ اس طرح بارش اور زمین سے نکلنے والے پانیوں سے ایسا طوفان آ گیا کہ چالیس چالیس گز اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں ڈوب گئیں۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾ (پ ۱۲، ھود: ۴۰)

ترجمہ کنزالایمان: یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور اُبلا ہم نے فرمایا کشتی میں سوار کرلے ہر جنس میں سے ایک جوڑا نر و مادہ اور جن پر بات پڑ چکی ہے ان کے سوا اپنے گھر والوں اور باقی مسلمانوں کو اور اس کے ساتھ مسلمان نہ تھے مگر تھوڑے۔

اور آسمان و زمین کے پانی کی فراوانی اور طغیانی کا بیان فرماتے ہوئے ارشادِ ربانی ہوا کہ

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ (پ ۲۷، القمر: ۱۱)

ترجمہ کنزالایمان: تو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیئے زور کے بہتے پانی سے اور زمین چشمے کرکے بہادی تو دونوں پانی مل گئے اس مقدار پر جو مقدر تھی۔

یعنی طوفان آ گیا اور ساری دنیا غرق ہوگئی۔(تفسیر صاوی، ج ۳،ص ۹۱۳،پ ۱۲، ھود: ۴۲)

طوفان کتنا زوردار تھا اور طوفانی سیلاب کی موجوں کی کیا کیفیت تھی؟ اس کی منظر کشی قرآن مجید نے ان لفظوں میں فرمائی ہے:۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ قف (پ ۱۲،ھود: ۴۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور وہ انہیں لئے جارہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔

حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہو گئے اور کشتی طوفانی موجوں کے تھپیڑوں سے ٹکراتی ہوئی برابر چلی جارہی تھی یہاں تک کہ سلامتی کے ساتھ کوہِ جودی پر پہنچ کر ٹھہر گئی۔ کشتی پر سوار ہوتے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی تھی کہ

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

(پ ۱۲،ھود: ۴۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔اللہ کے نام پر اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بیشک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿۲۶﴾ جودی پہاڑ

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے تھپیڑوں میں چھ ماہ تک چکر لگاتی رہی یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے پاس سے گزری اور کعبہ مکرمہ کا سات چکر طواف بھی کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، جو عراق کے ایک شہر ''جزیرہ'' میں واقع ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پہاڑ کی طرف یہ وحی کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کسی ایک پہاڑ پر ٹھہرے گی تو تمام پہاڑوں نے تکبر کیا۔ لیکن ''جودی'' پہاڑ نے تواضع اور عاجزی کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ شرف بخشا کہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ اور ایک روایت ہے کہ بہت دنوں تک اس کشتی کی لکڑیاں اور تختے باقی رہے تھے۔ یہاں تک کہ اگلی

امتوں کے بعض لوگوں نے اس کشتی کے تختوں کو جودی پہاڑ پر دیکھا تھا۔محرم کی دسویں تاریخ عاشورا کے دن یہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ چنانچہ اس تاریخ کو کشتی کی تمام مخلوق یعنی انسان اور وحوش وطیور وغیرہ سبھی نے شکرانہ کا روزہ رکھا اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی سے اُتر کر سب سے پہلی جو بستی بسائی اس کا نام ''ثمانین'' رکھا۔عربی زبان میں ثمانین کے معنی ''اسی'' ہوتے ہیں ،چونکہ کشتی میں ۸۰ آدمی تھے اس لئے اس گاؤں کا نام ''ثمانین'' رکھ دیا گیا۔(تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۹۱۵۔ ۹۱٤،پ ۱۲، ھود : ٤٤)

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

(پ ۱۲ ،ھود: ٤٤)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔

﴿۲۷﴾ نوح علیہ السلام کا بیٹا غرق ہو گیا

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جس کا نام ''کنعان'' تھا۔وہ صدقِ دل سے آپ پر ایمان نہیں لایا تھا، بلکہ وہ منافق تھا۔اور اپنے کفر کو چھپائے رکھتا تھا۔لیکن طوفان کے وقت اس نے اپنے کفر کو ظاہر کردیا۔حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے وقت اس کو بلایا اور فرمایا کہ میرے پیارے بیٹے !تم کشتی پر سوار ہو جاؤ اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دو تو اس نے کہا کہ میں طوفان میں پہاڑوں پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا تو آپ نے بڑی دل سوزی کے ساتھ فرمایا کہ بیٹا! آج خدا کے عذاب سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ ہاں جس پر خداوند کریم اپنا رحم فرمائے بس وہی بچ سکتا ہے۔باپ بیٹے میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک زوردار موج آئی اور کنعان غرق ہو گیا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ کنعان ایک بلند پہاڑ پر چڑھ کر ایک غار میں چھپ گیا اور غار کے تمام سوراخوں کو بند کر لیا مگر جب طوفان کی موج اس پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرائی تو غار میں پانی بھر گیا۔اس طرح کنعان اپنے بول و براز میں لت پت ہو کر غرق ہو گیا۔

(تفسیر صاوی، ج ۳،ص ۹۱٤،پ ۱۲،ھود: ٤۳)

قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

وَنَادٰی نُوۡحُۨ ابۡنَہٗ وَکَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَلَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ﴿۴۳﴾ (پ ۱۲،ھود: ٤۲ ۔ ٤۳)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اورنوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے تھا اے میرے بچے ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچالے گا کہا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور اُن کے بیچ میں موج آڑے آئی تو وہ ڈوبتوں میں رہ گیا۔

بیٹے کو اپنے سامنے اس طرح غرقاب ہوتے دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام کو بڑا صدمہ و رنج پہنچا اور آپ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا کنعان تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! یہ آپ کا بیٹا کنعان آپ کے ان گھر والوں میں سے نہیں ہے جن کو بچانے کا ہم نے وعدہ کیا تھا لہذا، اے نوح! تمہارا یہ سوال ٹھیک نہیں ہے اس لئے تم مجھ سے ایسی کسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کروں جو مجھے معلوم نہیں ہے اور اگر تو مجھے معاف فرما کر رحم نہ فرمائے گا تو میں نقصان میں پڑ جاؤں گا۔

(تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۹۱٦۔ ۹۱۵ (ملخصاً)، پ ۱۲، ھود: ٤۵۔ ٤۷)

قرآن مجید میں حضرت حق جل جلالہ نے اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَ
اَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ
غَیۡرُ صَالِحٍ ٭ۗ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ
مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ
عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾

(پ ۱۲،هود: ۴۵۔۴۷)

ترجمہ کنزالایمان:۔اورنوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی اے میرے رب میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔عرض کی اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں۔

﴿۲۸﴾ طوفان کیونکر ختم ہوا

جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر پہنچ کر ٹھہر گئی اور سب کفار غرق ہو کر فنا ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین! جتنا پانی تجھ سے چشموں کی صورت میں نکلا ہے تو ان سب پانیوں کو پی لے۔اور اے آسمان! تو اپنی بارش بند کر دے۔ چنانچہ پانی گھٹنا شروع ہو گیا اور طوفان ختم ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے نوح! آپ کشتی سے اُتر جایئے۔اللہ کی طرف سے سلامتی اور برکتیں آپ پر بھی ہیں اور ان لوگوں پر بھی ہیں جو کشتی میں آپ کے ساتھ رہے۔(پ ۱۲،هود: ۴۸)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے روئے زمین کی خبر لانے کے

لئے کسی کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے مرغی نے کہا کہ میں روئے زمین کی خبر لاؤں گی تو آپ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کے بازوؤں پر مہر لگا کر فرمایا کہ تجھ پر میری مہر ہے، تو پرند ہوتے ہوئے بھی لمبی اُڑان نہ اُڑ سکے گی اور میری امت تجھ سے فائدہ اٹھائے گی۔ پھر آپ نے کوے کو بھیجا تو وہ ایک مردار دیکھ کر اس پر گر پڑا اور واپس نہیں آیا۔ تو آپ نے اس پر لعنت فرمادی اور اس کے لئے بددعا فرمادی کہ وہ ہمیشہ خوف میں مبتلا رہے۔ چنانچہ کوے کو حل و حرم میں کہیں بھی پناہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا تو وہ زمین پر نہیں اُترا بلکہ ملک سبا سے زیتون کی ایک پتی چونچ میں لے کر آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم زمین پر نہیں اُترے اس لئے پھر جاؤ اور روئے زمین کی خبر لاؤ۔ تو کبوتر دوبارہ روانہ ہوا اور مکہ مکرمہ میں حرم کعبہ کی زمین پر اُترا اور دیکھ لیا کہ پانی زمین حرم سے ختم ہو چکا ہے اور سرخ رنگ کی مٹی ظاہر ہوگئی ہے۔ کبوتر کے دونوں پاؤں سرخ مٹی سے رنگین ہو گئے۔ اور وہ اسی حالت میں حضرت نوح علیہ السلام کے پاس واپس آ گیا اور عرض کیا کہ اے خدا کے پیغمبر! آپ میرے گلے میں ایک خوبصورت طوق عطا فرمائیے اور میرے پاؤں میں سرخ خضاب مرحمت فرمائیے اور مجھے زمین حرم میں سکونت کا شرف عطا فرمائیے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کے سر پر دست شفقت پھیرا اور اس کے لئے یہ دعا فرمادی کہ اس کے گلے میں دھاری کا ایک خوبصورت ہار پڑا رہے اور اس کے پاؤں سرخ ہو جائیں اور اس کی نسل میں خیر و برکت رہے اور اس کو زمین حرم میں سکونت کا شرف ملے۔ (تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۹۱۶، پ ۱۲، ھود: ٤٨)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

(پ ۱۲، ھود: ٤٤)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کردیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اترنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَؕ

(پ ۱۲، ھود: ۴۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔فرمایا گیا اے نوح کشتی سے اتر ہماری طرف سے سلام اور برکتوں کے ساتھ جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کے کچھ گروہوں پر۔

درسِ ھدایت:۔ حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں بڑی بڑی عبرتوں کے سامان ہیں جن کے انوار وتجلیات سے قلوبِ مومنین پر ایسی ایمانی روشنی پڑتی ہے جس سے مومنین کا سینہ نورِ عرفان وجلوۂ ایمان سے منور اور روشن ہوجاتا ہے۔چند تجلیوں کی نشاندہی حاضر ہے:

{۱} حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کی ایذاء رسانیوں اور دلخراش طعنوں اور گالیوں کے باوجود صبر وتحمل کے ساتھ اپنی قوم کو ہدایت کا درس دیتے رہے اور جب تک ان پر وحی نہیں آ گئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت تک آپ برابر ہدایت کا وعظ سناتے ہی رہے۔جب بذریعہ وحی آپ ان لوگوں کے ایمان سے مایوس ہوگئے تو آپ نے ان ظالموں کے لئے ہلاکت کی دعا فرمائی۔قوم مسلم کے واعظوں اور ہادیوں کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ چراغ ہدایت ومنارۂ نور ہے کہ وہ بھی صبر واستقلال کے ساتھ برابر تبلیغ وارشاد کا کام جاری رکھیں۔

{۲} حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین طوفان کے عظیم سیلاب میں جب کہ طوفان کی موجیں پہاڑوں کی طرح سر اُٹھا رہی تھیں، کشتی پر سوار تھے اور طوفانی موجوں کے سیلابِ عظیم میں

ایک تنکے کی طرح یہ کشتی ہچکولے کھاتی چلی جارہی تھی۔مگر حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین توکل کی ایسی منزل بلند میں تھے کہ نہ ان لوگوں کو کوئی گھبراہٹ تھی نہ کوئی پریشانی۔اس میں مومنین کے لئے یہ ہدایت ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت میں بھی مومن کواللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھ کر مطمئن رہنا چاہیے۔

{۳} حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر تھا۔اس سے پتا چلتا ہے کہ نیکوں کی اولاد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نیک ہی ہوں۔بروں کی اولاد اچھی اور اچھوں کی اولاد بری ہوسکتی ہے۔یہ خداوند تعالیٰ کی مشیت اور مرضی پر موقوف ہے۔وہ جس کو چاہے اچھا بنادے اور جس کو چاہے برا بنادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۲۹﴾ ایک گستاخ پر بجلی گر پڑی

ایک شخص جو کفار عرب کے سرداروں میں سے تھا اس کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔چنانچہ ان حضرات نے اس کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنا کر اسلام کی دعوت دی تو اس گستاخ نے ازراہِ تمسخر کہا کہ اللہ کون ہے؟ کیسا ہے اور کہاں ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا تانبے کا؟ اس کا یہ متکبرانہ اور گستاخانہ جواب سن کر صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان حضرات نے بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں واپس حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس شخص سے بڑھ کر کافر اور باری تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والا تو ہم لوگوں نے دیکھا ہی نہیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ دوبارہ اس کے پاس جاؤ۔چنانچہ

یہ حضرات دوبارہ اس کے پاس پہنچے،تو اس خبیث نے پہلے سے بھی زیادہ گستاخانہ الفاظ زبان سے نکالے۔صحابہ کرام (علیہم الرضوان) اس کی گستاخیوں اور بدزبانیوں سے

رنجیدہ ہو کر دربارِ نبوت میں واپس پلٹ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ ان صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو اس کے پاس بھیجا جہاں یہ لوگ پہنچ کر اس کو دعوتِ اسلام دینے لگے اور وہ گستاخ ان حضرات سے جھگڑا کرتے ہوئے بدزبانی اور گالی گلوچ پر اُتر آیا۔ صحابہ کرام (علیہم الرضوان) ارشاد نبوی کے مطابق صبر کرتے رہے۔

اسی دوران میں لوگوں نے دیکھا کہ ناگہاں ایک بدلی آئی اور اس بدلی میں اچانک گرج اور چمک پیدا ہوئی۔ پھر ایک دم نہایت ہی مہیب گرج کے ساتھ اس کافر پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اُڑ گئی اور وہ لحہ بھر میں جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر صحابہ کرام (علیہم الرضوان) بارگاہِ اقدس میں واپس آئے تو ان حضرات کو دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جس گستاخ کے یہاں گئے تھے وہ تو جل کر راکھ ہو گیا۔ صحابہ کرام نے انتہائی حیرت و تعجب سے عرض کیا کہ یا رسول! آپ کو کیسے اور کس طرح اس کی خبر ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ابھی مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے:

(تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۹۹۶۔ ۹۹۵، پ ۱۳، الرعد: ۱۳)

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ (پ ۱۳، الرعد: ۱۳)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور کڑک بھیجتا ہے تو اسے ڈالتا ہے جس پر چاہے اور وہ اللہ میں جھگڑتے ہوتے ہیں اور اس کی پکڑ سخت ہے۔

درسِ ہدایت:۔ باری تعالیٰ کی شان میں اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کو بارہا عذابِ الٰہی نے اپنی گرفت میں لے کر ہلاک کر ڈالا لہٰذا خبردار، خبردار! اس مقدس جناب میں ہرگز ہرگز کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالنا چاہیے جو شانِ الوہیت میں بے ادبی قرار پائے۔ آج کل بہت سے لوگ بیماریوں اور مصیبتوں کے وقت خداوند تعالیٰ کی شان میں ناشکری کے

الفاظ بول کر خداوند قدوس کی بے ادبی کر بیٹھتے ہیں۔ جس سے ان کا ایمان بھی جاتا رہتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں عذاب کے حق دار بن جاتے ہیں۔ (توبہ نعوذ باللّٰہ منہ)

﴿۳۰﴾ پانچ دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کفار قریش کے پانچ سردار (۱) عاص بن وائل سہمی (۲) اسود بن مطلب (۳) اسود بن عبد یغوث (۴) حارث بن قیس (۵) ولید بن مغیرہ۔

یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے اور آپ کا بے حد تمسخر اور مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لائے تو یہ پانچوں خُبثاء بھی پیچھے پیچھے آئے اور حسب عادت تمسخر اور طعن و تشنیع کے الفاظ بکنے لگے اسی حالت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور انہوں نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی کی طرف اور عاص بن وائل سہمی کے پاؤں کے تلوے کی طرف اور اسود بن مطلب کی آنکھوں کی طرف اور اسود بن عبد یغوث کے پیٹ کی طرف اور حارث بن قیس کے سر کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ کہا کہ میں ان لوگوں کے شر کو دفع کروں گا۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ پانچوں دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم طرح طرح کی بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ ولید بن مغیرہ ایک تیر بیچنے والے کی دکان کے پاس سے گزرا۔ ناگہاں ایک تیر کا پیکان اس کے تہبند میں چبھ گیا۔ مگر اس کو نکالنے کے لئے اس نے تکبر سے سر نیچا نہ کیا اور کھڑے کھڑے تہبند ہلا ہلا کر پیکان کو نکالنے لگا جس سے اس کی پنڈلی زخمی ہو گئی اور وہ زخم اچھا نہیں ہوا بلکہ اسی زخم کی تکلیف اٹھا اٹھا کر وہ مر گیا۔

عاص بن وائل سہمی کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ گیا جس سے اس کے پاؤں میں زہر باد ہو گیا اور اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کی طرح موٹا ہو گیا اسی تکلیف میں وہ تڑپ تڑپ کر اور کراہتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔

اسود بن مطلب کی آنکھوں میں ایسا درد اٹھا کہ وہ اندھا ہو گیا اور درد کی شدت سے وہ بے قراری میں اپنا سر دیوار سے بار بار ٹکراتا تھا اور اسی درد و کرب کی بے چینی میں وہ مر گیا اور یہ کہتا ہوا مرا کہ مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہے۔

اسود بن عبد یغوث کو استسقاء ہو گیا جس سے اس کا پیٹ بہت زیادہ پھول گیا اور وہ اسی مرض میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو گیا۔

حارث بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ بہنے لگا اور وہ اسی میں مر کر ہلاک ہو گیا۔ اس طرح یہ پانچوں گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر ہلاک ہو گئے۔

(تفسیر صاوی، ج۳، ص ۱۰۵۳۔۱۰۵۲، پ ۱۴، الرعد: ۹۵)

ان ہی پانچوں گستاخوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ (پ ۱۴، الحجر: ۹۵۔۹۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو اب جان جائیں گے۔

درسِ ہدایت:۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ طعن و تمسخر، ان کی ایذاء رسانی اور توہین و بے ادبی وہ جرم عظیم ہے کہ خداوند قہار و جبار کا قہر و غضب ان مجرموں کو کبھی معاف نہیں فرماتا۔ ایسے لوگوں کو کبھی غرق کر کے ہلاک کر دیا، کبھی ان کی آبادیوں پر پتھر برسا کر ان کو برباد کر دیا، کبھی زلزلوں کے جھٹکوں سے ان کی بستیوں کو الٹ پلٹ کر کے تہس نہس کر دیا۔ کچھ ذلت کے ساتھ قتل ہو گئے۔ کچھ طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو کر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے اور تڑپتے تڑپتے مر گئے۔

اس زمانے میں بھی جو لوگ بارگاہِ نبوت میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے رہتے ہیں وہ کان

کھول کر سن لیں کہ ان کے ایمان کی دولت تو غارت ہو ہی چکی ہے، اب ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کسی نہ کسی عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر ذلت کی موت مر جائیں گے اور دنیا ان کے منحوس وجود سے پاک ہو جائے گی۔ سن لو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی ہرگز ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تم لوگ انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں اور اگر عذابِ الٰہی کی مار سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت سے اپنے دلوں کو معمور وآباد کر لو اور اپنے قول وفعل اور اعتقاد سے تعظیم وتوقیر نبوی کو اپنا دینی شعار بنالو۔ پھر تم دیکھنا کہ ہر قدم پر تمہارے اوپر خداوند قدوس کی رحمتیں نازل ہوں گی اور خاتمہ بالخیر کی کرامتوں سے تم سرفراز ہو کر دونوں جہاں کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو جاؤ گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

﴿۳۱﴾ تمام سواریوں کا ذکر قرآن میں

نزولِ قرآن کے وقت جو چوپائے عام طور پر بار برداری اور سواری کے لئے استعمال ہوتے تھے وہ چار جانور تھے۔ اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے۔ بار برداری اور سواری کے ان چار جانوروں کا ذکر قرآن مجید میں خاص طور سے صراحتاً مذکور ہے ان کے علاوہ قیامت تک جتنی سواریاں اور بار برداری کے سادھن عالم وجود میں آنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کا تذکرہ قرآن مجید میں اجمالاً بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نحل کی مندرجہ ذیل آیت کو بغور پڑھ لیجئے ارشاد ربانی ہے کہ

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ (پ ۱۴، النحل: ۵۔۸)

ترجمہ کنزالایمان :۔اور چوپائے پیدا کئے ان میں تمہارے لئے گرم لباس اور منفعتیں ہیں اوران میں سے کھاتے ہواور تمہارا ان میں تجمل ہے جب انہیں شام کو واپس لاتے ہواور جب چرنے کو چھوڑتے ہواور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسے شہر کی طرف کہ اس تک نہ پہنچتے مگرادھ مرے ہو کر بیشک تمہارا رب نہایت مہربان رحم والا ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہواور زینت کے لئے اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں۔

اس آیت مبارکہ میں آخری جملہ **وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾** میں قیامت تک عالم وجود میں آنے والے تمام بار برداری کے ذرائع اور قسم قسم کی ان مختلف سواریوں کے پیدا ہونے کا بیان ہے جو نزولِ قرآن کے وقت تک ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔مثلاً سائیکل، موٹر، ریل گاڑیاں، سڑکیں، بحری جہاز، ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر، راکٹ وغیرہ وغیرہ تمام نقل وحمل کے سامان اور سواریوں کے ذرائع سب کا اجمالاً ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار اور غیب کی خبر کا اعلانِ عام فرمایا ہے۔ذرائع نقل وحمل اور سواریوں کے علاوہ اس آیت میں تو اس قدر عموم ہے کہ اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی ہر ہر چیز اور تمام کائناتِ عالم کا اجمالاً بیان ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**.

چاروں سواریاں جو نزولِ قرآن کے وقت عرب میں عام تھیں۔ان کے بارے میں کچھ خصوصیات حسب ذیل ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

اونٹ :۔ یہ بہت سے نبیوں اور رسولوں کی سواری ہے۔خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی سواری فرمائی اور آپ کی دو اونٹنیاں بہت مشہور ہیں۔ایک ''قصویٰ'' اور دوسری ''عضباء'' جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ کبھی دوڑ میں کسی اونٹ سے مغلوب نہیں ہوئی تھی مگر ایک مرتبہ ایک اعرابی کے اونٹ سے دوڑ میں پیچھے رہ گئی تو حضرات صحابہ کرام کو بہت شاق گزرا۔اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پر یہ حق ہے کہ جب وہ کسی دنیا کی چیز

کو بلند فرما دیتا ہے تو اس کو پست بھی کر دیتا ہے۔ مروی ہے کہ آپ کی اونٹنی ''عضباء'' نے آپ کی وفات کے بعد غم میں نہ کچھ کھایا اور نہ پیا اور وفات پا گئی اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اسی اونٹنی پر سوار ہو کر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میدانِ محشر میں تشریف لائیں گی۔ (تفسیر روح البیان، ج٥، ص ٨٩،پ ١٤، النحل:٧)

''حیات الحیوان'' میں ہے کہ اونٹ کے بالوں کو جلا کر اس کی راکھ اگر بہتے ہوئے خون پر چھڑک دی جائے تو خون فوراً بند ہو جائے گا اور اونٹ کی کلنی اگر کسی عاشق کی آستین میں باندھ دی جائے تو اس کا عشق زائل ہو جائے گا اور اونٹ کا گوشت بہت مقوی باہ ہے۔

(تفسیر روح البیان، ج٥، ص ٩،پ ١٤،النحل:٧)

گھوڑا:۔ سب سے پہلے گھوڑے پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سواری فرمائی۔ آپ سے پہلے یہ وحشی اور جنگلی چوپایہ تھا۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم لوگ گھوڑے کی سواری کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویوں کے بعد سب سے زیادہ گھوڑا محبوب تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ گھوڑا میدانِ جنگ میں یہ تسبیح پڑھتا ہے ''سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ'' خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند گھوڑے تھے جن پر آپ سواری فرمایا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ کون کون سی سواریاں آپ کو پسند ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ گھوڑا اور گدھا اور اونٹ کیونکہ گھوڑا اولوالعزم رسولوں کی سواری ہے اور اونٹ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب و حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ہے اور گدھا حضرت عیسیٰ و حضرت عزیر علیہما السلام کی سواری ہے اور میں کیوں نہ اس چوپائے (گدھے) سے محبت رکھوں جس کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے

زندہ فرمایا۔ (تفسیر روح البیان، ج۵، ص ۱۱۔۱۰ (ملخصاً) پ ۱۴، النحل: ۸)

خچر:۔ یہ بھی ایک مبارک سواری ہے۔روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں چھ خچر تھے۔ان میں سے ایک سفید رنگ کا تھا جو مقوقس والی مصر نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت مبارکہ میں پیش کیا تھا جس کا نام ''دلدل'' تھا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندرون شہر مدینہ اور اپنے باہر کے سفروں میں اس پر سواری فرمایا کرتے تھے۔اس کی عمر بہت زیادہ ہوئی یہاں تک کہ اس کے سب دانت ٹوٹ گئے اور اس کی خوراک کے لئے جو کوٹ کر دلیا بنایا جاتا تھا۔ یہ حضور کی وفات کے بعد مدتوں زندہ رہا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے دوران اس پر سوار ہوئے۔اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنگِ خوارج کے موقع پر اسی خچر پر سوار ہو کر جنگ کے لئے نکلے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان حضرت امام حسن و حضرت امام حسین و حضرت محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس کی سواری کا شرف پایا۔ (تفسیر روح البیان، ج۵، ص ۱۱، پ ۱۴، النحل: ۸)

گدھا:۔ یہ بھی انبیاء اور رسولوں کی سواری ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت میں بھی دو گدھے تھے،ایک کا نام ''عفیر'' اور دوسرے کا نام ''یعفور'' تھا۔روایت ہے کہ ''یعفور'' آپ کو خیبر میں ملا تھا اور اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا تھا کہ یا رسول اللہ! میرا نام ''زیاد بن شہاب'' ہے اور میرے باپ داداؤں میں ساٹھ ایسے گدھے گزرے ہیں جن پر نبیوں نے سواری فرمائی ہے اور آپ بھی اللہ کے نبی ہیں لہٰذا میری تمنا ہے کہ آپ کے بعد دوسرا کوئی میری پشت پر نہ بیٹھے۔ چنانچہ اس چوپائے کی تمنا پوری ہوگئی کہ آپ کی وفات اقدس کے بعد ''یعفور'' شدتِ غم سے نڈھال ہو کر ایک کنوئیں میں گر پڑا اور فوراً ہی موت سے ہمکنار ہو گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ''یعفور'' کو بھیجا کرتے تھے کہ فلاں صحابی کو بلا کر لاؤ تو یہ جاتا تھا اور صحابی کے دروازہ کو اپنے سر سے کھٹکھٹاتا تھا تو وہ صحابی یعفور کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ حضور نے مجھے بلایا ہے

چنانچہ وہ فوراً ہی یعفور کے ساتھ دربارِ نبوی میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ادنیٰ کپڑا پہنے گا اور بکری کا دودھ دوہے گا اور گدھے کی سواری کرے گا۔ اس میں بالکل ہی تکبر نہیں ہوگا۔ (تفسیر روح البیان، ج ٥، ص ١١، پ ١٤، النحل: ٨)

درسِ ہدایت:۔ ان چاروں سواریوں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور انعام واحسان کے ان جانوروں کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان چاروں سواریوں پر حضرات انبیاء علیہم السلام سوار ہوئے ہیں لہٰذا ان سواریوں کی توہین و تحقیر بہت بڑی گستاخی و بے ادبی ہے جو کفر تک پہنچا دینے والی منحوسیت ہے بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان چوپایوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت جان کر شکر بجالائے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے ان سواریوں کی دل سے قدر کرے اور ہرگز ہرگز ان کی توہین و تحقیر نہ کرے کہ اس میں ایمان کی سلامتی بلکہ ایمان کی نورانیت کا راز مضمر ہے اور ان چاروں سواریوں کے بعد جو دوسری سواریاں ایجاد ہوئی ہیں ان پر بھی سوار ہونا جائز ہے اور ان سواریوں کے بارے میں یہ ایمان رکھنا لازم ہے کہ یہ سب خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور یہ سب سواریاں وہی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وَیَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۝ فرما کر ان کے پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿٣٢﴾ شہد کی مکھی

عربی میں شہد کی مکھی کو "نحل" کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک سورہ نازل فرمائی جس کا نام سورۂ نحل ہے۔ اس سورہ میں شہد اور شہد کی مکھی کے فضائل اور اس کے فوائد و منافع کا تذکرہ فرمایا ہے، جو قابل ذکر ہے اور در حقیقت یہ مکھیاں عجائباتِ عالم کی فہرست میں ایک بہت ہی نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ اس مکھی کی چند خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

{١} اس مکھی کے گھروں یعنی چھتوں کا ڈسپلن اور نظامِ عمل اتنا منظم اور باقاعدہ ہے گویا ایک ترقی یافتہ ملک کا "نظامِ سلطنت" ہے۔ جو پورے نظام و انتظام کے ساتھ نظمِ مملکت چلا رہا ہے

جس میں کوئی خلل اور فساد رونما نہیں ہوتا۔

{۲} ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں یہ مکھیاں اس طرح رہتی ہیں کہ ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو جسم اور قد میں تمام مکھیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ تمام مکھیاں اسی کی قیادت میں سفر اور قیام کرتی ہیں اس بادشاہ کو "یعسوب" کہتے ہیں۔

{۳} ان کا "یعسوب" ان مکھیوں کے لئے تقسیم کار کرتا ہے اور سب کو اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگا کر کام کراتا ہے۔ چنانچہ کچھ مکھیاں مکان بناتی ہیں جو سوراخوں کی شکل میں ہوتا ہے یہ مکھیاں ان سوراخوں کو اتنی خوبصورتی اور یکسانیت کے ساتھ مسدس (چھ گوشوں والا) شکل کا بناتی ہیں کہ گویا کسی ماہر انجینئر نے پرکار کی مدد سے ان سوراخوں کو بنایا ہے۔ سب کی شکل بالکل یکساں اور ایک جیسی، سب کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی بالکل برابر ہوتی ہے۔

{۴} کچھ مکھیاں "یعسوب" کے حکم سے انڈے بچے پیدا کرنے کا کام انجام دیتی ہیں، کچھ شہد تیار کرتی ہیں، کچھ موم بناتی ہیں، کچھ پانی لاتی ہیں، کچھ پہرہ دیتی رہتی ہیں، مجال نہیں کہ کوئی دوسری مکھی ان کے گھر میں داخل ہو سکے۔

{۵} یہ مکھیاں پھلوں پھولوں وغیرہ کا رس چوس چوس کر لاتی ہیں اور شہد کے خزانے میں جمع کرتی رہتی ہیں اور پھلوں پھولوں کی تلاش میں جنگلوں اور میدانوں میں سینکڑوں میل الگ الگ دور دور تک چلی جاتی ہیں مگر یہ اپنے چھتوں کو نہیں بھولتی ہیں اور بلا تکلف کسی تلاش کے سیدھے سینکڑوں میل کی دوری سے اپنے چھتوں میں پہنچ جاتی ہیں۔

{۶} یہ مکھیاں مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں کا شہد تیار کرتی ہیں، کبھی سرخ، کبھی سفید، کبھی سیاہ، کبھی زرد، کبھی پتلا، کبھی گاڑھا، مختلف موسموں میں اور مختلف پھلوں پھولوں کی بدولت شہد کے مختلف رنگ اور ذائقے بدلتے رہتے ہیں۔

{۷} یہ اپنے چھتے کبھی درختوں پر، کبھی پہاڑوں پر، کبھی گھروں میں، کبھی دیواروں کے

سوراخوں میں، کبھی زمین کے اندر بنایا کرتی ہیں اور ہر جگہ یکساں ڈسپلن اور نظام کے ساتھ ان کا کارخانہ چلتا رہتا ہے۔

{۸} نافرمان اور باغی مکھیوں کو ان کا ''یعسوب'' مناسب سزائیں بھی دیتا ہے یہاں تک کہ بعض کو قتل بھی کروا دیتا ہے اور سب کو اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔ کبھی کوئی شہد کی مکھی کسی نجاست پر نہیں بیٹھ سکتی اور اگر کوئی کبھی بیٹھ جائے تو ان کا بادشاہ ''یعسوب'' اس کو سخت سزا دے کر چھتے سے نکال دیتا ہے۔

قرآن مجید نے اس شہد کی مکھیوں کے مسائل کا خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ (پ ۱۴، النحل: ۶۸۔۶۹)

ترجمہ کنزالایمان: اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کہ تیرے لئے نرم و آسان ہیں اس کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز رنگ برنگ نکلتی ہے جس میں لوگوں کی تندرستی ہے بیشک اس میں نشانی ہے دھیان کرنے والوں کو۔

درسِ ہدایت: اللہ تعالیٰ نے شہد کو تمام بیماریوں کے لئے شفا فرمایا ہے چنانچہ بعض امراض میں تنہا شہد سے شفاء حاصل ہوتی ہے اور بعض امراض میں شہد کے ساتھ دوسری دواؤں کو ملا کر بیماریوں کا علاج کرتے ہیں جیسا کہ معجونوں اور جوارشوں اور طرح طرح کے شربتوں کے ذریعے تمام بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے اور ان سب دواؤں میں شہد شامل کیا جاتا ہے اسی طرح سکنجبین میں بھی شہد ڈالی جاتی ہے جو پیٹ کے امراض کے لئے بے حد مفید ہے۔ بہر حال

ہر مسلمان کو یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ شہد میں شفاء ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شہد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ (پ ۱۴، النحل: ۶۹)

یعنی اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے   فقط واللہ تعالیٰ اعلم

﴿۳۳﴾ کھوسٹ عمر والا

انسان کی وہ طویل عمر جس میں انسان کے تمام قویٰ مضمحل اور بیکار ہو جاتے ہیں اور آدمی بالکل ہی ناقص القوۃ، کم عقل اور قلیل الفہم ہو کر بچپن کی ہیئت کے مثل عقل و دانائی اور ہوش و خرد سے عاری اور نسیان کے غلبہ سے سارا علم بھول جاتا ہے اور اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے سے مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمر انسانی کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (پ ۱۴، النحل: ۷۰)

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں کوئی سب سے ناقص عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے بیشک اللہ سب کچھ جانتا سب کچھ کر سکتا ہے۔

اس ''ارذل العمر'' کی کوئی مقدار معین نہیں ہے، تاریخی تجربہ ہے کہ بعض لوگ ساٹھ ہی برس کی عمر میں ایسے ہو جاتے ہیں کہ بعض لوگ ایک سو برس کی عمر پا کر بھی کھوسٹ عمر کی منزل میں نہیں پہنچتے۔ ہاں امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نوے برس کی عمر والے کے تمام قویٰ اور حواس عمل و تصرف سے ناکارہ ہو جاتے ہیں اور وہ ہر قسم کی کمائی اور حج و جہاد وغیرہ کے قابل نہیں رہ جاتے اور یہ عمر اور اس کی کیفیات واقعی اس قابل ہیں کہ انسان اس سے خدا کی پناہ مانگے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سات چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے اور یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡبُخۡلِ وَالۡکَسَلِ وَاَرۡذَلِ الۡعُمُرِ وَعَذَابِ الۡقَبۡرِ وَفِتۡنَۃِ الدَّجَّالِ وَفِتۡنَۃِ الۡمَحۡیَا وَالۡمَمَاتِ (صحیح البخاری، ج ۳، ص ۲۵۷، حدیث ۴۷۰۷ بتغیر قلیل)

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کنجوسی سے اور کاہلی سے اور کھوسٹ عمر سے اور قبر کے عذاب سے اور فتنہ دجال سے اور زندگی کے فتنے سے اور موت کے فتنے سے۔

اسی لئے منقول ہے کہ مشہور بزرگ اور مستند عالم دین حضرت محمد بن علی واسطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات کے لئے خاص طور پر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

یَا رَبِّ لَا تُحۡیِنِیۡ اِلٰی زَمَنٍ اَکُوۡنُ فِیۡهِ کَلًّا عَلٰی اَحَدٍ

خُذۡ بِیَدِیۡ قَبۡلَ اَنۡ اَقُوۡلَ لِمَنۡ اَلۡقَاہُ عِنۡدَ الۡقِیَامِ خُذۡ بِیَدِیۡ

یعنی اے اللہ! مجھے اتنے زمانے تک زندہ مت رکھ کہ میں کسی پر بوجھ بن جاؤں تو اس سے قبل میری دست گیری فرمالے کہ میں ہر ملنے والے سے اٹھتے وقت یہ کہوں کہ تم میرا ہاتھ پکڑ لو۔

حدیث شریف میں ہے اور بعض لوگوں نے اس کو حضرت عکرمہ کا قول بتایا ہے کہ جو شخص قرآن کو پڑھتا رہے وہ ارذل العمر (کھوسٹ) کو نہ پہنچے گا اور ایسے ہی جو قرآن میں غور و فکر کرتا رہے گا اور قرآن پر عمل بھی کرتا رہے گا وہ بھی اس کھوسٹ عمر سے محفوظ رہے گا۔

(تفسیر روح البیان، ج ۵، ص ۵۴۔۵۵ (ملخصاً)، پ ۱۴، النحل: ۷۰)

درسِ ہدایت:۔ زندگی اور موت اور کم یا زیادہ عمر یہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے کم عمر عطا فرمائے جس کو چاہے طویل عمر بخشے۔ کسی انسان کو ہرگز ہرگز اس میں کوئی دخل نہیں ہے انسان کو چاہئے کہ بہر حال خداوند قدوس کی مرضی پر صابر و شاکر رہے۔ ہاں البتہ یہ دعا مانگتا رہے کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی کو نیکیوں میں گزارے اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھے کیونکہ تھوڑی سی عمر ملے اور نیکیوں میں گزرے تو اس سے بڑا کوئی انعام نہیں اور عمر طویل پائے مگر حسنات اور نیکیوں میں نہ گزرے تو وہ لمبی عمر بہت بڑا خسارہ اور وبال ہے اور اس کا ہر

وقت دھیان رکھے کہ کسی بوڑھے شخص کی بے ادبی نہ ہونے پائے بلکہ ہمیشہ بوڑھوں کا اعزاز و احترام پیش نظر رہے، کیونکہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں فقر و فاقہ کی شکایت کی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَعَلَّكَ مَشَيْتَ اَمَامَ شَيْخٍ یعنی غالباً تم کسی بوڑھے آدمی کے آگے آگے چلے ہوگے۔ یہ اسی کی نحوست ہے۔

(تفسیر روح البیان، ج ٥، ص ٥٦، پ ١٤، النحل: ٧٠)

توبہ کی فضیلت

حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، اللہ عزوجل کے محبوب، دانائے غیوب منزہٌ عن العیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان رحمت نشان ہے: اَلتَّـائِـبُ مِـنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ یعنی ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔''

(سنن ابن ماجہ، حدیث ٤٢٥٠، ص ٢٧٣٥) (فیضان سنت، ج ١، ص ١٢٨٤)

﴿۳۴﴾ بے وقوف بڑھیا

مکہ مکرمہ میں ایک بڑھیا ریطہ بنت سعد بن تمیم قرشیہ تھی۔ جس کے مزاج میں وہم اور عقل میں فتور تھا وہ روزانہ دوپہر تک محنت کر کے سوت کاتا کرتی تھی اور دوپہر کے بعد وہ کاتے ہوئے سوت کو توڑ کر ریزہ ریزہ کرڈالتی تھی اور اپنی باندیوں سے بھی تڑواتی تھی، یہی روزانہ کا اس کا معمول تھا۔(تفسیر صاوی، ج۳، ص ۱۰۸۹،پ ۱٤،النحل:۹۲)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کر یا اس کے نام پر لوگوں سے کوئی عہد کر کے اپنی قسموں اور عہدوں کو توڑ دیا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس عورت سے تشبیہ دیتے ہوئے قسموں اور عہدوں کے توڑنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًاؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًاؕ (پ ۱٤،النحل:۹۱-۹۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اللہ کا عہد پورا کرو جب قول باندھو اور قسمیں مضبوط کر کے نہ توڑو اور تم اللہ کو اپنے اوپر ضامن کر چکے ہو بیشک اللہ تمہارے کام جانتا ہے اور اس عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنا سوت مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے توڑ دیا۔

درسِ ہدایت:۔ ہر قسم کی بدعہدی اور عہد شکنی ممنوع اور شریعت میں گناہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بلا ضرورت اس کو توڑنا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِؕ** یعنی اپنے عہدوں اور معاہدوں کو پورا کرو اور فرمایا کہ **وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْؕ** یعنی اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ ہاں البتہ اگر کسی خلاف شرع بات کی قسم کھالی ہو تو ہرگز ہرگز اس قسم پر اڑے نہیں رہنا چاہئے بلکہ لازم ہے کہ اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۳۵﴾ حصور گاؤں کی بربادی

’’حصور‘‘ یمن کا ایک گاؤں تھا اس گاؤں والوں کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا جن کا نام موسیٰ بن میشا تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پر پوتے تھے۔ گاؤں والوں نے آپ کو جھٹلایا اور پھر آپ کو قتل کر دیا اس ناجائز حرکت پر خدا کا قہر و غضب اور اس کا عذاب گاؤں والوں پر اُتر پڑا۔ گاؤں والے طرح طرح کی بلاؤں میں گرفتار ہو گئے یہاں تک کہ ’’بخت نصر‘‘ کافر و ظالم بادشاہ اس گاؤں پر مسلط ہو گیا۔ اور اس نے نہایت ہی بے دردی کے ساتھ پورے گاؤں کے تمام مردوں کو قتل کر دیا اور سب عورتوں کو گرفتار کر کے لونڈی بنا لیا اور شہر کو تاخت و تاراج کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ جب شہر میں قتل عام شروع ہوا تو گاؤں والے بھاگنے لگے اس وقت فرشتوں نے بطور مذاق کے کہا کہ اے گاؤں والو! مت بھاگو اور اپنے گھروں میں اپنے مال و دولت کو لے کر آرام و حسین زندگی بسر کرو۔ کہاں بھاگ رہے ہو؟ ٹھہرو! یہ انبیاء علیہم السلام کے خون ناحق کا بدلہ ہے جو تمہیں مل رہا ہے، آسمان سے ملائکہ کی یہ آواز پورے گاؤں میں آتی رہی اور ’’بخت نصر‘‘ کے لشکروں کی تلواریں ان کے سر اُڑاتی رہیں۔ جب گاؤں والوں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے گناہوں اور جرموں کا اقرار کرنے لگے مگر ان کی آہ و زاری اور گریہ و بے قراری نے ان کو کوئی نفع نہیں دیا۔ گاؤں میں ہر طرف خون کی ندیاں بہہ گئیں اور سارا گاؤں تہس نہس ہو گیا

قرآن مجید نے ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی داستان کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾
فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْۤا
اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا
كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا

خٰمِدِيْنَ﴿۱۵﴾ (پ۱۷،الانبیاء:۱۱۔۱۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ کردیں کہ وہ ستمگار تھیں اوران کے بعداورقوم پیدا کی تو جب انہوں نے ہمارا عذاب پایاجبھی وہ اس سے بھاگنے لگے نہ بھاگواور لوٹ کے جاؤاُن آسائشوں کی طرف جوتم کودی گئی تھیں اوراپنے مکانوں کی طرف شاید تم سے پوچھنا ہو بولے ہائے خرابی ہماری بیشک ہم ظالم تھے تو وہ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کردیا کاٹے ہوئے بجھے ہوئے۔

اور بعض مفسرین کرام نے فرمایاہے کہ اس آیت میں گاؤں سے مراد گزشتہ ہلاک شدہ امتوں کے گاؤں ہیں۔یعنی حضرت نوح وحضرت لوط وحضرت صالح وحضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں کی بستیاں جوطرح طرح کے عذابوں سے ہلاک وبرباد کردی گئیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(تفسیر صاوی،ج٤،ص ۱۲۹۲،پ۱۷،الانبیاء:۱۱)

درسِ ہدایت:۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تکذیب وتوہین اوران کی ایذاءرسانی وقتل یہ سب بڑے بڑے وہ جرم عظیم ہیں کہ خداوندقدوس کا عذاب ان لوگوں پرضرور ہی آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ بہت سی بستیاں انہیں جرموں میں تباہ وبربادکردی گئیں۔

﴿۳۶﴾ حضرت ذوالکفل علیہ السلام

قرآن مجید میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر صرف دوسورتوں یعنی سورۂ''انبیاء''اور سورۂ''صٓ''میں کیا گیاہےاوران دونوں سورتوں میں صرف آپ کا نام مذکور ہے۔نام کے علاوہ آپ کے حالات کا مجمل یامفصل کوئی تذکرہ نہیں ہے۔سورۂ انبیاء میں یہ ہے:

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْكِفْلِؕ-كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ﴿۸۵﴾

(پ۱۷،الانبیاء:۸۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔اوراسمٰعیل اورادریس،ذوالکفل کو(یادکرو)وہ سب صبروالے تھے۔

اور سورۂ ''صٓ ''میں اس طرح ارشاد ہوا کہ

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ؕ

(پ ۲۳،صٓ:۴۸)

ترجمہ کنزالایمان: ۔اور یاد کرو اسمٰعیل اور یسع اور ذوالکفل کو اور سب اچھے ہیں۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید نے نام کے سوا کچھ نہیں بیان کیا ہے اسی طرح حدیثوں میں بھی آپ کا کوئی تذکرہ منقول نہیں ہے۔لہٰذا قرآن و حدیث کی روشنی میں اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ ذوالکفل علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے جو کسی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

البتہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے فرزند ہیں اور انہوں نے خالصاً لوجہ اللہ کسی کی ضمانت کر لی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کو کئی برس قید کی تکلیف برداشت کرنی پڑی۔(موضح القرآن)

اور بعض مفسرین نے تحریر فرمایا کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام درحقیقت حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب ہے۔

اور زمانہ حال کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ذوالکفل ''گوتم بدھ'' کا لقب ہے اس لئے کہ اس کے دارالسلطنت کا نام ''کپل وستو'' تھا جس کا معرب ''کفل'' ہے اور عربی میں ''ذو''، ''صاحب'' اور ''مالک'' کے معنی میں بولا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی ''کپل وستو'' کے مالک اور بادشاہ کو ''ذوالکفل'' کہا گیا اور ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ''گوتم بدھ'' کی اصل تعلیم توحید اور حقیقی اسلام ہی کی تھی مگر بعد میں یہ دین دوسرے ادیان و ملل کی طرح مسخ و محرف ہو گیا۔مگر واضح رہے کہ زمانہ حال کے چند لوگوں کی یہ رائے کہ ''ذوالکفل'' گوتم بدھ کا لقب ہے میرے نزدیک یہ محض ایک خیالی تُک بندی ہے۔تاریخی اور تحقیقی حیثیت سے اس رائے کی کوئی وقعت

نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کے ان حالات وواقعات کے سوا جن کی تفصیلات قرآن مجید میں مختلف انبیاء بنی اسرائیل کے ذکر میں آتی رہی ہیں، حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی خاص واقعہ ایسا درپیش نہیں ہوا جو عام تبلیغ و ہدایت سے زیادہ اپنے اندر عبرت وموعظت کا پہلو رکھتا ہو۔ اس لئے قرآن مجید نے فقط ان کے نام ہی کے ذکر پر اکتفا کیا اور حالات وواقعات کا ذکر نہیں فرمایا فقط۔واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۳۷﴾ نہریں اُٹھالی جائیں گی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نہروں کو جنت سے جاری فرمایا ہے۔{۱} جیحون {۲} سیحون {۳} دجلہ {۴} فرات {۵} نیل۔ یہ پانچوں ندیاں ایک ہی چشمہ سے جاری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ جنت کے اس چشمہ کو پہاڑوں کے اندر امانت رکھ دیا ہے اور پہاڑوں سے ان نہروں کو زمین پر جاری فرما دیا ہے۔ جس سے لوگ طرح طرح کے فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ جب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت ہوگا تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجے گا اور وہ چھ چیزوں کو زمین سے اُٹھا لے جائیں گے۔

{۱} قرآن مجید {۲} تمام علوم {۳} حجر اسود {۴} مقام ابراہیم {۵} موسیٰ علیہ السلام کا تابوت {۶} مذکورہ بالا پانچوں نہریں اور جب یہ چھ چیزیں زمین سے اُٹھالی جائیں گی تو دین و دنیا کی برکتیں روئے زمین سے اُٹھ جائیں گی اور لوگ ان برکتوں سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ (تفسیر صاوی، ج ٤، ص ١٣٦٠، پ ١٨، المومنون: ١٨)

اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ (پ۱۸، المومنون:۱۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازہ پر پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور بیشک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں۔

اس آیت میں وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ کا یہی مطلب ہے کہ ان پانیوں اور نہروں کو ایک وقت ہم اُٹھا کر جہاں سے ہم نے اُتارا ہے وہاں پہنچا دیں گے اور زمین سے یہ سب ناپید ہو جائیں گے۔

درسِ ھدایت:۔ تو بندوں پر لازم ہے کہ خداوند قدوس کی ان نعمتوں کی شکر گزاری کے ساتھ حفاظت کریں اور ہرگز ہرگز پانی کو بیکار ضائع نہ کریں اور ہر وقت خدا سے ڈرتے رہیں کہ کہیں یہ نعمت ہم سے سلب نہ کر لی جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

﴿۳۸﴾ تخلیقِ انسانی کے مراحل

اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قیوم ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک لمحہ میں ہزاروں انسانوں کو پیدا فرمادے مگر وہ قادرِ مطلق اپنی قدرتِ کاملہ کے باوجود اپنی حکمتِ کاملہ سے انسانوں کو بتدریج شرفِ وجود بخشتا ہے۔ چنانچہ نطفہ ماں کی بچہ دانی میں پہنچ کر طرح طرح کی کیفیات اور قسم قسم کے تغیرات سے ایک خاص قسم کا مزاج حاصل کر کے جما ہوا خون بن جاتا ہے۔ پھر وہ جما ہوا خون گوشت کی ایک بوٹی بن جاتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی ہڈیاں بن جاتی ہیں۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھ جاتا ہے اور پورا جسم تیار ہو جاتا ہے پھر اُس میں رُوح ڈالی جاتی ہے اور یہ بے جان بدن جان دار ہو جاتا ہے اور اس میں نطق اور سمع و بصر وغیرہ کی مختلف طاقتیں ودیعت رکھی جاتی ہیں۔ پھر ماں اس بچہ کو جنتی ہے اس طرح مختلف منازل و مراحل کو طے کر کے ایک انسان بتدریج عالم وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے تخلیق انسانی کے ان مراحل کا نقشہ ان

الفاظ میں پیش فرمایا ہے کہ

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ (پ۱۸،المومنون:۱۳۔۱۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اُٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

درسِ ہدایت:۔ تخلیق انسانی کے ان مختلف مراحل سے گزرنے میں خداوند قدوس کی کون کون سی حکمتیں اور کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں؟ ان کو بھلا ہم عام انسان کیا اور کیونکر سمجھ سکتے ہیں؟ لیکن کم سے کم ہر انسان کے لئے اس میں عبرتوں اور نصیحتوں کے بہت سے سامان ہیں تاکہ انسان یہ سوچتا رہے اور کبھی اس سے غافل نہ رہے کہ میں اصل میں کیا تھا؟ اور خداوند قدوس نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا؟ یہ غور کر کے خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لائے اور کبھی فخر و تکبر اور خودنمائی کو اپنے قریب نہ آنے دے اور یہ سوچ کر کہ میں نطفہ کی ایک بوند سے پیدا ہوا ہوں ہمیشہ عاجزی و فروتنی کے ساتھ منکسر المزاج بن کر زندگی بسر کرے اور یہ سوچ کر قیامت پر بھی ایمان لائے کہ جس خدا نے مجھے ایک بوند نطفہ پانی سے انسان بنا دیا وہ بلاشبہ اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ مجھے زندہ کر کے میرے اعمال نیک و بد کا حساب لے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۳۹﴾ مبارک درخت

قرآن مجید میں مبارک درخت سے مراد ''زیتون'' کا درخت ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد یہ سب سے پہلا درخت ہے جو زمین پر اُگا اور سب سے پہلے جہاں اُگا وہ کوہِ طور ہے

جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلام ہوئے۔ زیتون کے درخت کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض عالموں نے فرمایا ہے کہ تین ہزار برس تک یہ درخت باقی رہتا ہے۔ (تفسیر صاوی، ج٤، ص ١٣٦٠، پ١٨، المومنون: ٢٠)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ زیتون میں بہت سے فوائد اور منفعتیں ہیں۔ اس کے تیل سے چراغ جلایا جاتا ہے اور یہ بطور سالن کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی سر اور بدن پر مالش بھی کرتے ہیں اور یہ چمڑے کی دباغت میں بھی کام آتا ہے اور اس سے آگ بھی جلاتے ہیں اور اس کا کوئی جز و بھی بیکار نہیں۔ یہاں تک کہ اس کی راکھ سے ریشم دھوکر صاف کیا جاتا ہے اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مکانوں اور مقدس زمینوں میں اُگتا ہے اور اس کے لئے ستر انبیاء کرام نے برکت کی دعا مانگی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعاؤں سے بھی یہ درخت سرفراز ہوا ہے۔ (تفسیر صاوی، ج٤، ص ١٤٠٥، پ١٨، نور: ٣٥)

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک درخت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿٢٠﴾

(پ١٨، المومنون: ٢٠)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طورِ سینا سے نکلتا ہے لے کر اُگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ

(پ١٨، النور: ٣٥)

ترجمہ کنزالایمان:۔ روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا۔

درسِ ہدایت:۔ زیتون ایک بڑی برکتوں والا درخت ہے یوں تو ہر جگہ یہ درخت بغیر کسی محنت اور پرورش کے ہوتا ہے لیکن خاص طور پر ملک شام اور عام طور پر ملک عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے اوران مقامات پر اس کا تیل بھی لوگ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں گوشت اور مچھلی بھی اسی تیل میں تل کر لوگ کھاتے ہیں۔ اس کے تیل کو عربی میں ''زیت'' کہتے ہیں اور یہ تیل بیچنے والا ''زیات'' کہلاتا ہے۔ اگر مل سکے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ تبرکاً اس کا استعمال کریں کیونکہ قرآن میں اس کو مبارک درخت فرمایا گیا ہے اور ستر انبیاء کرام نے اس میں برکت کے لئے دعائیں فرمائی ہیں۔ لہٰذا اس کے بابرکت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور جب بابرکت چیز ہے تو اس میں یقیناً فوائد ومنافع بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۴۰﴾ اصحاب الرس کون ہیں؟

''رس'' لغت میں پرانے کنوئیں کے معنی میں آیا ہے۔ اس لئے ''اصحاب الرس'' کے معنی ہوئے ''کنوئیں والے'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''اصحاب الرس'' کے نام سے ایک قوم کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اس کی ہلاکت کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا کہ:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ٘ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ (پ۱۹، الفرقان: ۳۸۔۳۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو اور ان کے بیچ میں بہت سی سنگتیں اور ہم نے سب سے مثالیں بیان فرمائیں اور سب کو تباہ کر کے مٹا دیا۔

اور سورۂ قٓ میں ہلاک شدہ قوموں کی فہرست بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ

فَحَقَّ وَعِيۡدِ ﴿۱۴﴾ (پ۲۶،ق:۱۲۔۱۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔ان سے پہلے جھٹلایا نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے ہم قوموں اور بن والوں اور تبع کی قوم نے ان میں ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا۔

''اصحاب الرس'' کون تھے؟ اور کہاں رہتے تھے؟ اس بارے میں مفسرین کے اقوال اس قدر مختلف ہیں کہ حقیقت حال بجائے منکشف ہونے کے اور زیادہ مستور ہو گئی ہے۔ بہرحال ہم مختصراً چند اقوال یہاں ذکر کر کے ایک اپنی بھی پسندیدہ بات تحریر کرتے ہیں۔

قول اول: علامہ ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ ''رس'' کے معنی غار کے بھی آتے ہیں۔اس لئے ''اصحاب الاخدود'' (گڑھے والوں) ہی کو ''اصحاب الرس'' بھی کہتے ہیں۔

قول دوم: ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس قول کو حق بتایا ہے کہ ''اصحاب الرس'' قوم عاد سے بھی صدیوں پہلے ایک قوم کا نام ہے۔ یہ لوگ جس جگہ آباد تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر حضرت حنظلہ بن صفوان کو مبعوث فرمایا تھا اس سرکش قوم نے اپنے نبی کی بات نہیں مانی اور کسی طرح بھی حق کو قبول نہیں کیا بلکہ اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا۔جس کی سزا میں پوری قوم عذابِ الٰہی سے ہلاک و برباد ہو گئی۔ (تفسیر سورۂ فرقان و تاریخ ابن کثیر، ج ۱)

قول سوم: ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ آذربائیجان کے قریب ایک کنواں تھا اس کنوئیں کے قریب جو قوم آباد تھی اس نے اپنے نبی کو کنوئیں میں ڈال کر زندہ دفن کر دیا تھا۔اس لئے ان لوگوں کو ''اصحاب الرس'' کہا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر، ج۶، ص ۱۰۱،پ۱۹،الفرقان: ۳۸)

قول چہارم: قتادہ کہتے ہیں کہ ''یمامہ'' کے علاقہ میں ''فلج'' نامی ایک بستی تھی ''اصحاب الرس'' وہیں آباد تھے اور یہ وہی قوم ہے جس کو قرآن مجید میں ''اصحاب القریہ'' بھی کہا گیا ہے

اور یہ مختلف نسبتوں سے پکارے جاتے ہیں۔

قول پنجم: ابوبکر عمر نقاش اور سہیلی کہتے ہیں کہ ''اصحاب الرس'' کی آبادی میں ایک بہت بڑا کنواں تھا جس کا پانی وہ لوگ پیتے تھے اور اس سے اپنے کھیتوں کی آبپاشی بھی کرتے تھے اور ان لوگوں نے گمراہ ہو کر اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا تھا، اس جرم میں عذابِ الٰہی اُتر پڑا اور یہ پوری قوم ہلاک و برباد ہوگئی۔

قول ششم: محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الْعَبْدُ الْاَسْوَدُ یعنی جنت میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوگا وہ ایک کالا غلام ہوگا۔

اور یہ اس لئے کہ ایک بستی میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک نبی بھیجا مگر ایک کالے غلام کے سوا کوئی ان پر ایمان نہیں لایا پھر اہل شہر نے اس نبی کو ایک کنوئیں میں ڈال کر کنوئیں کے منہ کو ایک بھاری پتھر سے بند کر دیا، تاکہ کوئی کھول نہ سکے۔ مگر یہ سیاہ فام غلام روزانہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور ان کو فروخت کر کے کھانا خریدتا اور کنوئیں پر پہنچ کر پتھر اٹھاتا اور نبی کی خدمت میں کھانا پیش کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس غلام پر جنگل میں نیند طاری کر دی اور یہ چودہ سال تک سوتا ہی رہ گیا۔ اس درمیان میں قوم کا دل بدل گیا اور ان لوگوں نے نبی کو کنوئیں میں سے نکال کر توبہ کر لی اور ایمان قبول کر لیا پھر چند دنوں کے بعد نبی کی وفات ہو گئی۔ چودہ سال کے بعد جب کالے غلام کی آنکھ کھلی تو اس نے سمجھا کہ میں چند گھنٹے سویا ہوں، جلدی جلدی لکڑیاں کاٹ کر وہ شہر میں پہنچا تو یہ دیکھ کر کہ شہر کے حالات بدلے ہوئے ہیں دریافت کیا تو سارا قصہ معلوم ہوا اور اسی غلام کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے ایک کالا غلام جائے گا۔

(تفسیر ابن کثیر، ج٦، ص ١٠١،پ١٩، الفرقان: ٣٨)

قــول ھــفــتــم: مشہور مؤرخ علامہ مسعودی بیان کرتے ہیں کہ''اصحاب الرس''حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یہ دو قبیلے تھے''قید ما''(قید ماہ)اور دوسرا''یامین''یا''رعویل''اور یہ دونوں قبیلے یمن میں آباد تھے۔

قــول ھشــتــم: مصر کے ایک عالم فرج اللہ ذکی کردی کہتے ہیں کہ لفظ''رس''،''ارس''کا مخفف ہے اور یہ شہر قفقاز کے علاقہ میں واقع ہے اس وادی میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا جن کا نام ابراہیم زردشت تھا۔انہوں نے اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دی مگر ان کی قوم نے سرکشی اور بغاوت اختیار کی چنانچہ یہ قوم عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دی گئی۔

''اصحاب الرس''کے بارے میں یہ آٹھ اقوال ہیں جن میں سے سبھی اقوال معرض بحث میں ہیں اور لوگوں نے ان اقوال و روایات پر کافی رد و قدح کیا ہے جن کی تفصیلات کو ذکر کر کے ہم اپنی مختصر کتاب کو طول دینا پسند نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ''اصحاب الرس''کے بارے میں قرآن مجید سے اتنا تو پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں کا وجود یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کے زمانہ کی کسی قوم کا تذکرہ ہے یا کسی قدیم العہد قوم کا ذکر ہے تو قرآن مجید نے اس کے بارے میں کچھ بھی بیان نہیں فرمایا ہے اور مذکورہ بالا تفسیری روایتوں سے اس کا قطعی فیصلہ ہونا بہت ہی مشکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۴۱﴾ اصحاب ایکہ کی ہلاکت

''ایکہ''جھاڑی کو کہتے ہیں ان لوگوں کا شہر سرسبز جنگلوں اور ہرے بھرے درختوں کے درمیان تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔آپ نے''اصحاب ایکہ''کے سامنے جو وعظ فرمایا وہ قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے،آپ نے فرمایا کہ

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ

مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا
الْكَيْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ۚ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ۚ
وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ۚ وَ
اتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ؕ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ
الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ۙ وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ۚ
فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ؕ قَالَ رَبِّيْۤ
اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ (پ ۱۹، الشعراء: ۱۷۷ ـ ۱۸۹)

ترجمہ کنزالایمان: کیاڈرتے نہیں بیشک میں تمہارے لئے اللہ کا امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں اس پر کچھ تم سے اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے ناپ پورا کرو اور گھٹانے والوں میں نہ ہو اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا اور اگلی مخلوق کو بولے تم پر جادو ہوا ہے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور بیشک ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو اگر تم سچے ہو فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے کوتک ہیں تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں شامیانے والے دن کے عذاب نے آلیا۔ بیشک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

خلاصہ یہ کہ ''اصحاب ایکہ'' نے حضرت شعیب علیہ السلام کی مصلحانہ تقریر کو سن کر بدزبانی کی اور اپنی سرکشی اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پیغمبر کو جھٹلا دیا اور یہاں تک اپنی سرکشی کا اظہار کیا کہ پیغمبر سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہم کو ہلاک کر دو۔

اس کے بعد اس قوم پر خداوند قہار و جبار کا قاہرانہ عذاب آ گیا وہ عذاب کیا تھا؟ سنئے اور عبرت حاصل کیجئے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جس سے پوری آبادی میں شدید گرمی اور لو کی حرارت و تپش پھیل گئی اور بستی والوں کا دم گھٹنے لگا تو وہ لوگ اپنے گھروں میں گھسنے لگے اور اپنے اوپر پانی کا چھڑکاؤ کرنے لگے مگر پانی اور سایہ سے انہیں کوئی چین اور سکون نہیں ملتا تھا۔ اور گرمی کی تپش سے ان کے بدن جھلسے جا رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی بھیجی جو شامیانے کی طرح پوری بستی پر چھا گئی اور اس کے اندر ٹھنڈک اور فرحت بخش ہوا تھی۔ یہ دیکھ کر سب گھروں سے نکل کر اس بدلی کے شامیانے میں آ گئے جب تمام آدمی بدلی کے نیچے آ گئے تو زلزلہ آیا اور آسمان سے آگ برسی۔ جس میں سب کے سب ٹڈیوں کی طرح تڑپ تڑپ کر جل گئے۔ ان لوگوں نے اپنی سرکشی سے یہ کہا تھا کہ اے شعیب! ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہم کو ہلاک کر دو۔ چنانچہ وہی عذاب اس صورت میں اس سرکش قوم پر آ گیا اور سب کے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

(تفسیر صاوی، ج ٤، ص ١٤٧٤، پ ١٩، الشعراء: ١٨٩)

ایک ضروری توضیح:۔ واضح رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ایک قوم ''مدین'' دوسرے ''اصحاب ایکہ'' ان دونوں قوموں نے آپ کو جھٹلا دیا، اور اپنے طغیان و عصیان کا مظاہرہ اور اپنی سرکشی کا اظہار کرتے ہوئے ان دونوں قوموں نے آپ کے ساتھ بے ادبی اور بدزبانی کی اور دونوں قومیں عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دی گئیں۔ ''اصحاب مدین'' پر تو یہ عذاب آیا کہ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی چیخ اور چنگھاڑ کی ہولناک آواز سے زمین دہل گئی اور لوگوں کے دل خوف دہشت سے پھٹ گئے اور سب دم زدن میں موت کے گھاٹ اُتر گئے۔

اور ''اصحاب ایکہ''، ''عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّۃِ'' سے ہلاک کردیئے گئے جس کا تفصیلی بیان ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ (تفسیر صاوی،ج٤، ص ١٤٧٣، پ١٩، الشعراء:١٧٦)

﴿۴۲﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت

حضرت موسیٰ علیہ السلام بچپن ہی سے فرعون کے محل میں پلے بڑھے مگر جب جوان ہوگئے تو فرعون اور اس کی قوم قبطیوں کے مظالم دیکھ کر بےزار ہوگئے اور فرعونیوں کے خلاف آواز بلند کرنے لگے۔ اس پر فرعون اور اس کی قوم جو ''قبطی'' کہلاتے تھے، آپ کے دشمن بن گئے اور آپ فرعون کا محل بلکہ اس کا شہر چھوڑ کر اطراف میں چھپ کر رہنے لگے۔ ایک دن جب شہر والے دوپہر میں قیلولہ کررہے تھے تو آپ چپکے سے شہر میں داخل ہوگئے اور اس شہر کا نام ''منف'' تھا جو مصر کے حدود میں واقع ہے اور ''منف'' دراصل ''مافہ'' تھا جو عربی میں ''منف'' ہوگیا اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ شہر ''عین الشّمس'' تھا اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ شہر ''حابین'' تھا جو مصر سے دو کوس دور ہے۔ (تفسیر خازن،ج٣،ص٤٢٧،پ٢٠،القصص:١٤) یا ''ام خنان'' یا مصر تھا۔ (تفسیر صاوی،ج٤، ص ١٥٢٢، پ ٢٠، القصص: ١٤)

جب آپ شہر میں پہنچے تو یہ دیکھا کہ ایک شخص آپ کی قوم کا اسرائیلی اور ایک شخص فرعون کی قوم کا قبطی دونوں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کر کے مدد مانگی۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک گھونسہ ماردیا جس سے اس کا دم نکل گیا۔ اس پر آپ کو بہت افسوس ہوا اور آپ خدا سے استغفار کرنے لگے۔ فرعون کی قوم کے لوگوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ کسی اسرائیلی نے ہمارے ایک قبطی کو مار ڈالا ہے اس پر فرعون نے قاتل اور گواہوں کی تلاش کا حکم دیا۔

فرعونی چاروں طرف گشت کرتے پھرتے تھے۔ مگر کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ رات بھر صبح تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فکر مند رہے کہ خدا جانے اس قبطی کے مارے جانے کا کیا نتیجہ

نکلے گا اور اس کی قوم کے لوگ کیا کریں گے؟ دوسرے روز جب موسیٰ علیہ السلام کو پھر ایسا اتفاق پیش آیا کہ وہی اسرائیلی جس نے ایک دن پہلے آپ سے مدد طلب کی تھی آج پھر ایک فرعونی سے لڑ رہا تھا تو آپ نے اسرائیلی کو ڈانٹا کہ تو روز روز لوگوں سے لڑتا ہے اپنے کو بھی پریشانی میں ڈالتا ہے اور اپنے مددگاروں کو بھی فکر میں مبتلا کرتا ہے لیکن پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلی پر رحم آ گیا اور آپ نے چاہا کہ اس کو فرعونی کے ظلم سے بچائیں تو اسرائیلی بولا کہ اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی ایسے ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ کیا تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح چاہتے ہی نہیں۔ اتنے میں شہر کے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور یہ خبر دی کہ دربارِ فرعون کے قبطی آپس میں آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ شہر سے نکل جایئے میں آپ کا خیر خواہ ہوں تو آپ شہر سے باہر نکل گئے اور اس انتظار میں رہے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ پھر آپ نے یہ دعا مانگی کہ اے میرے رب! مجھے ظالموں سے بچالے۔ یہ دعا مانگ کر آپ ہجرت کر کے مدین حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے آپ کو پناہ دی اور پھر اپنی ایک صاحبزادی بی بی صفورا سے آپ کا نکاح بھی کر دیا۔ (پ ۲۰، القصص: ۱۵۔ ۲۳ ملخصاً)

جس شخص نے شہر کے کنارے سے دوڑتے ہوئے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کے قتل کا منصوبہ تیار ہونے کی خبر دی اور ہجرت کا مشورہ دیا وہ فرعون کے چچا کا لڑکا تھا، جس کا نام حزقیل یا شمعون یا سمعان تھا۔ یہ خاندان فرعون میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا۔ (تفسیر صاوی، ج ٤، ص ١٥٢٤، پ ٢٠، القصص: ٢٠)

درسِ ہدایت:۔ اس واقعہ سے علماء حق کو عبرت و نصیحت حاصل کرنی چاہیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام راہِ تبلیغ میں کیسے کیسے حادثات سے دوچار ہوئے مگر صبر و استقامت کا دامن ان حضرات کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹا۔ یہاں تک کہ نصرتِ

خداوندی نے ان حضرات کی ایسی دستگیری فرمائی کہ یہ حضرات کامیاب ہو کر رہے اور ان کے دشمنوں کو ہزیمت اور ہلاکت نصیب ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۴۳﴾ مکڑی کا گھر

کفار نے بتوں کو معبود بنا کر ان کی امداد و اعانت اور نصرت و نفع رسانی پر جو اعتماد اور بھروسا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس حماقت مآبی کے اظہار اور ان کی خود فریبیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو بہت زیادہ عبرت خیز اور اعلیٰ درجے کی نصیحت آموز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚۖ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

(پ ۲۰،العنکبوت:۴۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔ ان کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور مالک بنالیے ہیں مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا اور بیشک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر کیا اچھا ہوتا اگر جانتے۔

مطلب یہ ہے کہ مکڑی جالے کا گھر بنا کر اپنے خیال میں مگن رہتی ہے کہ میں مکان میں بیٹھی ہوئی ہوں مگر اس کے مکان کا یہ حال ہے کہ وہ نہ دھوپ سے بچا سکتا ہے نہ بارش سے، نہ گرمی سے محفوظ رکھ سکتا ہے نہ سردی سے حفاظت کر سکتا ہے اور ہوا کے ایک معمولی جھونکے سے تہس نہس ہو کر برباد ہو جایا کرتا ہے۔ یہی حال کفار کا ہے کہ ان لوگوں نے بتوں کو اپنے نفع و نقصان کا مالک بنالیا ہے اور ان بتوں کی امداد و نصرت پر اعتماد اور بھروسا کر رکھا ہے۔ حالانکہ بتوں سے ہرگز ہرگز کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچ سکتا اور کافروں کا بتوں پر اعتماد اتنا ہی کمزور سہارا ہے جتنا کہ مکڑی کا جالا کمزور ہوتا ہے۔ کاش کفار اس بات کو سمجھ لیتے تو یہ ان کے حق میں بہت

ہی اچھا ہوتا۔

مکڑی :۔ مکڑی ایک عجیب الخلقت جانور ہے اس کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں یہ بہت ہی قناعت پسند جانور ہے۔مگر خدا کی شان کہ سب سے حریص جانور یعنی مکھی اور مچھر اس کی غذا ہیں۔مکڑی کئی کئی دنوں تک بھوکی پیاسی بیٹھی رہتی ہے مگر اپنے جالے سے نکل کر غذا تلاش نہیں کرتی۔ جب جالے کے اندر کوئی مکھی یا مچھر پھنس جاتا ہے تو یہ اس کو کھالیتی ہے ورنہ صبر وقناعت کر کے پڑی رہتی ہے۔

مکڑی کے فضائل میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ہجرت کے وقت جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِثور میں تشریف فرما تھے تو مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا تھا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے تھے۔جس کو دیکھ کر کفار واپس چلے گئے کہ اگر غار میں کوئی شخص گیا ہوتا تو مکڑی کا جالا اور انڈا ٹوٹ گیا ہوتا۔

(تفسیر صاوی،ج٤، ص ١٥٦٤، پ ٢٠،العنکبوت:٤١)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے گھروں سے مکڑیوں کے جالوں کو دور کرتے رہو کہ یہ مفلسی اور ناداری کا باعث ہوتے ہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ٧٢٢،پ ٢٠، العنکبوت:٤١)

﴿۴۴﴾ حضرت لقمان حکیم

حضرت لقمان کی مدح وثناء اور ان کی بعض نصیحتوں کا تذکرہ قرآن میں بڑی عظمت وشان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور انہی کے نام پر قرآن مجید کی ایک سورہ کا نام ''سورہ لقمان'' رکھا گیا۔

محمد بن اسحٰق صاحب مغازی نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔لقمان بن باعور بن باحور بن تارخ۔ یہ تارخ وہی ہیں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد ہیں اور

مؤرخین نے فرمایا کہ آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور بعض کا قول ہے کہ آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔

حضرت لقمان نے ایک ہزار برس کی عمر پائی۔ یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر ان سے علم سیکھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے آپ بنی اسرائیل کے مفتی تھے۔ مگر جب حضرت داؤد علیہ السلام منصبِ نبوت پر فائز ہوگئے تو آپ نے فتویٰ دینا ترک کر دیا اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا ہے کہ میں نے چار ہزار نبیوں کی خدمت میں حاضری دی ہے۔ اور ان پیغمبروں کے مقدس کلاموں میں سے آٹھ باتوں کو میں نے چن کر یاد کرلیا ہے، جو یہ ہیں:

{۱} جب تم نماز پڑھو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔

{۲} جب تم کھانا کھاؤ تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔

{۳} جب تم کسی غیر کے مکان میں رہو تو اپنی آنکھوں کی حفاظت کرو۔

{۴} جب تم لوگوں کی مجلس میں رہو تو اپنی زبان کی حفاظت رکھو۔

{۵} اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھو۔

{۶} اپنی موت کو ہمیشہ یاد کرتے رہا کرو۔

{۷} اپنے احسانوں کو بھلا دو۔

{۸} دوسروں کے ظلم کو فراموش کردو۔

حضرت عکرمہ اور امام شعبی کے سوا جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آپ نبی نہیں تھے بلکہ آپ حکیم تھے اور بنی اسرائیل کے نہایت ہی بلند مرتبہ صاحب ایمان اور بہت ہی نامور مرد صالح تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو حکمتوں کا خزینہ بنا دیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ

لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۱۲﴾ (پ ۲۱،لقمان:۱۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کر اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بیشک اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا۔

حضرت لقمان عمر بھر لوگوں کو نصیحتیں فرماتے رہے۔ تفسیر فتح الرحمٰن میں ہے کہ آپ کی قبر مقام ''صرفند'' میں ہے جو ''رملہ'' کے قریب ہے اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ آپ کی قبر ''رملہ'' میں مسجد اور بازار کے درمیان میں ہے اور اس جگہ ستر انبیاء علیہم السلام بھی مدفون ہیں۔ جن کو آپ کے بعد یہودیوں نے بیت المقدس سے نکال دیا تھا اور یہ لوگ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر وفات پا گئے تھے۔ آپ کی قبر پر ایک بلند نشان ہے اور لوگ اس قبر کی زیارت کے لئے دور دور سے جایا کرتے ہیں۔ (تفسیر روح البیان، ج۷، ص ۷۷، پ ۲۱، لقمان:۱۲)

حکمت کیا ہے؟:۔ ''حکمت'' عقل و فہم کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ''حکمت'' معرفت اور اصابت فی الامور کا نام ہے۔ اور بعض کے نزدیک حکمت ایک ایسی شے ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے دل میں یہ رکھ دیتا ہے اس کا دل روشن ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ مختلف اقوال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو نیند کی حالت میں اچانک حکمت عطا فرما دی تھی۔ بہر حال نبوت کی طرح حکمت بھی ایک وہبی چیز ہے، کوئی شخص اپنی جدو جہد اور کسب سے حکمت حاصل نہیں کر سکتا۔ جس طرح کہ بغیر خدا کے عطا کئے کوئی شخص اپنی کوششوں سے نبوت نہیں پا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ نبوت کا درجہ حکمت کے مرتبے سے بہت اعلیٰ اور بلند تر ہے۔

(تفسیر روح البیان، ج۷، ص ۷۴۔۷۵، (ملخصاً) پ ۲۱، لقمان:۱۱)

حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو جن کا نام ''انعم'' تھا۔ چند نصیحتیں فرمائی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ لقمان میں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی دوسری نصیحتیں آپ نے فرمائی ہیں

جو تفاسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مشہور ہے کہ آپ درزی کا پیشہ کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ آپ بکریاں چراتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ حکمت کی باتیں بیان کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ کیا تم فلاں چرواہے نہیں ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں، میں یقیناً وہی چرواہا ہوں تو اس نے کہا کہ آپ حکمت کے اس مرتبہ پر کس طرح فائز ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ باتوں میں سچائی اور امانتوں کی ادائیگی اور بیکار باتوں سے پرہیز کرنے کی وجہ سے۔

(تفسیر صاوی، ج ٥، ص ١٥٩٨، پ ٢١، لقمان: ١٢)

مسواک کی فضیلت

حضرت سیدنا ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، شہنشاہ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم کا فرمانِ برکت نشان ہے: اَلسِّوَاکُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ یعنی ''مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ عزوجل کی خوشنودی کا سبب ہے۔'' (سنن ابن ماجه، ص ٢٤٩٥، حدیث ٢٨٩)

(فیضان سنت، ج ١ ص ١٢٨٤)

﴿۴۵﴾ امانت کیا ھے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں امانت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

(پ ۲۲، الاحزاب: ۷۲۔۷۳)

ترجمہ کنزالایمان: بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور اللہ توبہ قبول فرمائے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وہ امانت جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش فرمایا تو ان سبھوں نے خوفِ الٰہی سے ڈر کر اس امانت کو قبول کرنے سے انکار کردیا لیکن انسان نے امانت کے اس بوجھ کو اٹھالیا۔ سوال یہ ہے کہ وہ امانت درحقیقت کیا چیز تھی؟ تو اس بارے میں مفسرین کے چند اقوال ہیں مگر حضرت علامہ احمد صاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس امانت کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ وہ امانت شرعی پابندیوں کی ذمہ داری ہے۔

روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شریعت کی پابندیوں کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے روبرو پیش فرمایا تو ان تینوں نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ! ہمیں اس بارگراں کے اٹھانے میں کیا حاصل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ان (احکام شریعت) کی پابندی کرو

گے تو تمہیں بہترین صلہ وانعام دیا جائے گا تو تینوں نے جواب میں عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ! ہم تو بہر حال تیرے حکم کے فرمانبردار ہیں، باقی ثواب وعذاب سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ہے لیکن خوفِ الٰہی سے ڈر کر کانپتے ہوئے ان تینوں نے اس امانت کو قبول کرنے سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش فرمایا تو آپ نے بھی دریافت کیا کہ امانت کی ذمہ داری قبول کر لینے سے ہمیں کیا ملے گا؟ تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اچھی طرح اس کی پابندی کرو گے تو تمہیں بڑے بڑے انعام واکرام سے نوازا جائے گا اور اگر تم نے نافرمانی کی تو طرح طرح کے عذابوں میں تمہیں گرفتار کیا جائے گا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس بار امانت کو اُٹھالیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! میں اس سلسلے میں تیری مدد کروں گا۔

(تفسیر صاوی، ج۵، ص ۱۶۵۹-۱۶۶۰، پ ۲۲، الاحزاب: ۷۲)

درسِ ہدایت:۔ ابلیس نے سجدۂ آدم علیہ السلام کے بارے میں خدا کا حکم ماننے سے انکار کیا تو وہ راندۂ درگاہِ الٰہی ہو کر دونوں جہاں میں مردود ہو گیا۔ مگر آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے امانت کو اٹھانے کے بارے میں حکمِ الٰہی ماننے سے انکار کیا تو وہ بالکل معتوب نہیں ہوئے اس کی کیا وجہ ہے؟ اور اس کا راز کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ابلیس کا انکار بطورِ استکبار (تکبر) تھا اور آسمانوں وغیرہ کا انکار بطورِ استصغار (تواضع) تھا۔ یعنی ابلیس نے اپنے کو بڑا سمجھ کر سجدۂ آدم علیہ السلام سے انکار کیا تھا اور ظاہر ہے کہ تکبر وہ گناہِ عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اور تواضع وہ پیاری ادا ہے جو خداوند قدوس کو بے حد محبوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیس انکار کر کے عذابِ دارین کا حق دار بن گیا اور آسمان وزمین وغیرہ انکار کر کے موردِ عتاب بھی نہیں ہوئے بلکہ خدا کے رحم وکرم کے مستحق ہو گئے۔

اللہ اکبر! کہاں استکبار؟ اور کہاں استصغار؟ کہاں تکبر؟ اور کہاں تواضع؟ کہاں

اپنے کو بڑا سمجھنا؟ اور کہاں اپنے کو چھوٹا سمجھنا۔ دونوں میں بہت عظیم فرق ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ ہم سب کو تکبر سے بچائے اور تواضع کا خوگر بنائے۔ آمین۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۴۶﴾ جن اور جانور فرمانبردار

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک خاص معجزہ اور اُن کی سلطنت کا ایک خصوصی امتیاز یہ ہے کہ ان کے زیرِ نگین صرف انسان ہی نہیں تھے بلکہ جن اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے اور سب آپ کے حاکمانہ اقتدار کے زیرِ حکم تھے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ دربارِ خداوندی (عزوجل) میں یہ دعا کی تھی کہ

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴿۳۵﴾ (پ۲۳،ص:۳۵)

ترجمہ کنزالایمان: اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بیشک تو ہی ہے بڑی دین والا۔

چنانچہ اللّٰہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مقبول فرمائی اور آپ کو ایسی عجیب و غریب حکومت اور بادشاہی عطا فرمائی کہ نہ آپ سے پہلے کسی کو ملی، نہ آپ کے بعد کسی کو میسر ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ گزشتہ رات ایک سرکش جن نے یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے تو خداوند تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب دن میں اس کو دیکھ سکو۔ مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی یہ دعا یاد آ گئی کہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴿۳۵﴾ یہ یاد آتے ہی میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

(بخاری شریف، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل ووھبنا لداؤد سلیمن الخ، ج۱،ص ۴۸۷،۴۸۶۔
فتح الباری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل ووھبنا الخ، رقم الحدیث ۳۴۲۳، ج۶، ص ۵۶۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل کے خصائص ومعجزات وخصوصی امتیازات وکمالات مجھ میں جمع فرمادیئے ہیں اس لئے قوم جن کی تسخیر پر بھی مجھ کو قدرت حاصل ہے لیکن چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا خصوصی طغراء امتیاز قرار دیا ہے اس لئے میں نے اس سلسلہ کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ قرآن کریم کی حسبِ ذیل آیتوں میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معجزانہ اقتدارِ حکومت کا تذکرہ ہے۔

﴿۱﴾ وَمِنَ الشَّیٰطِیۡنِ مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ لَہٗ وَیَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِکَ ۚ وَکُنَّا لَہُمۡ حٰفِظِیۡنَ ﴿ۙ۸۲﴾ (پ۱۷،الانبیاء:۸۲)

ترجمہ کنزالایمان: اور شیطانوں میں سے وہ جو اس کے لئے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے اور ہم انہیں روکے ہوئے تھے۔

اسی طرح سورۂ ''سبا'' میں ارشاد فرمایا:

﴿۲﴾ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡہِ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ ؕ وَمَنۡ یَّزِغۡ مِنۡہُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡہُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۲﴾ یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَتَمَاثِیۡلَ وَجِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ

(پ۲۲،سبا:۱۲۔۱۳)

ترجمہ کنزالایمان: اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں ہمارے حکم سے پھرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں۔

اور سورۂ نمل میں یہ فرمایا کہ

﴿۳﴾ وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ (پ۱۹،النمل: ۱۷)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور جمع کئے گئے سلیمان کے لئے اس کے لشکر جنوں اور آدمیوں اور پرندوں سے تو وہ روکے جاتے تھے۔

اور سورۂ صٓ میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ

﴿۴﴾ وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ (پ۲۳،صٓ:۳۷۔۳۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور دیو بس میں کر دیئے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے یہ ہماری عطا ہے اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر کچھ حساب نہیں۔

درسِ ہدایت:۔بعض ملحدین جن کو معجزات کے انکار اور انکارِ جن کا مرض ہو گیا ہے وہ لوگ ان آیتوں کے بارے میں عجیب عجیب مضحکہ خیز باتیں بکتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''جن'' سے مراد انسانوں کی ایک ایسی قوم ہے جو اس زمانے میں بہت قوی ہیکل اور دیو پیکر تھی اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کسی کے قابو میں نہیں آتی تھی اور حیوانات کی تسخیر کے بارے میں یہ بکتے ہیں کہ قرآن میں اس سلسلے کا ذکر صرف '' ہُدہُد'' سے متعلق ہے اور یہاں '' ہُدہُد'' سے پرند مراد نہیں ہے بلکہ ہُدہُد ایک آدمی کا نام تھا جو پانی کی تفتیش پر مقرر تھا۔اس قسم کی لغویات اور رکیک باتیں کرنے والے یا تو جذبہ الحاد میں قصداً قرآن مجید کی تحریف کرتے ہیں یا قرآن کی تعلیمات سے جاہل ہونے کے باوجود اپنے دعویٰ بلا دلیل پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ قرآن مجید نے ''جن'' کے متعلق جابجا بصراحت یہ اعلان کیا کہ وہ انسانوں سے جدا خدا کی ایک مخلوق ہے صرف ایک آیت پڑھ لو جو اس بارے میں قول فیصل ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (پ ۲۷، الذاریات: ۵۶)

یعنی ہم نے جن اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ خدا کے عبادت گزار بنیں۔ دیکھ لو اس آیت میں جن کو ایک انسان سے جدا ایک مخلوق ظاہر کر کے دونوں کی تخلیق کی حکمت بیان کی گئی ہے لہٰذا اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا کہ جن انسانوں ہی میں سے ایک قوی ہیکل قوم کا نام ہے، غور کیجئے کہ یہ کتنی بڑی جہالت کی بات ہے۔

اسی طرح جب ''ہُدہُد'' کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف صاف پرند فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ (پ ۱۹، النمل: ۲۰)

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو اس تصریح کے بعد کسی کو کیا حق ہے کہ اس کے خلاف کوئی رکیک اور لچر تاویل کرے۔ اور یہ کہے کہ ہُدہُد پرند نہیں تھا بلکہ ایک آدمی کا نام تھا۔ سوچئے کہ یہ مغرب زدہ ملحدوں کا علم ہے یا ان کی جہالت کا قطب مینار ہے۔

وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ○

﴿۴۷﴾ ہوا پر حکومت

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ بھی ایک خاص معجزہ اور آپ کی نبوت کا خصوصی امتیاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ''ہوا'' کو ان کے حق میں مسخر کر دیا تھا اور وہ ان کے زیرِ فرمان کر دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب چاہتے تو صبح کو ایک مہینے کی مسافت اور شام کو ایک مہینے کی مسافت کی مقدار ہوا کے دوش پر سفر کر لیتے تھے۔

قرآن کریم نے آپ کے اس معجزے کے متعلق تین باتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں مسخر کر دیا۔ دوسرے یہ کہ ہوا ان کے حکم کے اس طرح تابع تھی کہ شدید تیز و تند ہونے کے باوجود ان کے حکم سے نرم اور آہستہ روی کے باعث راحت ہو جاتی تھی، تیسری بات یہ کہ ہوا کی نرم رفتاری کے باوجود اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے صبح و شام کا جدا جدا سفر ایک شہ سوار کے مسلسل ایک ماہ کی رفتار کے برابر تھا گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت انجن اور مشین جیسے ظاہری اسباب سے بالاتر صرف ان کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز مگر سبک روی کے ساتھ ہوا کے کاندھے پر اُڑا چلا جاتا تھا۔

اس مقام پر تختِ سلیمان اور آپ کے سفر کے متعلق جو تفصیلات سیرت کی کتابوں اور تفسیروں میں منقول ہیں ان میں بہت سے واقعات اسرائیلیات کا ذخیرہ ہیں جن کو بعض واعظین بیان کرتے ہیں مگر وہ قابل اعتبار نہیں اور ان پر بہت سے اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں۔قرآن مجید نے اس واقعہ کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ:

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَاؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ (پ۱۷،الانبیاء:۸۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور سلیمان کے لئے تیز ہوا مسخر کردی کہ اس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے۔

اور سورۂ سبا میں یہ ارشاد فرمایا کہ

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌۚ (پ۲۲،سبا:۱۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور سلیمان کے بس میں ہوا کردی اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ۔

اور سورہ صٓ میں فرمایا کہ

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَۙ﴿۳۶﴾ (پ۲۳،صٓ:۳۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کردی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتا۔

﴿۴۸﴾ تانبے کے چشمے

حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ عظیم الشان عمارتوں اور پر شوکت قلعوں کی تعمیر کے بہت شائق تھے اس لئے ضرورت تھی کہ گارے اور چونے کے بجائے پگھلی ہوئی دھات گارے کی جگہ استعمال کی جائے لیکن اس قدر کثیر مقدار میں یہ کیسے میسر آئے یہ سوال تھا جس کا حل حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس مشکل کو اس طرح حل کر دیا کہ ان کو پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے عطا فرمائے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حسبِ ضرورت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبے کو پگھلا دیتا تھا اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ایک خاص نشان اور ان کا معجزہ تھا آپ سے پہلے کوئی شخص دھات کو پگھلانا نہیں جانتا تھا۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص ۳۷۷، پ ۲۲، سبا: ۱۲)

اور نجار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ انعام فرمایا کہ زمین کے جن حصوں میں آتشی مادوں کی وجہ سے تانبا پانی کی طرح پگھل کر بہہ رہا تھا ان چشموں کو حضرت سلیمان علیہ السلام پر آشکارا فرمایا۔ آپ سے پہلے کوئی شخص بھی زمین کے اندر دھات کے چشموں سے آگاہ نہ تھا۔ چنانچہ ابن کثیر بروایت قتادہ ناقل ہیں کہ پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے یمن میں تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۲۸)

قرآن مجید نے اس قسم کی کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائی ہے کہ تانبے کے چشمے کس شکل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملے مگر قرآن کی جس آیت میں اس معجزہ کا ذکر ہے مذکورہ بالا دونوں توجیہات اس آیت کا مصداق بن سکتی ہیں اور وہ آیت یہ ہے:

وَاَسَلۡنَا لَہٗ عَیۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ (پ ۲۲، سبا: ۱۲)

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔

درسِ ھدایت:۔ ہوا پر حکومت اور پگھلے ہوئے تانبے کے چشموں کا مل جانا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ بعض ملحدین جن کو معجزات کے انکار کی بیماری ہوگئی ہے وہ ان معجزات کے بارے میں عجیب عجیب مضحکہ خیز باتیں بکتے اور رکیک تاویلات کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان ملحدوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہ کریں اور معجزات پر یقین رکھتے ہوئے ایمان لائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۴۹﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے

ایک مرتبہ جہاد کی ایک مہم کے موقع پر شام کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو اصطبل سے لانے کا حکم دیا۔ جب وہ پیش کئے گئے تو چونکہ آپ کو گھوڑوں کی نسلوں اور ان کے ذاتی اوصاف کے علم کا کمال حاصل تھا اس لئے جب آپ نے ان گھوڑوں کو اصیل سبک رو اور خوش رو پایا اور یہ ملاحظہ فرمایا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے تو آپ پر مسرت وانبساط کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ فرمانے لگے کہ ان گھوڑوں سے میری محبت ایسی مالی محبت میں شامل ہے جو پروردگار کے ذکر ہی کا ایک شعبہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس غور و فکر کے درمیان گھوڑے اصطبل کو روانہ ہوگئے۔ چنانچہ جب آپ نے نظر اٹھائی تو وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہوگئے تھے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ۔

جب وہ گھوڑے واپس لائے گئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جوشِ محبت میں ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا اور تھپتھپانا شروع کردیا۔ کیونکہ یہ گھوڑے جہاد کا سامان تھے اس لئے آپ ان کی عزت و توقیر کرتے ہوئے ایک ماہرِ فن کی طرح سے ان گھوڑوں کو مانوس کرنے لگے اور اظہارِ محبت فرمانے لگے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو حسبِ ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

(پ ۲۳، صٓ: ۳۰ ـ ۳۳)

ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا فرمایا کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانے والا جب کہ اس پر پیش کئے گئے تیسرے پہر کو کہ رُوکئے تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں چوتھے سم کا کنارہ زمین پر لگائے ہوئے اور چلایئے تو ہوا ہو جائیں تو سلیمان نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لئے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

درسِ ہدایت :۔ ان آیات کی جو تفسیر ہم نے تحریر کی ہے اس کو ابن جریر طبری اور امام رازی نے ترجیح دی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ جس کے ناقل علی بن ابی طلحہ ہیں ان آیات کی تفسیر میں بعض مفسرین نے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گھوڑوں کی گردنوں کو تلوار سے کاٹ ڈالنا تحریر کیا ہے اور اسی قسم کے بعض دوسرے کمزور اقوال بھی تحریر کئے ہیں جن کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ محض حکایات اور داستانیں ہیں جو دلائل قویہ کے سامنے کسی طرح قابل قبول نہیں اور یہ تفسیر جو ہم نے تحریر کی ہے اس پر نہ کوئی اشکال و اعتراض پڑتا ہے نہ کسی تاویل کی ضرورت پیش آتی ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۸۱۹، پ ۲۳، صٓ: ۳۳)

﴿۵۰﴾ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح

حضرت داؤد علیہ السلام خداوند قدوس کی تسبیح و تقدیس میں بہت زیادہ مشغول و مصروف

رہتے تھے اور آپ اس قدر خوش الحان تھے کہ جب آپ زبور شریف پڑھتے تھے تو آپ کے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور بھی وجد میں آ جاتے اور آپ کے گرد جمع ہو کر خدا کی حمد کے ترانے گاتے اور اپنی اپنی سریلی اور پر کیف آوازوں میں تسبیح و تقدیس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ہمنوائی کرتے اور چرند و پرند ہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خداوند تعالیٰ کی حمد وثناء میں گونج اٹھتے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ان معجزات کا ذکر جمیل اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء و سورۂ سبا و سورۂ صٓ میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَؕ وَ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾

(پ ۱۷، الانبیاء: ۷۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ ہمارے کام تھے۔

اور سورۂ سبا میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًاؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَۚ (پ ۲۲، سبا: ۱۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور بیشک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا اے پہاڑو اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو۔

اور سورۂ صٓ میں ارشاد ربانی اس طرح ہوا کہ

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَ الطَّیْرَ مَحْشُوْرَةًؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ (پ ۲۳، صٓ: ۱۸۔۱۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ بیشک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیے تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے اور پرندے جمع کئے ہوئے سب اس کے فرمانبردار تھے۔

درسِ ہدایت:۔ بے عقل پرندے اور بے جان پہاڑ جب خداوند قدوس کی تسبیح و تقدیس کا

نغمہ گایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتوں میں آپ پڑھ چکے تو اس سے ہم انسانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہم انسان جو عقل والے، ہوشمند اور صاحبِ زبان ہیں ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم خداوند قدوس کی تسبیح اور اس کی حمد وثناء کے افکار کو وردِ زبان بنائیں اور اس کی تسبیح وتقدیس میں برابر مشغول ومصروف رہیں۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس سلسلہ میں ایک بہت ہی لطیف ولذیذ اور نہایت ہی مؤثر حکایت بیان فرمائی ہے اس کو پڑھئے اور عبرت ونصیحت حاصل کیجئے وہ فرماتے ہیں:

دوش مرغے بصبح می نالید　　عقل و صبرم ربود و طاقت و هوش

ایک پرند صبح کو چہچہا رہا تھا تو اس کی آواز سے میری عقل وصبر اور طاقت وہوش سب غارت ہوگئے۔

یکے از دوستانِ مخلص را　　مگر آوازِ من رسید بگوش

میرے ایک مخلص دوست کے کان میں شاید میری آواز پہنچ گئی۔

گفت باور نداشتم که ترا　　بانگ مرغے چنیں کند مدهوش

تو اس نے کہا کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ ایک پرند کی آواز تم کو اس طرح مدہوش کردے گی۔

گفتم این شرط آدمیت نیست　　مرغ تسبیح خوان و من خاموش

تو میں نے کہا کہ یہ آدمیت کی شان نہیں ہے کہ پرند تو تسبیح پڑھے اور میں خاموش رہوں۔

﴿۵۱﴾ فرشتوں کے بال و پر

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بازو اور پر بنا دیئے ہیں جن سے وہ فضائے آسمانی میں اُڑ کر کائناتِ عالم میں فرامینِ ربانی کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ کسی فرشتے کے دو پر کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں۔

علامہ زمخشری کا بیان ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ فرشتوں کی ایک قسم ایسی

بھی ہے جن کو خلاق عالم جل جلالہ نے چھ چھ بازو اور پر عطا فرمائے ہیں۔ دو بازوؤں سے تو وہ اپنے بدن کو چھپائے رکھتے ہیں اور دو بازوؤں سے وہ اُڑتے ہیں اور دو بازو ان کے چہرے پر ہیں جن سے وہ خدا سے حیا کرتے ہوئے اپنے چہروں کو چھپائے رکھتے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میں نے ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنی اصل صورت مجھے دکھا دیجئے تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ اس کی تاب نہ لاسکیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی خواہش بلکہ تمنا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ اپنی اصل صورت میں وحی لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے تو ان کو دیکھتے ہی آپ پر غشی طاری ہوگئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے بدن سے ٹیک لگا کر آپ کو سنبھالے رکھا اور اپنا ایک ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر اور ایک ہاتھ دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ حضرت اسرافیل کو دیکھ لیتے تو آپ کا کیا حال ہوتا؟ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار بازو عطا فرمائے ہیں اور ان کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دوسرا بازو مغرب میں ہے اور وہ عرشِ الٰہی کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔

(تفسیر صاوی، ج۵، ص۱۶۸۶، پ ۲۲، فاطر:۱)

فرشتوں کے بازوؤں اور پروں کا ذکر سورۂ فاطر کی اس آیت میں ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓىِٕكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾ (پ۲۲،فاطر:۱)

ترجمہ کنزالایمان:۔ سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا فرشتوں کو رسول کرنے والا جن کے دو دو تین تین چار چار پر ہیں۔ بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

درسِ ہدایت:۔ فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ فرشتوں کے بازو اور پر بھی ہیں۔ کسی کے دو دو کسی کے تین تین کسی کے چار چار۔ اور کسی کے اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ فرشتوں کے اتنے زیادہ پر کیونکر اور کس طرح ہیں؟ تو قرآن نے اس کا شافی اور مسکت جواب دے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا وہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ فرشتوں کو بال و پر بھی عطا فرما سکتا ہے اور بلا شبہ عطا فرمائے بھی ہیں لہٰذا اس سلسلے میں بحث و مباحثہ اور سوال و جواب یہ سب گمراہی کے دروازے ہیں۔ ایمان کی خیریت اسی میں ہے کہ بغیر چون و چرا کے اس پر ایمان لائیں اور کیوں اور کیسے کے علم کو اللہ اعلم کہہ کر خدا کے سپرد کر دیں۔

﴿۵۲﴾ابوجہل کی گردن کا طوق

ایک مرتبہ ابوجہل اور اس کے قبیلے کے دو آدمیوں نے حلف اٹھایا کہ اگر ہم لوگوں نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تو ہم پتھر سے ان کا سر کچل دیں گے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لئے حرم کعبہ میں تشریف لے گئے اور ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ ایک بہت بڑا پتھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر چلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس پتھر کو پھینکنے کے لئے اپنے سر کے اوپر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا تو اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں آ گئے اور پتھر اس کے ہاتھوں میں چپک کر رہ گیا اور دونوں ہاتھ طوق بن کر ٹھوڑی کے پاس بندھ گئے اور وہ اس طرح ناکام ہو کر لوٹ آیا۔ اس کے دوسرے دن ولید بن مغیرہ نے جھنجھلا کر کہا کہ تم پتھر مجھے دے دو۔ میں اس کو ان کے سر پر دے ماروں گا۔ چنانچہ اس بدنصیب نے

جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر چلانے کا ارادہ کیا تو ایک دم اندھا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی آواز تو سنتا رہا مگر آپ صلی اللہ علیہ سلم کی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا، مجبوراً پلٹ گیا تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکا۔ جب آواز دی تو ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو اس نے اپنی مجبوری کا حال بیان کیا پھر اس کے تیسرے ساتھی نے غصہ میں بھر کر پتھر کو اپنے ہاتھ میں لیا مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچتے ہی الٹے پاؤں بدحواس ہو کر بھاگا اور ہانپتے کانپتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں جب ان کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک ایسا سانڈ ان کے قریب اپنی دم ہلا رہا ہے کہ میں نے آج تک ایسا خوفناک سانڈ دیکھا ہی نہیں تھا۔ لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔(تفسیر صاوی، ج۵، ص۱۷۰۶، یٰسٓ :۸۔۹)

اس واقعہ کا ذکر سورۂ یٰسٓ میں ان لفظوں کے ساتھ مذکور ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ (پ ۲۲، یٰسٓ:۸۔۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اب اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔

درسِ ہدایت:۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ بارہا کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی اور اپنی خفیہ چالبازیوں اور دسیسہ کاریوں میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی بھی کوئی آنچ نہ آسکی اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہوا کہ **وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** ؕ (پ ۶، المائدہ:۶۷)

یعنی اے محبوب! اللہ تعالیٰ لوگوں کی چالوں سے آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۵۳﴾ حاملانِ عرش کی دعاء

عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے ملائکہ فرشتوں کے سب سے اعلیٰ طبقات میں ہیں۔ ان میں سے ہر فرشتے کے بازوؤں پر چار پر ہیں اور دو پر ان کے چہروں کے اوپر ہیں۔ جن سے یہ اپنی آنکھوں کو چھپائے رکھتے ہیں اور خوفِ خداوندی کے باعث یہ فرشتے ساتویں آسمان کے فرشتوں سے زیادہ خدا کا خوف رکھتے ہیں اور ساتویں آسمان والے فرشتے چھٹے آسمان والے فرشتوں سے خوفِ الٰہی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح چھٹے آسمان والے پانچویں آسمان والوں سے اور پانچویں آسمان والے چوتھے آسمان والوں سے اور چوتھے آسمان والے تیسرے آسمان والوں سے اور تیسرے آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اور دوسرے آسمان والے پہلے آسمان والوں سے خوف و خشیت ربانی میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ پھر عرشِ الٰہی کے گرد رہنے والے فرشتے جن کو ''کروبیین'' کہتے ہیں یہ باقی فرشتوں کے سردار ہیں اور بہت ہی وجاہت والے ہیں۔

منقول ہے کہ عرش کے گرد ملائکہ کی ستر ہزار صفیں ہیں۔ اس طرح کہ ایک صف ایک صف کے پیچھے ہے۔ یہ سب عرش کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ پھر ان سبھوں کے بعد ستر ہزار ملائکہ کی صف ہے اور وہ اپنے ہاتھ اپنے کاندھوں پر رکھتے ہوئے خدا کی تسبیح و تکبیر پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر ان کے بعد اور ایک سو صفیں فرشتوں کی ہیں جو اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے تسبیح و تکبیر اور دعا میں مشغول ہیں۔ (تفسیر صاوی، ج۵، ص۱۸۱۵، پ۲۴، المومن:۷)

اور سب فرشتوں کی دعا کیا ہے۔ اس کو قرآنِ مجید کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ
یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْاۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ
رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ
الْجَحِیْمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ
مِنْ اٰبَآىٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُۙ ﴿۸﴾

(پ ۲٤، المومن: ۷۔۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔وہ جو عرش اُٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں اے رب ہمارے تیرے رحمت وعلم میں ہر چیز کی سمائی ہے تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے اے ہمارے رب اور انہیں بسنے کے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کو جو نیک ہوں ان کے باپ دادا اور بی بیوں اور اولاد میں بیشک تو ہی عزت وحکمت والا ہے۔

درسِ ھدایت:۔ آپ نے عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے اور عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں کی دعا ملاحظہ کرلی کہ وہ سب مقدس فرشتے ہم مسلمانوں اور ہمارے والدین اور بیویوں اور ہماری اولاد کے لئے جہنم سے نجات پانے اور جنت عدن میں داخل ہونے کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔اللہ اکبر! کتنا بڑا احسانِ عظیم ہے ہم مسلمانوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ ہی کے طفیل میں ہم مسلمانوں کو یہ رتبہ بلند اور درجہ عالیہ حاصل ہوا ہے کہ بے شمار طبقۂ اعلیٰ کے فرشتے ہم گناہ گار مسلمانوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں وہ بھی کون سے فرشتے؟ عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے فرشتے اور عرشِ الٰہی کا طواف کرنے والے فرشتے سبحان اللہ! کہاں ہم اور کہاں ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ، مگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا

طفیل ہے کہ اس نے ہم قطروں کو سمندر ناپیدا کنار اور ہم ذروں کو آفتاب عالمتاب بنا دیا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! ایک بار بصد اخلاص نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

﴿۵۴﴾ صاحبِ اولاد اور بانجھ

اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ کسی کو صرف بیٹی عطا فرماتا ہے اور کسی کو صرف بیٹا دیتا ہے اور کچھ لوگوں کو بیٹا اور بیٹی دونوں ہی عطا فرما دیا کرتا ہے۔ اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو بانجھ بنا دیتا ہے نہ انہیں بیٹی دیتا ہے نہ بیٹا اور یہ دستورِ خداوندی صرف عام انسانوں ہی تک محدود نہیں بلکہ اس نے اپنے خاص و مخصوص بندوں یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی اس خصوص میں چاروں طرح کا بنایا ہے۔ چنانچہ حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہما السلام کے صرف بیٹیاں ہی تھیں کوئی بیٹا نہیں تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صرف بیٹے ہی بیٹے تھے کوئی بیٹی ہوئی ہی نہیں۔ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں اور حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام کے کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی۔

(تفسیر روح البیان، ج۸، ص ۳۴۲۔۳۴۳، پ ۲۵، الشوریٰ: ۴۹۔۵۰)

قرآن مجید میں رب العزت جل جلالہ نے اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:

یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

(پ ۲۵، الشوریٰ: ۴۹۔۵۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔ جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

درسِ ہدایت:۔ اللہ تعالیٰ بیٹی دے یا بیٹا دے یا دونوں عطا فرمائے یا بانجھ بنا دے بہر حال یہ سبھی خدا کی نعمتیں ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کے آخری حصہ یعنی **اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾** میں اسی طرف اشارہ ہے کہ کون اس کے لائق ہے کہ اس کو بیٹی ملے اور کون اس قابل ہے کہ اس کو بیٹا ملے اور کون اس کی اہلیت رکھتا ہے کہ اس کو بیٹا اور بیٹی دونوں ملیں اور کون ایسا ہے کہ اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہی نہ ہو۔ ان باتوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ وہ بہت علم والا اور بڑی قدرت والا ہے۔ انسان اپنی ہزار علم و آگہی کے باوجود اس معاملہ کو نہیں جانتا کہ انسان کے حق میں کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۠ ﴿۲۱۶﴾ (پ ۲، البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس لئے بندوں کو چاہیے کہ اگر اپنی خواہش کے مطابق کوئی چیز نہ مل سکے تو ہر گز ناراض نہ ہوں بلکہ یہ سوچ کر صبر کریں کہ ہم اس چیز کے لائق ہی نہیں تھے اس لئے ہمیں خدا نے نہیں دیا وہ علیم وقدیر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا اہل ہے اور کون اہل نہیں ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی؟ اگر تو کسی قابل ہوتا

بیٹیاں: اس زمانے میں دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ بیٹیوں کی پیدائش سے چڑتے ہیں اور منہ بگاڑ لیتے ہیں بلکہ بعض بدنصیب تو اول فول بک کر کفرانِ نعمت کے گناہ میں مبتلا ہوجاتے

ہیں۔ واضح رہے کہ بیٹیوں کی پیدائش پر منہ بگاڑ کر ناراض ہوجانا یہ زمانہ جاہلیت کے کفار کا منحوس طریقہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (پ ۱۴،النحل:۵۸۔۵۹)

ترجمہ کنزالایمان: اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بشارت کی برائی کے سبب کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا ارے بہت ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ مسلمانوں کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ بیٹیوں کی پیدائش پر بھی خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرے اور مندرجہ ذیل حدیثوں کی بشارت پر ایمان رکھ کر سعادتِ دارین کی کرامتوں سے سرفراز ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں:

{۱} عورت کے لئے یہ بہت ہی مبارک ہے کہ اس کی پہلی اولاد لڑکی ہو۔

{۲} جس شخص کو کچھ بیٹیاں ملیں اور وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے یہاں تک کہ کفو میں ان کی شادی کر دے تو وہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔

{۳} حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم لوگ بیٹیوں کو برا مت سمجھو، اس لئے کہ میں بھی چند بیٹیوں کا باپ ہوں۔

{۴} جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لڑکی! تو زمین پر اتر۔ میں تیرے باپ کی مدد کروں گا۔ (تفسیر روح البیان، ج۸، ص ۳۴۲، پ ۲۵، الشوریٰ:۴۹۔۵۰)

﴿۵۵﴾ فاسق کی خبر پر اعتماد مت کرو

سن ۵ ھ کے غزوہ بنی مصطلق میں جب مسلمان فتح یاب ہوگئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا تو صحابۂ کرام نے تمام اسیرانِ جنگ کو یہ کہہ کر رہا کردیا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کرلی، اس خاندان کا کوئی آدمی لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں کے اس حسنِ سلوک اور اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوکر تمام قبیلہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ولید بن عقبہ'' کو اس قبیلہ والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ قبیلے کے دولت مندوں سے زکوٰۃ وصول کرکے ان کے فقراء پر تقسیم کردیں۔

قبیلہ بنی المصطلق کے لوگوں کو جب ''ولید'' کی اس آمد کا علم ہوا تو وہ عامل اسلام کے استقبال کے لئے خوشی خوشی ہتھیار لے کر بستی سے باہر میدان میں نکلے۔ زمانہ جاہلیت میں اس قبیلہ اور ولید میں کچھ ناچاقی رہ چکی تھی اس لئے پرانی عداوت کی بناء پر استقبال کے لئے اس اہتمام کو ولید نے دوسری نظر سے دیکھا اور سمجھا اور قبیلہ والوں سے اصل معاملہ دریافت کئے بغیر ہی مدینہ واپس چلا آیا، اور دربارِ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے لوگ تو مرتد ہوگئے اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اس خبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور مسلمان بے حد برافروختہ ہوگئے بلکہ مقابلہ کے لئے جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر بنی مصطلق کو ولید کے اس عجیب طرزِ عمل سے بڑی حیرت ہوئی اور جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ولید نے دربارِ نبوت میں غلط بیانی اور تہمت طرازی کردی ہے تو ان لوگوں نے ایک معزز اور باوقار وفد دربارِ نبوت میں بھیجا جس نے بنی المصطلق کی طرف سے صفائی پیش کی۔ ایک جانب اپنے عامل ولید کا بیان اور دوسری جانب بنی المصطلق کے وفد کا یہ بیان دونوں باتیں سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاموشی اختیار فرمالی۔ اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے، آخر

وحی اُتر پڑی اور سورۂ ''حجرات'' کی آیات نے نازل ہو کر نہ صرف معاملہ کی حقیقت ہی واضح کر دی بلکہ اس خصوص میں ایک مستقل قانون اور معیارِ تحقیق بھی عطا فرما دیا۔ وہ آیات یہ ہیں:

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۲۸، پ ۲٦، الحجرات: ٦)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةًؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۸﴾ (پ ۲٦، الحجرات: ٦۔۸)

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں بہت معاملوں میں اگر یہ تمہاری خوشی کریں تو تم ضرور مشقت میں پڑو لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں اللہ کا فضل اور احسان اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

درسِ ہدایت:۔{۱} خبروں کے بیان کرنے میں عام طور پر لوگوں کا یہی مزاج اور طریقہ بن چکا ہے کہ جو خبر بھی ان کے کانوں تک پہنچے اس کو بلا تکلف بیان کر دیا کرتے ہیں اور حقیقتِ حال کی تفتیش اور جستجو بالکل نہیں کرتے۔ خواہ اس خبر سے کسی بے گناہ پر افتراء کیا جاتا ہو یا کسی کو نقصان پہنچتا ہو۔

اسلام نے اس طریقہ کو بالکل غلط قرار دیا ہے بلکہ قرآن نے اسلامی آداب کا یہ قانون بتایا

ہے کہ ہر خبر کو سن کر پہلے اس کی تحقیق کر لینی چاہئے جب وہ خبر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو پھر اس خبر کو لوگوں سے بیان کرنا چاہئے اسی بات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کَفٰی بِالْمَرْءِ کِذْبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ

(صحیح مسلم، باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع، رقم الحدیث ۵، ص ۸)

یعنی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو بات بھی سنے لوگوں سے (بلا تحقیق) بیان کرنے لگے۔(**واللہ تعالیٰ اعلم**)

{۲} اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایک شخص اگر عادل اور پابند شریعت ہو تو اس کی خبر معتبر ہے۔

{۳} بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت ولید بن عقبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ آیت عام ہے اور ہر فاسق کی خبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

{۴} ولید بن عقبہ کو صحابی ہوتے ہوئے قرآن مجید نے فاسق کہا تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ کے بعد جب ولید بن عقبہ نے صدقِ دل سے سچی توبہ کر لی تو ان کا فسق زائل ہو گیا۔ لہٰذا کسی صحابی کو فاسق کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ہر صحابی صادق، عادل اور پابند شرع ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

﴿۵۶﴾ ملائکہ مہمان بن کر آئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ منقول ہے کہ جب تک آپ کے دستر خوان پر مہمان نہیں آجاتے تھے آپ کھانا نہیں تناول فرماتے تھے۔ ایک دن مہمانوں کا ایک ایسا قافلہ آپ کے گھر اُتر پڑا کہ ان مہمانوں سے آپ خوفزدہ ہو گئے یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو دس یا بارہ فرشتوں کو ہمراہ لے کر تشریف لائے تھے اور سلام کر کے مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ سب فرشتے نہایت ہی خوبصورت انسانوں کی شکل میں تھے۔ اولاً تو یہ حضرات ایسے وقت تشریف لائے جو مہمانوں کے آنے کا وقت نہیں تھا۔ پھر یہ حضرات بغیر

اجازت طلب کئے دندناتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہو گئے پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حسبِ عادت ان حضرات کی مہمان نوازی کے لئے ایک فربہ بھنا ہوا بچھڑا لائے تو ان حضرات نے کھانے سے انکار کر دیا۔ ان مہمانوں کی مذکورہ بالا تین اداؤں کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ خدشہ گزرا کہ شاید یہ لوگ دشمن ہیں کیونکہ اس زمانے کا یہی رواج تھا کہ دشمن جس گھر میں دشمنی کے لئے جاتا تھا اس گھر میں کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا۔ چنانچہ آپ ان مہمانوں سے کچھ خوف محسوس فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ کے نبی علیہ السلام آپ ہم سے بالکل کوئی خوف نہ کریں ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہم دو کاموں کے لئے آئے ہیں پہلا مقصد تو یہ ہے کہ ہم آپ کو یہ بشارت سنانے آئے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ایک علم والا فرزند عطا فرمائے گا اور ہمارا دوسرا کام یہ ہے کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لے کر آئے ہیں۔

فرزند کی بشارت سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس بیوی حضرت ''سارہ'' چونک پڑیں کیونکہ ان کی عمر ننانوے برس کی ہو چکی تھی اور وہ کبھی حاملہ بھی نہیں ہوئی تھیں۔ تعجب سے وہ چلاتی ہوئی آئیں اور ہاتھ سے ماتھا ٹھونک کر کہنے لگیں کہ کیا مجھ بڑھیا بانجھ کے بھی فرزند ہوگا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں آپ کے رب کا یہی فرمان ہے اور وہ پروردگار بڑی حکمتوں والا بہت علم والا ہے۔ چنانچہ حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص۹۳۸ (ملخصاً) پ۲۶، الذاریات:۲۴ ـ ۲۹)

قرآن مجید نے اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ

خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ وَ بَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِىۡ
صَرَّةٍ فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا وَ قَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوۡا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ
رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۰﴾ (پ ۲۶، الذاریات: ۲۴ ۔ ۳۰)

ترجمہ کنزالایمان:۔اے محبوب کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی جب وہ اس کے پاس آ کر بولے سلام کہا سلام ناشناسا لوگ ہیں پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے ان کے پاس رکھا کہا کیا تم کھاتے نہیں تو اپنے جی میں ان سے ڈرنے لگا وہ بولے ڈریئے نہیں اور اسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی اس پر اس کی بی بی چلاتی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا اور بولی کیا بڑھیا بانجھ انہوں نے کہا تمہارے رب نے یونہی فرمادیا ہے اور وہی حکیم دانا ہے۔

درسِ ہدایت:۔اس واقعہ سے یہ ہدایت کی روشنی ملتی ہے کہ ملائکہ کبھی کبھی آدمی کی صورت میں لوگوں کے پاس آیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حج کے موقع پر حرم کعبہ اور منٰی وعرفات ومزدلفہ وغیرہ میں کچھ فرشتوں کی جماعت انسانوں کی شکل و صورت میں مختلف بھیس بنا کر آتی ہے جو حاجیوں کے امتحان کے لئے خدا کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔اس لئے حجاج کرام کو لازم ہے کہ مکہ مکرمہ اور منٰی وعرفات ومزدلفہ اور طوافِ کعبہ و زیارتِ مدینہ منورہ کے ہجوم میں ہوشیار رہیں کہ ہرگز ہرگز کسی انسان کی بھی بے ادبی و دل آزاری نہ ہونے پائے اور تاجروں یا حمالوں یا فقیروں سے جھگڑا تکرار نہ ہونے پائے۔ تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ آدمی ہے یا آدمی کی صورت میں کوئی فرشتہ ہے جو تمہیں دھکا دے کر یا ڈانٹ کر تمہارے حلم وصبر کا امتحان لے رہا ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جس سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں اس لئے سفر حج میں قدم قدم پر لوگوں سے الجھتے اور جھگڑتے رہتے ہیں اور بعض اوقات دنیا و آخرت کا شدید نقصان وخسارہ اٹھاتے ہیں۔لہٰذا اس نقصانِ عظیم سے بچنے کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ ہر شخص کے بارے میں یہی خطرہ محسوس کرتے رہیں کہ شاید یہ کوئی فرشتہ ہو جو تاجر یا

سائل یا مزدور کے بھیس میں ہے اور پھر اس سے سنبھل کر بات چیت کریں اور حتی الامکان اس کو راضی رکھنے کی کوشش کریں اور ہرگز ہرگز کسی تلخ کلامی یا سخت گوئی کی نوبت نہ آنے دیں کہ اسی میں سلامتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۵۷﴾ چاند دو ٹکڑے ہو گیا

کفارِ مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا ایک ٹکڑا ''جبل ابوقبیس'' پر نظر آیا اور دوسرا ٹکڑا ''جبل قعیقعان'' پر دیکھا گیا۔ اس طرح چاند کو دو پارہ کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفارِ مکہ کو دکھا دیا اور فرمایا کہ تم لوگ گواہ ہو جاؤ۔

(تفسیر جلالین، ص ٤٤٠، پ ٢٧، القمر: ١)

یہ دیکھ کر کفار مکہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادو کر کے ہماری نظر بندی کر دی ہے اس پر انہیں کی جماعت کے لوگوں نے کہا کہ اگر یہ نظر بندی ہے تو مکہ سے باہر کے کسی آدمی کو چاند کے حصے نظر نہ آئے ہوں گے۔ لہٰذا اب باہر سے جو قافلے آنے والے ہیں ان کی جستجو رکھو اور مسافروں سے دریافت کرو اگر دوسرے مقامات سے بھی چاند کا شق ہونا دیکھا گیا ہے تو بیشک یہ معجزہ ہے۔ چنانچہ سفر سے آنے والوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے دیکھا کہ اس روز چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مشرکین کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔ لیکن وہ لوگ اپنے عناد سے اس کو جادو ہی کہتے رہے۔ یہ معجزۂ عظیمہ صحاح کی احادیث کثیرہ میں مذکور ہے اور یہ حدیث اس قدر درجہ شہرت کو پہنچ گئی ہے کہ اس کا انکار کرنا عقل و انصاف سے دشمنی اور بے دینی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ٩٥٣۔ ٩٥٤، پ ٢٧، القمر: ١)

اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کا بیان قرآن کی سورۂ قمر میں ان الفاظ کے ساتھ بالاعلان فرمایا کہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾

(پ ٢٧، القمر: ١۔ ٣)

ترجمہ کنزالایمان:۔پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام قرار پاچکا ہے۔

درسِ ہدایت:۔ معجزہ ''شق القمر'' حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بے مثال معجزہ ہے جو اس آیتِ کریمہ اور بہت سی مشہور حدیثوں سے ثابت ہے ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اس کے مطالعہ سے اطمینان قلب اور جلاء ایمان حاصل کیجئے۔

دل باغ باغ ہو جاتا ہے

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کی، یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ ٖالہٖ وسلم جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ (آقا) مجھے ہر چیز کی معلومات عطا فرما دیجیے! ارشاد ہوا، ''ہر شے پانی سے بنی ہے۔'' میں نے عرض کی، اس چیز پر مطلع فرمادیجئے، جسے اپنا کر میں جنت کو پاسکوں۔ فرمایا، ''کھانا کھلاؤ اور سلام کو پھیلاؤ اور صلۂ رحمی کرو اور رات میں (نفلی) نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوں، تم سلامتی سے داخلِ جنت ہو جاؤ گے۔'' (فیضان سنت، ج۱،ص ۳۳۲)

(مسند امام احمد، ج۳، ص ۱۷٤، حدیث ۷۹۱۹)

﴿۵۸﴾ کسی قوم کا مذاق نہ اُڑاؤ

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ اونچا سنتے تھے اس لئے جب وہ مجلس شریف میں حاضر ہوتے تو صحابہ انہیں آگے جگہ دے دیا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ دربارِ رسالت میں آئے تو مجلس پُر ہو چکی تھی، لیکن وہ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچ گئے۔ مگر پھر بھی ایک آدمی ان کے اور حضور کے درمیان رہ گیا۔ حضرت ثابت بن قیس اس کو بھی ہٹانے لگے لیکن وہ شخص اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہٹا تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصہ میں بھر کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس شخص نے کہا کہ فلاں آدمی ہوں۔ یہ سن کر حضرت ثابت بن قیس نے حقارت کے لہجے میں کہا کہ اچھا تو فلانی عورت کا لڑکا ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا اور اس کو بڑی تکلیف ہوئی اس موقع پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ضحاک سے منقول ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے کچھ لوگ بہترین پوشاک پہن کر بصورت وفد بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے اور جب ان لوگوں نے ''اصحاب صفہ'' کے غریب و مفلس مسلمانوں کو فرسودہ حال دیکھا تو ان کا مذاق اُڑانے لگے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۲۹، پ ۲۶، الحجرات: ۱۱)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ام المؤمنین بی بی صفیہ کو ایک دن ''یہودیہ'' کہہ دیا تھا۔ جس سے ان کو بہت رنج و صدمہ ہوا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہت زیادہ خفگی کا اظہار فرمایا اور حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لئے فرمایا کہ تم ایک نبی (حضرت ہارون علیہ السلام) کی اولاد میں ہو اور تمہارے چچاؤں میں بھی ایک نبی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ہیں اور تم ایک نبی کی بیوی بھی ہو یعنی میری بیوی ہو۔ اس موقع پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (تفسیر صاوی، ج ۵، ص ۱۴۹۴، پ ۲۶، الحجرات: ۱۱)

بہرحال ان مذکورہ بالا تینوں شانِ نزول میں سے کسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ (عزوجل) نے کسی قوم کا مذاق اڑانے کی سخت ممانعت فرمائی۔

آیت کریمہ یہ ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ (پ۲۶،الحجرات:۱۱)

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہوکر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔

درسِ ہدایت:۔ قرآن کریم کی ان چمکتی ہوئی آیتوں کو بغور پڑھیے اور عبرت حاصل کیجئے کہ اس زمانے میں جو ایک فاسقانہ اور سراسر مجرمانہ رواج نکل پڑا ہے کہ ''سید'' و''شیخ'' اور ''پٹھان'' کہلانے والوں کا یہ دستور بن گیا ہے کہ وہ دُھنیا، جولاہا، کُنجڑا، قصائی، نائی کہہ کر مخلص و متقی مسلمانوں کا مذاق بنایا کرتے ہیں بلکہ ان قوموں کے عالموں کو محض ان کی قومیت کی بناء پر ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں بلکہ اپنی مجلسوں میں ان کا مذاق بنا کر ہنستے ہنساتے ہیں۔ جہال تو جہال بڑے بڑے عالموں اور پیرانِ طریقت کا بھی یہی طریقہ ہے کہ وہ بھی یہی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ حد ہوگئی کہ جو لوگ برسوں ان قوموں کے عالموں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے خود عالم اور شیخ طریقت بنے ہیں مگر پھر بھی محض قومیت کی بناء پر اپنے استادوں کو حقیر وذلیل سمجھ کر ان کا تمسخر کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے نسب وذات پر فخر کرکے دوسروں کی ذلت وحقارت کا

چرچا کرتے رہتے ہیں۔ لِلّٰہ بتائیے کہ قرآن مجید کی روشنی میں ایسے لوگ کتنے بڑے مجرم ہیں؟

ملاحظہ فرمائیے کہ قرآنِ مجید نے مندرجہ ذیل احکام اور وعیدیں بیان فرمائی ہیں:

{۱} کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اُڑائے۔ ہوسکتا ہے کہ جن کا مذاق اُڑا رہے ہیں وہ مذاق اُڑانے والوں سے دنیا وآخرت میں بہتر ہوں۔

{۲} مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ ایک دوسرے پر طعنہ زنی کریں۔

{۳} مسلمانوں پر حرام ہے کہ ایک دوسرے کے لئے برے برے نام رکھیں۔

{۴} جو ایسا کرے وہ مسلمان ہوکر ''فاسق'' ہے۔

{۵} اور جو اپنی ان حرکتوں سے توبہ نہ کرے وہ ''ظالم'' ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی گناہ گار مسلمان اپنے گناہ سے توبہ کرلے تو توبہ کے بعد اس کو اس گناہ سے عار دلانا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کو کتا، گدھا، سُور کہہ دینا بھی ممنوع ہے یا کسی مسلمان کو ایسے نام یا لقب سے یاد کرنا جس میں اس کی برائی ظاہر ہوتی ہو یا اس کو ناگوار ہوتا ہو یہ ساری صورتیں بھی اسی ممانعت میں داخل ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۳۰، پ ۲۶، الحجرات: ۱۱)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو حقیر سمجھ کر اس کا مذاق بناؤں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھے کتا نہ بنادے۔

(تفسیر صاوی، ج ۵، ص ۱۹۹۴، پ ۲۶، الحجرات: ۱۱)

﴿۵۹﴾ لوھا آسمان سے اُترا ھے

اللہ تعالیٰ نے ''لوہے'' کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ

بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(پ ۲۷، الحدید: ۲۵)

ترجمه کنزالایمان:۔اورہم نے لوہا اُتارا اس میں سخت آنچ اور لوگوں کے فائدے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے روئے زمین پر تشریف لائے تو لوہے کے پانچ اوزار اپنے ساتھ لائے۔ ہتھوڑا، نہائی، سنسی، ریتی، سوئی۔ اور دوسری روایت انہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تین چیزیں زمین پر نازل ہوئیں۔ حجر اسود، عصاء موسوی اور لوہا۔(تفسیر صاوی، ج٦، ص ٢١١٢، پ ٢٧، الحدید:٢٥)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار برکت والی چیزیں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی ہیں۔لوہا، آگ، پانی، نمک۔(تفسیر صاوی، ج٦، ص ٢١١٢، پ ٢٧، الحدید:٢٥)

درسِ ہدایت:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ''لوہا'' جنت سے زمین پر آیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ ہے کہ''لوہا'' آسمان سے نازل ہوا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی خاص تعارض نہیں۔ اس لئے کہ ''جنت'' آسمانوں کے اوپر ہی ہے تو لوہا جب جنت سے اُترا تو آسمان ہی سے زمین پر اُترا۔

''لوہا'' ایک ایسی دھات ہے کہ ہر صنعت وحرفت کے آلات اس سے بنتے ہیں اور ہر قسم کے آلاتِ جنگ بھی اسی سے تیار ہوتے ہیں اور انسانوں کی ضروریات کے ہزاروں سامان ایسے ہیں کہ بغیر لوہے کے تیار ہی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ **وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** کہ اس''لوہے'' میں لوگوں کے لئے بے شمار فوائد و منافع ہیں۔ بہر حال لوہا خداوند تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔لہٰذا لوہے کا ہر سامان دیکھ کر خداوند قدوس کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

﴿۶۰﴾ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سخاوت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے بطور ہدیہ ایک صحابی کے گھر بکری کا ایک سر بھیج دیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ ہم سے زیادہ تو میرا فلاں بھائی اس سر کا ضرورت مند ہے۔ وہ سر اس کے گھر بھیج دیا تو اُس نے کہا کہ میرا فلاں بھائی مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہے۔ یہ کہا اور وہ سر اُس صحابی کے گھر بھیج دیا۔ اسی طرح ایک نے دوسرے کے گھر اور دوسرے نے تیسرے کے گھر اُس سر کو بھیج دیا یہاں تک کہ جب یہ سر چھٹے صحابی کے پاس پہنچا تو انہوں نے سب سے پہلے والے کے گھر یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہ ہم سے زیادہ مفلس اور حاجت مند ہیں اس طرح وہ سر جس گھر سے سب سے پہلے بھیجا گیا تھا پھر اسی گھر میں آ گیا۔ اس موقع پر سورہ حشر کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی جس میں اللہ جل جلالہ نے صحابہ کرام کی سخاوت کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۠ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ (پ۲۸، الحشر:۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

یہ تو زمانہ رسالت کا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تقریباً اِسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا جو عبرت خیز اور نصیحت آموز ہونے میں پہلے واقعہ سے کم نہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بند کر کے اپنے غلام کو حکم دیا کہ یہ تھیلی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی خدمت میں پیش کر دو اور پھر تم گھر میں اس وقت تک ٹھہرے رہو کہ تم دیکھ لو کہ وہ اس تھیلی کا کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ غلام تھیلی لے کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس

پہنچا اور عرض کیا کہ حضرت امیر المؤمنین نے یہ دیناروں کی تھیلی آپ کے پاس بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ اس کو اپنی حاجتوں میں خرچ کریں۔ امیر المومنین کا پیغام سن کر آپ نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کا بھلا کرے۔ پھر اپنی لونڈی سے فرمایا کہ اے خادمہ! یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ اور یہ پانچ دینار فلاں کو۔ اسی طرح انہوں نے ایک ہی نشست میں تمام دیناروں کو حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیا۔ صرف دو دینار ان کے سامنے رہ گئے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اے لونڈی! یہ دو دینار بھی فلاں ضرورت مند کو دے دو۔

یہ ماجرا دیکھ کر غلام امیر المومنین کے پاس واپس آ گیا تو امیر المومنین نے چار سو دینار کی دوسری تھیلی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجی اور غلام سے فرمایا کہ تم اس وقت تک ان کے گھر میں بیٹھے رہنا اور دیکھتے رہنا کہ وہ اس تھیلی کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ غلام حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیلی لے کر پہنچا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کا تحفہ اور پیغام پانے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کو نیک بدلہ دے پھر فوراً ہی اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ فلاں فلاں صحابہ کے گھروں میں اتنی اتنی رقم پہنچا دو۔ صرف دو دینار باقی رہ گئے تھے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی آ گئیں اور کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ بھی تو مفلس اور مسکین ہی ہیں۔ یہ سن کر وہ دینار جو باقی رہ گئے تھے بیوی کی طرف پھینک دیئے۔ یہ منظر دیکھ کر غلام امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور سارا چشم دید ماجرا سنانے لگا۔ امیر المومنین حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس سخاوت و اولوالعزمی کی داستان کو سن کر فرطِ تعجب سے انتہائی مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابۂ کرام یقیناً آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے پر انتہائی رحم دل اور آپس میں بے حد ہمدرد ہیں۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ (تفسیر صاوی،ج٦، ص٢١٣٨، پ٢٨، الحشر:٩)

ایک حدیث میں ہے کہ آیت مذکورہ بالا کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا کہ بارگاہِ نبوت میں ایک بھوکا شخص حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے حجروں میں معلوم کرایا کہ کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ معلوم ہوا کہ کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ کرام سے فرمایا کہ جو اس شخص کو مہمان بنائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری کھڑے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔

گھر جا کر بیوی سے دریافت کیا کہ گھر میں کچھ کھانا ہے؟ انہوں نے کہا کہ صرف بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو۔ اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے کے لئے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تاکہ مہمان اچھی طرح کھالے۔ یہ تجویز اس لئے کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہلِ خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں۔ کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے گا تو وہ اصرار کرے گا اور کھانا تھوڑا ہے۔ اس لئے مہمان بھوکا رہ جائے گا۔ اس طرح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہمان کو کھانا کھلا دیا اور خود اہلِ خانہ بھوکے سو رہے۔ جب صبح ہوئی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر فرمایا کہ رات فلاں فلاں کے گھر میں عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بہت راضی ہے اور سورۂ حشر کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان،ص٩٨٤،پ٢٨،الحشر:٩)

درسِ ہدایت: یہ آیتِ مبارکہ اور اس کی شانِ نزول کے حیرت ناک واقعات ہم مسلمانوں کے لئے کس قدر عبرت خیز و نصیحت آموز ہیں۔ اس کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر

شخص خود ہی انصاف کی عینک لگا کر اس کو دیکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے دل میں بصیرت کی روشنی اور آنکھوں میں بصارت کا نور موجود ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۲۱﴾ یہودیوں کی جلاوطنی

ہجرت کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے یہودیوں سے ''صلح وعہد'' کا معاہدہ فرمالیا۔ مگر یہودی اپنے عہد و پیمان پر قائم نہیں رہے بلکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اندرونی اور بیرونی سازشوں کا جال بچھانا شروع کردیا۔ اسی دوران یہودیوں میں سے قبیلہ ''بنونضیر'' کے ذمہ دار افراد نے ایک روز یہ سازش کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر یہ عرض کریں کہ ہم کو آپ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے اور جب وہ تشریف لے آئیں تو دیوار کے قریب ان کو بٹھایا جائے اور وہ جب گفتگو میں مصروف ہو جائیں تو چھت کے اوپر سے ایک بھاری پتھر ان کے اوپر گرا کر ان کی زندگی کا خاتمہ کردیا جائے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی بستی میں تشریف لے گئے۔ مگر ابھی آپ دیوار کے قریب بیٹھے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہودیوں کی سازش سے آپ کو مطلع کردیا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ فوراً واپس تشریف لے گئے۔ اس طرح یہودیوں کی سازش ناکام ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ بنونضیر کے یہودیوں تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ چونکہ تم لوگوں نے غداری کر کے معاہدہ توڑ ڈالا ہے اس لئے تم لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ حجاز مقدس کی سرزمین سے جلاوطن ہو کر باہر نکل جاؤ۔ منافقین نے یہ سنا تو جمع ہو کر بنونضیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس حکم کو ہرگز تسلیم نہ کرو اور یہاں سے ہرگز جلاوطن نہ ہو۔ ہم ہر طرح تمہارے شریک کار ہیں۔ بنونضیر نے منافقین کی پشت پناہی دیکھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے

سے انکار کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی تیاری شروع کر دی، اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا امیر بنا کر صحابۂ کرام کی ایک فوج لے کر بنونضیر کے قلعہ پر حملہ آور ہو گئے۔ یہودی اس قلعہ میں بند ہو گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اب مسلمان ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور پھر حکم دیا کہ ان کے درختوں کو کاٹ ڈالو کیونکہ ممکن تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں چھپ کر یہودی اسلامی لشکر پر چھاپہ مارتے۔ ان حالات کو دیکھ کر بنونضیر کے یہودیوں پر ایسا رعب بیٹھ گیا اور اس قدر خوف طاری ہو گیا کہ وہ لرز اُٹھے، اور ان کو منافقین کی طرف سے بھی بجز مایوسی اور رسوائی کے کچھ ہاتھ نہ آیا، آخرکار مجبور ہو کر یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم لوگوں کو جلاوطن ہونے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کو اجازت دی گئی کہ سامانِ جنگ کے علاوہ جس قدر سامان بھی وہ اونٹوں پر لاد کر لے جانا چاہتے ہیں، لے جائیں۔ چنانچہ بنونضیر کے یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے مدینہ سے نکلے اور کچھ تو ''خیبر'' چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر ''اذرعات'' اور ''اریحاء'' میں آباد ہو گئے اور چلتے وقت یہودیوں نے اپنے مکانوں کو گرا کر برباد کر دیا تاکہ مسلمان ان مکانوں سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

(مدارج النبوت، بحث غزوۂ بنی نضیر، ج۲ ،ص ۱۴۷-۱۴۸)

اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے یہودیوں کی اس جلاوطنی کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ حشر میں اس طرح فرمایا ہے کہ

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؔؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی

الْاَبْصَارِ② (پ۲۸،الحشر:۲)

ترجمہ کنزالایمان:۔وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لئے تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا اور اُس نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا کہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

درسِ ہدایت:۔یہودیوں کی قوم اپنے روایتی حسد و بغض اور تاریخی منافقت میں ہمیشہ سے مشہور ہے۔ خاص کر غداری اور بدعہدی تو اُن کا قومی خاصہ ہے اس کے علاوہ ان بدبختوں کا ظلم بھی ضرب المثل ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے بہت سے انبیاء کرام کو قتل کر دیا۔ دراں حالیکہ ان بدبختوں کو یہ اعتراف تھا کہ ہم ان کو ناحق قتل کر رہے ہیں۔ خداوند قدوس نے ان کی بدعہدیوں اور وعدہ شکنیوں کا قرآن مجید میں بار بار ذکر فرما کر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ یہودیوں کے عہد و معاہدہ پر ہرگز ہرگز مسلمانوں کو بھروسا نہیں کرنا چاہیے اور ہمیشہ ان بدبختوں کی مکاریوں اور دسیسہ کاریوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

اور بدعہدی اور عہد شکنی کے یہ خبیث خصائل اور بدترین شرارتوں کے گھناؤنے رذائل زمانہ دراز سے آج تک بدستور یہودیوں میں موجود ہیں جیسا کہ اس دور میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ آج کل اسرائیل کی غاصبانہ حکومت بنا کر فلسطینی عربوں کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟ اور امریکہ کے یہودی کس طرح ان کی بدعہدیوں پر ان کی پیٹھ ٹھونک کر خود اترا رہے ہیں، اور اسرائیلی حکومت کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں، حالانکہ پوری دنیا اسرائیل اور امریکہ پر لعنت و ملامت کر رہی ہے مگر ان بے ایمان بے حیاؤں کی شرم و حیا اس طرح غارت ہو چکی ہے کہ ان ظالموں کو اس کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ فلسطینی عرب تو ظاہر ہے کہ امریکی جیسی

طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے ، مگر ہم نا امید نہیں ہیں اور قرآنی وعدوں سے پُر امید ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بدستور سابق ان لوگوں کو کوئی نہ کوئی عذابِ الٰہی تو ضرور ہلاک و برباد فرمادے گا۔

﴿۶۲﴾ ایک عجیب وظیفہ

مفسرین نے فرمایا کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرزند کو جن کا نام ''سالم'' تھا، مشرکوں نے گرفتار کرلیا تو عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنی مفلسی و فاقہ مستی کی شکایت کرتے ہوئے یہ عرض کیا کہ مشرکوں نے میرے بچے کو گرفتار کرلیا ہے، جس کے صدمہ سے اس کی ماں بے حد پریشان ہے تو اس سلسلے میں اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم صبر کرو اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرو اور تم بھی بکثرت وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھا کرو اور بچے کی ماں کو بھی تاکید کردو کہ وہ بھی کثرت سے اس وظیفہ کا ذکر کرتی رہیں۔ یہ سن کر عوف بن مالک اشجعی اپنے گھر چلے گئے اور اپنی بیوی کو یہ وظیفہ بتا دیا۔ پھر دونوں میاں بیوی اس وظیفہ کو بکثرت پڑھنے لگے۔

اسی درمیان میں وظیفہ کا یہ اثر ہوا کہ ایک دن مشرکین ''سالم'' کی طرف سے غافل ہو گئے چنانچہ موقع پا کر حضرت سالم مشرکوں کی قید سے نکل بھاگے اور چلتے وقت مشرکوں کی چار ہزار بکریاں اور پچاس اونٹوں کو بھی ہانک کر ساتھ لائے اور اپنے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ماں باپ نے دروازہ کھولا تو حضرت سالم موجود تھے، ماں باپ بیٹے کی ناگہاں ملاقات سے بے حد خوش ہوئے اور عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے کی سلامتی کے ساتھ قید سے رہائی کی خبر سنائی اور یہ فتویٰ دریافت کیا کہ مشرکین کی یہ بکریاں اور اونٹ ہمارے لئے حلال ہیں یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ اونٹوں اور بکریوں کو جس طرح چاہیں استعمال کریں(تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۰۴،

پ ۲۸ ،الطلاق:۲) اوراس کے بعد مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی کہ:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ (پ ۲۸ ،الطلاق:۲۔۳)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور جواللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے بیشک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے بیشک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس آیت کو لے لیں تو یہ آیت لوگوں کو کافی ہو جائے گی۔اور وہ آیت یہ ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ سے آخر آیت تک۔(تفسیر صاوی،ج۶، ص ۲۱۸۲، پ ۲۸، الطلاق:۳)

حکیت عجیبہ:علامہ اجھوری نے اپنی کتاب ''فضائل رمضان''میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ سمندر میں کشتی پر سوار ہوکر سفر کر رہے تھے تو سمندر میں سے ایک آواز دینے والے کی آواز آئی مگر اس کی صورت نہیں دکھائی پڑی۔اس نے کہا کہ اگر کوئی شخص مجھے دس ہزار دینار دے دے تو میں اس کو ایک ایسا وظیفہ بتادوں گا کہ اگر وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا ہو اور اس وظیفہ کو پڑھ لے تو تمام بلائیں اور ہلاکتیں ٹل جائیں گی۔تو کشتی والوں میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا کہ آؤ میں تجھ کو دس ہزار دینار دیتا ہوں تو مجھے وہ وظیفہ بتادے تو آواز آئی کہ تو دیناروں کو سمندر میں ڈال دے۔ مجھے مل جائیں گے۔

چنانچہ کشتی والے نے دس ہزار دیناروں کو سمندر میں ڈال دیا تو اس غیبی آواز والے نے کہا کہ وہ وظیفہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ آخر آیت تک ہے تجھ پر جب کوئی مصیبت پڑے تو اس کو

پڑھ لیا کرو۔ یہ سن کر کشتی کے سب سواروں نے اس کا مذاق اُڑایا اور کہا کہ تو نے دس ہزار دیناروں کی کثیر دولت ضائع کر دی تو اس نے جواب دیا کہ ہرگز ہرگز میں نے اپنی دولت کو ضائع نہیں کیا ہے اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ضرور نفع بخش ہوگی۔ اس کے بعد چند دن کشتی چلتی رہی۔ پھر اچانک طوفان کی موجوں سے کشتی ٹوٹ کر بکھر گئی اور سوائے اس آدمی کے کشتی کا کوئی آدمی بھی زندہ نہیں بچا۔ یہ کشتی کے ایک تختے پر بیٹھا ہوا سمندر میں بہتا چلا جارہا تھا یہاں تک کہ ایک جزیرہ میں اتر پڑا۔ اور چند قدم چل کر یہ دیکھا کہ شاندار محل بنا ہوا ہے اور ہر قسم کے موتی اور جواہرات وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس محل میں ایک بہت ہی حسین عورت اکیلی بیٹھی ہوئی ہیں اور ہر قسم کے میوے اور کھانے کے سامان وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے اس سے پوچھا۔

''کہ تم کون ہو اور کیسے یہاں پہنچ گئے۔''

تو اس نے عورت سے پوچھا کہ:

''تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہی ہو؟''

تو اس عورت نے اپنا قصہ سنایا کہ میں بصرہ کے ایک عظیم تاجر کی بیٹی ہوں میں اپنے باپ کے ساتھ سمندری سفر میں جارہی تھی کہ ہماری کشتی ٹوٹ گئی اور مجھے کوئی اچانک کشتی میں سے اچک کر لے بھاگا۔ اور میں اس جزیرہ میں اس محل کے اندر اس وقت سے پڑی ہوں۔ ایک شیطان ہے جو مجھے اس محل میں لے آیا ہے وہ ہر ساتویں دن یہاں آتا ہے اور میرے ساتھ صحبت تو نہیں کرتا مگر بوس و کنار کرتا ہے۔ اور آج اس کے یہاں آنے کا دن ہے۔ لہٰذا تم اپنی جان بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ وہ آ کر تم پر حملہ کر دے گا۔ ابھی اس عورت کی گفتگو ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک دم اندھیرا چھا گیا تو عورت نے کہا کہ جلدی بھاگ جاؤ وہ آ رہا ہے ورنہ وہ تم کو ضرور ہلاک کر دے گا۔ چنانچہ وہ آ گیا اور یہ شخص کھڑا رہا مگر جوں ہی شیطان اس کو

دبوچنے کے لئے آگے بڑھا تو اس نے **وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ** کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا تو شیطان زمین پر گر پڑا۔اور اس زور کی آواز آئی کہ گویا پہاڑ کا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا ہے اور پھر وہ شیطان جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فرشتہ رحمت بنا کر میرے پاس بھیج دیا ہے۔تمہاری بدولت مجھے اس شیطان سے نجات ملی۔ پھر اس عورت نے اس مرد سے کہا کہ ان موتی جواہرات کو اٹھالو اور اس محل سے نکل کر میرے ساتھ سمندر کے کنارے چلو اور کوئی کشتی تلاش کر کے یہاں سے نکل چلو۔ چنانچہ بہت سے موتی و جواہرات اور پھل وغیرہ کھانے کا سامان لے کر دونوں محل سے نکلے اور سمندر کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی ''بصرہ'' جارہی تھی۔ دونوں اس پر سوار ہو کر بصرہ پہنچے۔لڑکی کے والدین اپنی گم شدہ لڑکی کو پا کر بے حد خوش ہوئے اور اس مرد کے ممنون ہو کر اس کو بہت عزت واحترام کے ساتھ اپنے گھر میں مہمان رکھا۔ پھر لڑکی کے والدین نے پوری سرگزشت سن کر دونوں کا نکاح کر دیا اور دونوں میاں بیوی بن کر رہنے لگے۔ اور تمام موتی و جواہرات جو دونوں جزیرہ سے لائے تھے، وہ دونوں کی مشترکہ دولت بن گئے اور اس عورت سے خداوند تعالیٰ نے اس مرد کو چند اولاد بھی دی اور وہ دونوں بہت ہی محبت والفت کے ساتھ خوش حال زندگی بسر کرنے لگے۔

(تفسیر صاوی، ج ٦، ص ٢١٨٣، پ ٢٨، الطلاق: ٢)

درسِ ہدایت:۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اعمال ووظائف قرآنی میں بڑی بڑی تاثیرات ہیں۔مگر شرط یہ ہے کہ عقیدہ درست ہو اور اعمال کو صحیح طریقے سے پڑھا جائے اور زبان گناہوں کی آلودگی اور لقمۂ حرام سے محفوظ اور پاک وصاف ہو اور عمل میں اخلاص نیت اور شرائط کی پوری پوری پابندی بھی ہو۔تو ان شاء اللہ تعالیٰ قرآنی اعمال سے بڑی بڑی اور عجیب عجیب تاثیرات کا ظہور ہوگا۔جس کی ایک مثال آپ نے پڑھ لی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

﴿۶۳﴾ پانچ مشہور اور پرانے بت

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بت پرست ہوگئی تھی۔اوران لوگوں کے پانچ بت بہت مشہور تھے جن کی پوجا کرنے پر پوری قوم نہایت ہی اصرار کے ساتھ کمربستہ تھی اوران پانچوں بتوں کے نام یہ تھے۔{۱} وَدّ {۲} سُواع {۳} یغُوث {۴} یعُوق {۵} نسر

حضرت نوح علیہ السلام جو بت پرستی کے خلاف وعظ فرمایا کرتے تھے توان کی قوم ان کے خلاف ہر کوچہ و بازار میں چرچا کرتی پھرتی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کوطرح طرح کی ایذائیں دیا کرتی تھی۔چنانچہ قرآن مجید کا بیان ہے کہ:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ (پ۲۹،نوح:۲۳،۲۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کواور ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ اور نہ سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کواور بے شک انہوں نے بہتوں کو بہکایا۔(ترجمۂ کنزالایمان)

یہ پانچوں بت کون تھے؟ان کے بارے میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے یہ پانچوں فرزند تھے جونہایت ہی دین دار وعبادت گزار تھے اورلوگ ان پانچوں کے بہت ہی محبّ ومعتقد تھے۔جب ان پانچوں کی وفات ہوگئی تو لوگوں کو بڑا رنج وصدمہ ہوا تو شیطان نے ان لوگوں کی تعزیت کرتے ہوئے یوں تسلی دی کہ تم لوگ ان پانچوں صالحین کا مجسمہ بنا کر رکھ لواوران کو دیکھ دیکھ کر اپنے دلوں کو تسکین دیتے رہو۔چنانچہ پیتل اور سیسے کے مجسمے بنا بنا کر ان لوگوں نے اپنی اپنی مسجدوں میں رکھ لئے۔کچھ دنوں تک تو لوگ ان مجسموں کی زیارت کرتے رہے پھرلوگ ان بتوں کی عبادت کرنے لگے اور خدا پرستی چھوڑ کر بت پرستی کرنے لگے۔(تفسیر صاوی، ج۶، ص۲۲۴۵،پ۲۹، نوح:۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس تک ان لوگوں کو وعظ سنا سنا کر اس بت

پرستی سے منع فرماتے رہے۔ بالآخر طوفان میں غرق ہوکر سب ہلاک ہو گئے۔مگر شیطان اپنی اس چال سے باز نہیں آیا اور ہر دور میں اپنے وسوسوں کے جادو سے لوگوں کو اس طور پر بت پرستی سکھاتا رہا کہ لوگ اپنے صالحین کی تصویروں اور مجسمے بنا کر پہلے تو کچھ دنوں تک ان کی زیارت کرتے رہے اور ان کے دیدار سے اپنا دل بہلاتے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان تصویروں اور مجسموں کی عبادت کرنے لگے۔اس طرح شرک و بت پرستی کی لعنت میں دنیا گرفتار ہوگئی اور خدا پرستی اور توحید خالص کا چراغ بجھنے لگا جس کو روشن کرنے کے لئے انبیاء سابقین یکے بعد دیگرے برابر مبعوث ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے بت پرستی کی جڑ اس طرح کاٹ دی کہ آپ نے تصویروں اور مجسموں کا بنانا ہی حرام فرما دیا اور حکم صادر فرما دیا کہ تصاویر اور مجسمے ہرگز ہرگز کوئی شخص کسی آدمی تو آدمی کسی جاندار کے بھی نہ بنائے اور جو پہلے سے بن چکے ہیں ان کو جہاں بھی دیکھو فوراً مٹا کر اور توڑ پھوڑ کر تباہ و برباد کردو تاکہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

درسِ ہدایت:۔ آج کل میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے پیروں کے مریدین نے اپنے پیروں کی تصویروں کو چوکھٹوں میں بند کر کے اپنے گھروں میں رکھ چھوڑا ہے اور خاص خاص موقعوں پر اس کی زیارت کرتے کراتے رہتے ہیں بلکہ بعض تو ان تصویروں پر پھول مالائیں چڑھا کر اگربتی بھی سلگایا کرتے ہیں اور اس کے دھوئیں کو اپنے بدن پر ملا کرتے ہیں۔اگر یہ لوگ اپنی ان خرافات سے باز نہ رہے اور علماء اہل سنت نے اس کے خلاف علم مخالفت نہ بلند کیا تو اندیشہ ہے کہ شیطان کا پرانا حربہ اور اس کی شیطانی چال کا جادو مسلمانوں پر چل جائے گا اور آنے والی نسلیں ان تصویروں کی عبادت کرنے لگیں گی۔خوب کان کھول کر سن لو کہ

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کے جس درخت کی جڑوں کو کاٹ دیا تھا۔آج کل کے یہ جاہل بدعتی پیر اور ان کے توہم پرست مریدین بت پرستی کی ان جڑوں کو سینچ

سینچ کر پھر شرک و بت پرستی کے درخت کو ہرا بھرا اور تناور بنا رہے ہیں۔ آج کل کے جاہل اور دنیادار پیروں سے تو کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کے خلاف زبان کھولیں گے۔ مگر ہاں حق پرست اور حق گو علماء اہل سنت سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں کہ وہ ان کے خلافِ شرع اعمال و افعال کے خلاف ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور علم جہاد بلند کریں گے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ ہر اس موقع پر جب کہ اسلام کی کشتی گمراہیوں کے بھنور میں ڈگمگانے لگی ہے تو علماء اہل سنت ہی نے اپنی جان پر کھیل کر کشتی اسلام کی ناخدائی کی ہے۔ اور آخر طوفانوں کا رخ موڑ کر اسلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچالیا ہے۔

مگر اس زمانے میں اس کا کیا علاج ہے؟ کہ ان بے شرع پیروں اور مکار باباؤں نے چند روپیوں کے بدلے کچھ مولویوں کو خرید لیا ہے اور یہ مولوی صاحبان ان بے شرع پیروں اور مکار باباؤں کو ''مجذوب'' یا فرقہ ''ملامتیہ'' کا خوبصورت لبادہ اوڑھا کر خوب خوب ان کے کشف و کرامت کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔ اور ان باباؤں کے نذرانے سے اپنی مٹھی گرم کر رہے ہیں اور اگر کوئی حق گو عالم ان لوگوں کے خلاف کوئی کلمہ کہہ دے تو بابا لوگ اپنے داداؤں کو بلا کر اس عالم کی مرمت کرادیں اور ان کے زرخرید مولوی اپنی مخالفانہ تقریروں کی بوچھاڑ سے بے چارے حق گو عالم کی زندگی دوبھر کردیں۔ میں نے بارہا علماء اہلسنت کو پکارا اور للکارا کہ **لِلّٰہ** اٹھو اور حق کے لئے کمر بستہ ہو کر کم از کم اتنا تو کردو کہ متفقہ فتویٰ کے ذریعے یہ اعلان کردو کہ یہ داڑھی منڈے، اول فول بکنے والے، گنجیڑی، تارک صوم و صلوٰۃ، بے شرع بابا لوگ فاسق معلن ہیں۔ جو خود گمراہ اور مسلمانوں کے لئے گمراہ کن ہیں اور ان لوگوں کو ولایت و کرامت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ مگر افسوس کہ ایک مولوی بھی مجھ عاجز کی آواز پر لبیک کہنے والا نہیں ملا۔ بلکہ پتا یہ چلا کہ ہر بابا کی جھولی میں کوئی نہ کوئی مولوی چھپا ہوا ہے۔ جس کے خلاف کچھ کہنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ جو بھی ان باباؤں کے خلاف زبان کھولے گا ان نذرانہ

خور مولویوں کی کاؤں کاؤں اور چاؤں چاؤں میں اس کی مٹی پلید ہو جائے گی۔

فیا اسفاہ ویاحسرتاہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

﴿۶۴﴾ ابوجهل اور خدا کے سپاهی

ابوجہل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا تھا اور وہ علانیہ کہا کرتا تھا کہ اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے پاؤں سے ان کی گردن کچل دوں گا اور ان کا چہرہ خاک میں ملا دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے اس فاسد ارادہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھتے دیکھ کر آپ کے قریب آیا مگر اچانک الٹے پاؤں بھاگا۔ ہاتھ آگے بڑھائے ہوئے جیسے کوئی کسی مصیبت کو روکنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے۔ چہرے کا رنگ اُڑ گیا، اور بدن کی بوٹی بوٹی کانپنے لگی۔ اس کے ساتھیوں نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو کہنے لگا کہ میرے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان ایک خندق ہے جس میں آگ بھری ہوئی ہے اور کچھ دہشت ناک پرند بازو پھیلائے ہوئے ہیں۔ اس سے میں اس قدر خوفزدہ ہو گیا کہ آگے نہیں بڑھ سکا اور ہانپتے کانپتے کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔

نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابوجہل میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو جدا کر دیتے۔

اس کے بعد بھی ابوجہل اپنی خباثت سے باز نہیں آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کرنے لگا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سختی سے جھڑک دیا تو ابوجہل نے غصہ میں بھر کر کہا کہ آپ مجھے جھڑکتے ہیں؟ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ مکہ میں مجھ سے زیادہ جتھے والا اور مجھ سے بڑی مجلس والا کوئی نہیں ہے۔ خدا کی قسم! میں آپ کے مقابلہ میں سواروں اور پیدلوں سے اس میدان کو بھر دوں گا۔ اس کی اس دھمکی کے جواب میں سورۂ ''علق'' یعنی سورۂ اقراء کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۷۷، پ ۳۰،

علق، رکوع ۱) خداوندقدوس نے ارشادفرمایا۔

كَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۵ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶ فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۝۱۷ سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۸ (پ ۳۰،العلق:۱۵۔۱۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔ہاں ہاں اگر باز نہ آیا تو ہم ضرور پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے کیسی پیشانی جھوٹی خطا کار اب پکارے اپنی مجلس کو ابھی ہم سپاہیوں کو بلاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر ابو جہل اپنی مجلس والوں کو بلاتا تو فرشتے اس کو بالاعلان گرفتار کر لیتے اور وہ ''زبانیہ'' کی گرفت سے بچ نہیں سکتا تھا۔

(تفسیر خزائن العرفان،ص۱۰۷۷، پ ۳۰، علق: ۱۸)

درسِ ہدایت:۔ابو جہل جب تک زندہ رہا۔ ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی وایذاء رسانی پر کمر بستہ رہا۔ اور دوسروں کو بھی اس پر اُکساتا رہا۔ آخر قہر خداوندی میں گرفتار ہوا کہ جنگِ بدر کے دن دو لڑکوں کے ہاتھ سے ذلت کے ساتھ قتل ہوا اور اس کی لاش بے گور و کفن بدر کے گڑھے میں پھینک دی گئی۔ اس طرح تمام دشمنانِ رسول طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو کر ہلاک و برباد ہو گئے۔ **سبحان الله**.

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

(حدائق بخشش، حصہ اول، ص۲۷)

﴿۶۵﴾ شبِ قدر

شبِ قدر بڑی برکت ورحمت والی رات ہے۔اس رات کے مراتب ودرجات کا کیا کہنا کہ خداوند قدوس نے اس مقدس رات کے بارے میں قرآن مجید کی ایک سورہ نازل فرمائی ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ﳔ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ الرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ﱡ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾ (پ۳۰،القدر:۱۔۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اُتارا اور تم نے کیا جانا کیا شب قدر، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر اس میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لئے وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔

یعنی شبِ قدر وہ قدر و منزلت والی رات ہے کہ اس رات میں پورا قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا اور اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر افضل ہے۔اس رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کے ایک لشکر کے ساتھ آسمان سے زمین پر اترتے ہیں۔یہ رات زمین و آسمان اور سارے جہان کے لئے سلامتی کا نشان ہے۔ غروبِ آفتاب سے طلوع فجر تک اس کے انوار و برکات کی تجلیاں برابر جلوہ افروز رہتی ہیں۔

روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ بیان فرمایا کہ اس نے ایک ہزار مہینے تک لگاتار عبادت اور جہاد کیا۔صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے امتیوں کی عمریں تو بہت کم ہیں۔پھر بھلا ہم لوگ اتنی عبادت کیونکر کرسکیں گے؟ صحابہ کے اس افسوس پر آپ کچھ فکر مند ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی کہ اے محبوب! ہم نے آپ کی امت کو ایک رات ایسی عطا کی ہے کہ وہ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(تفسیر صاوی،ج ۶، ص ۲۳۹۹، پ ۳۰، القدر:۳)

مومنوں کو ملائکہ کی سلامی:۔روایت ہے کہ شبِ قدر میں سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتوں کی فوج حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سرداری میں زمین پر اترتی ہے اوران کے ساتھ چار جھنڈے ہوتے ہیں۔ایک جھنڈا بیت المقدس کی چھت پر۔اورایک جھنڈا کعبہ معظّمہ کی چھت پر۔اورایک جھنڈا طورسیناء پرلہراتے ہیں اور پھر یہ فرشتے مسلمانوں کے گھروں میں تشریف لے جاکر ہراس مومن مردوعورت کوسلام کرتے ہیں جوعبادت میں مشغول ہوں۔مگر جن گھروں میں بت یا تصویر یا کتا ہو یا جن مکانوں میں شرابی یا خنزیر کھانے والا یا غسل جنابت نہ کرنے والا، یا بلا وجہ شرعی اپنی رشتہ داری کو کاٹ دینے والا رہتا ہو، ان گھروں میں یہ فرشتے داخل نہیں ہوتے۔(تفسیر صاوی،ج٦، ص ٢٤٠١، پ ٣٠، القدر:٤)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان فرشتوں کی تعداد روئے زمین کی کنکریوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ سب سلام ورحمت لے کر نازل ہوتے ہیں۔

(تفسیر صاوی،ج٦، ص ٢٤٠١، پ ٣٠، القدر:٤)

شبِ قدر کون سی رات ھے؟ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں یعنی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں تلاش کرو۔

(بخاری شریف، کتاب الصوم، باب تحری لیلۃ القدر، ج١،ص ٢٧٠، مسلم شریف، کتاب الصیام، باب فضل لیلۃ القدر، ص ٣٦٩)

اس لئے بعض علماء کرام نے فرمایا کہ شبِ قدر کی کوئی رات معین نہیں ہے لہٰذا ان پانچوں راتوں میں شبِ قدر کو تلاش کرنا چاہیے۔

مگر حضرت ابی بن کعب وحضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے علماء کرام کا قول یہ ہے کہ شبِ قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔(تفسیر صاوی،ج٦، ص ٢٤٠٠، پ ٣٠، القدر)

اور بعض علماء کرام نے بطور اشارہ اس کی دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ ''لیلۃ القدر'' میں نو حروف ہیں اور ''لیلۃ القدر'' کا لفظ اس سورہ میں تین جگہ آیا ہے اور نو کو تین سے ضرب دینے سے ستائیس ہوتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ شبِ قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(تفسیر صاوی، ج٦، ص ٢٤٠٠، پ ٣٠، القدر)

شب قدر کی نماز اور دعائیں: روایت ہے کہ جو شبِ قدر میں اخلاصِ نیت سے نوافل پڑھے گا اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(تفسیر روح البیان، ج١٠، ص ٤٨٠-٤٨١، پ ٣٠، القدر:٣)

{١} شبِ قدر میں چار رکعت نماز نفل اس ترکیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں ''الحمد'' کے بعد سورۂ انا انزلناہ تین مرتبہ اور قل ھو اللہ پچاس مرتبہ پڑھے پھر سلام کے بعد سجدہ میں جا کر ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر پڑھے۔ پھر سجدے سے سر اٹھا کر جو دعا مانگے ان شاء اللہ تعالیٰ مقبول ہوگی۔(فضائل الشھور والایام)

{٢} حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے شبِ قدر مل جائے تو میں کون سی دعا پڑھوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

(سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء بالعفو و العافیة، ج٤، ص٢٧٣، رقم ٣٨٥٠)

{٣} ایک روایت میں ہے کہ جو شخص رات میں یہ دعا تین مرتبہ پڑھ لے گا تو اس نے گویا شبِ قدر کو پالیا۔ لہٰذا ہر رات اس دعا کو پڑھ لینا چاہیے۔ دعا یہ ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْم

{٤} یہ دعا بھی جس قدر زیادہ پڑھ سکیں پڑھیں۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے، دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ الدَّائِمَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ

﴿۶۲﴾ زمین بات چیت کرے گی

قیامت کے دن بندوں کی نیکی بدی کے حساب کے وقت جہاں بہت سے گواہ ہوں گے۔ وہاں زمین بھی گواہ بن کر شہادت دے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر مرد و عورت نے زمین پر جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا ہے زمین اس کی گواہی دے گی کہے گی کہ فلاں روز یہ کام کیا اور فلاں روز یہ کام کیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص۱۰۷۹، پ۳۰، الزلزال:۴)

زمین پر جو کچھ اچھے یا برے کام لوگوں نے کئے ہیں۔ ان سب کو زمین نے یاد رکھا ہے اور قیامت کے دن وہ ساری خبروں کو علی الاعلان بیان کرے گی جس کو سب لوگ سنیں گے۔ اس مضمون کو خداوند (عزوجل) نے قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ یَوْمَىٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾

(پ۳۰، الزلزال:۱۔۵)

ترجمہ کنزالایمان:۔ جب زمین تھرتھرا دی جائے جیسا اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے اور آدمی کہے اسے کیا ہوا اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی اس لئے کہ تمہارے رب نے اسے حکم بھیجا۔

درسِ ہدایت:۔ قیامت کے دن بندوں کے اچھے برے اعمال کے بہت سے گواہ ہوں گے۔ ہر انسان کے کندھوں پر جو فرشتے نامہ اعمال لکھ رہے ہیں وہ مستقل گواہ ہیں۔ پھر ان کے علاوہ انسان کے اعضاء گواہی دیں گے یعنی انسان کے ہاتھ پاؤں، آنکھ کان وغیرہ وغیرہ جن جن اعضاء سے جو جو اعمال کئے گئے ہر ہر عضو گواہی دے گا۔ پھر زمین پر جو جو نیکی یا بدی انسان نے کی ہے ان اعمال کے بارے میں زمین ہر ہر عمل کی خبر دے گی۔ اور خداوند قدوس کے حضور گواہی دے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان چاہے جتنا بھی چھپ کر اور چھپا کر کوئی اچھا یا برا عمل

کرے، مگر وہ عمل قیامت کے دن ہرگز ہرگز چھپ نہ سکے گا۔ بلکہ ہر آدمی کا ہر عمل اس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا اور وہ اپنے تمام کرتوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اور ہر عمل کا بدلہ بھی پائے گا۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ

يَوْمَىِٕذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ ع

(پ ۳۰، الزلزال: ۶ ـ ۸)

ترجمہ کنزالایمان: اس دن لوگ اپنے رب کی طرف پھریں گے کئی راہ ہو کر تا کہ اپنا کیا دکھائے جائیں تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

بہرحال قیامت کا دن بڑا سخت ہوگا اور ہر آدمی کو اپنے ہر چھوٹے بڑے اور اچھے برے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ زندگی کے ہر لمحہ میں یہ دھیان رکھے کہ جو کچھ کر رہا ہوں مجھے ایک دن اپنے ان کاموں کا حساب دینا پڑے گا اور جن اعمال کو میں چھپا کر کر رہا ہوں قیامت کے دن بھرے مجمع میں احکم الحاکمین کے حضور ظاہر ہو کر رہیں گے اس وقت کیسی اور کتنی بڑی رسوائی اور شرمندگی ہوگی؟

﴿۶۷﴾ مجاھدین کے گھوڑوں کی عظمت

خداوند قدوس کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اور غازیوں کا مرتبہ کتنا بلند و بالا، اور کس قدر عظمت والا ہے اس کے بارے میں تو سینکڑوں آیتوں میں خداوند قدوس نے ان مردانِ حق کی مدح و ثناء کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے مگر سورۂ ''والعٰدیٰت'' میں رب العزت جل جلالہ نے مجاہدین اور غازیوں کے گھوڑوں، بلکہ ان گھوڑوں کی رفتار اور ان کی اداؤں کی قسم یاد فرما کر ان کی عزت و عظمت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے کہ

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾

(پ ۳۰،العدیت:۱ـ۶)

ترجمہ کنزالایمان: قسم ان کی جو دوڑتے ہیں سینے سے آواز نکلتی ہوئی پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر پھر صبح ہوتے تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت غبار اُڑاتے ہیں پھر دشمن کے بیچ لشکر میں جاتے ہیں بے شک آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

ان گھوڑوں سے مراد، مفسرین کا اجماع ہے کہ مجاہدین اور غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں جو خداوند قدوس کے دربار میں اس قدر محبوب ومحترم ہیں کہ قرآن مجید میں حضرت حق جل مجدہ نے ان گھوڑوں بلکہ ان کی اداؤں کی قسم یاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں کی قسم ہے جو جہاد میں دوڑتے ہوئے ہانپتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو پتھروں پر اپنے نعل والے کھر مار کر رات کی تاریکی میں چنگاری نکال دیتے ہیں اور مجھے ان گھوڑوں کی قسم ہے جو صبح سویرے کفار پر حملہ کر دیتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو میدانِ جنگ میں دوڑ کر غبار اُڑاتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو کفار کے بیچ لشکر میں گھس جاتے ہیں۔

اتنی قسموں کے بعد رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔''

اللہ اکبر! خداوند قدوس جن چیزوں کی قسم یاد فرمائے، ان چیزوں کی عظمتِ شان کا کیا کہنا؟ قرآن مجید میں جن جن چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ مجھے ان کی قسم ہے، ان تمام چیزوں کا مرتبہ اتنا بلند و بالا اور اس قدر عظمت والا ہو گیا کہ وہ تمام چیزیں ہم مسلمانوں کے لئے بلکہ ساری کائنات کے لئے معزز و محترم ہو گئیں۔ تو پھر مجاہدین کے گھوڑوں کی عزت و عظمت اور ان کے تقدس و احترام کا کیا عالم ہوگا؟ اللہ اکبر اللہ اکبر.

درسِ ہدایت:۔ اس سے ہدایت کا یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی ہر ہر چیز سے

محبت فرماتا ہے اور خدا کے محبوبوں کی ہر ہر چیز قابل عزت ولائق احترام ہے۔ مجاہدین اسلام اور غازیانِ کرام چونکہ خداوند قدوس کے محبوب اور پیارے بندے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کے گھوڑوں سے بھی اس قدر پیار و محبت فرماتا ہے کہ ان گھوڑوں بلکہ ان گھوڑوں کی رفتار اور میدانِ جنگ میں ان گھوڑوں کے حملوں کی قسم یاد فرما کر ان گھوڑوں کی عزت وعظمت کا اعلان فرما رہا ہے۔ **سبحان اللہ، سبحان اللہ۔**

جب مجاہدین کرام کے گھوڑوں کے بلند درجات کا خطبہ قرآن عظیم نے پڑھا تو اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کے آلاتِ جنگ اور ان کے ہتھیاروں اور ان کی کمانوں، ان کی تلواروں کا بھی مرتبہ بہت بلند ہے اسی لیے بعض خانقاہوں میں بعض غازیوں کی تلواروں کو لوگوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ تبرک بنا کر برسہا برس سے محفوظ رکھا ہے جو بلاشبہ باعثِ برکت ولائق عزت واحترام ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

﴿۲۸﴾ قریش کے دو سفر

مکہ مکرمہ میں نہ کاشت کاری ہوتی تھی نہ وہاں کوئی صنعت وحرفت تھی۔ پھر بھی قبیلہ قریش کے لوگ کافی خوشحال اور صاحبِ مال تھے اور خوب دل کھول کر حاجیوں کی ضیافت اور مہمان نوازی کرتے تھے۔ قریش کی خوشحالی اور فارغ البالی کا راز یہ تھا کہ یہ لوگ ہر سال دو مرتبہ تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔ جاڑے کے موسم میں یمن اور گرمی کے موسم میں شام کا سفر کیا کرتے تھے اور ہر جگہ کے لوگ انہیں اہل حرم اور بیت اللہ شریف کا پڑوسی کہہ کر ان لوگوں کا اکرام واحترام کرتے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ تجارتیں کرتے تھے اور قریش ان تجارتوں میں خوب نفع اٹھاتے تھے۔ اور ان لوگوں کے حرم کعبہ کا باشندہ ہونے کی بناء پر راستہ میں ان کے قافلوں پر کسی قسم کی رہزنی اور ڈکیتی نہیں ہوا کرتی تھی۔ باوجودیکہ اطراف وجوانب میں ہر طرف قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ قریش کے سوا دوسرے قبیلوں کے لوگ

جب سفر کرتے، تو راستوں میں ان کے قافلوں پر حملے ہوتے تھے اور مسافر لوٹے مارے جاتے تھے اس لئے قریش جس طرح امن وامان کے ساتھ یہ دونوں تجارتی سفر کرلیا کرتے تھے دوسرے لوگوں کو یہ امن وامان نصیب نہیں تھا۔

(تفسیر خزائن العرفان،ص ۱۰۸٤ـ۱۰۸۹، پ ۳۰، قریش:۱ تا ٤)

اللہ تعالیٰ نے قریش کو جو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان میں سے خاص طور پر ان دو تجارتی سفروں کی نعمت کو یاد دلا کر ان کو خداوند قدوس کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ﴿۲﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ﴿۳﴾ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

(پ ۳۰،قریش:۱ـ٤)

ترجمہ کنزالایمان:۔اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کی جاڑے اور گرمی دونوں کے کوچ میں میل دلایا تو انہیں چاہئے اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا۔

ان لوگوں کو بھوک میں کھانا دیا یعنی ان دونوں تجارتی سفروں کی بدولت ان لوگوں کے معاش اور روزی کا سامان پیدا کردیا اور ان کے قافلوں کو لوٹ مار سے امن وامان عطا فرمایا۔ لہٰذا ان لوگوں کو لازم ہے کہ یہ لوگ رب کعبہ کی عبادت کریں جس نے ان لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے نہ کہ یہ لوگ بتوں کی عبادت کریں جنہوں نے ان لوگوں کو کچھ بھی نہیں دیا۔

درسِ ھدایت:۔اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنی دو نعمتوں کو یاد دلا کر بت پرستی چھوڑنے اور اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔اس سورہ میں اگرچہ خاص طور پر قریش کا ذکر ہے مگر یہ حکم تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے کہ لوگ خدا کی نعمتوں کو یاد کریں اور نعمت دینے والے خدائے واحد کی عبادت کریں اور بت پرستی سے باز رہیں۔**واللہ تعالیٰ اعلم**.

﴿۶۹﴾ کفر و اسلام میں مفاہمت غیر ممکن

کفارقریش میں سے ایک جماعت دربارِ رسالت میں آئی اور یہ کہا کہ آپ ہمارے دین کی پیروی کریں تو ہم بھی آپ کے دین کا اتباع کریں گے۔ایک سال آپ ہمارے معبودوں (بتوں) کی عبادت کریں ایک سال ہم آپ کے معبود اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراؤں۔ یہ سن کر کفارِقریش نے کہا کہ اگر آپ بتوں کی عبادت نہیں کر سکتے تو کم سے کم آپ ہمارے کسی بت کو ہاتھ ہی لگا دیجئے تو ہم آپ کی تصدیق کرلیں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے اس موقع پر سورہ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ نازل ہوئی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں تشریف لے گئے اور کفار قریش کو یہ سورہ پڑھ کر سنائی تو کفار قریش مایوس ہو گئے اور پھر غصہ میں جل بھن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طرح طرح کی ایذائیں دینے پر تل گئے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص۱۰۸۵، پ۳۰، الکفرون:۱)

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ﴿۶﴾ (پ۳۰، الکافرون:۱۔۶)

ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ اے کافرو نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں اور نہ میں پوجوں گا جو تم نے پوجا اور نہ تم پوجو گے جو میں پوجتا ہوں تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔

درسِ ہدایت: اس سورۂ پاک کے مضمون اور حضور سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کفر و اسلام میں کبھی مفاہمت اور موافقت نہیں ہو سکتی جو مسلمان کفار کی خوشنودی اور ان کی خوشامد کے لیے ان کی مذہبی تقریبات میں حصہ لیتے ہیں اور بت

پرستی کی مشرکانہ رسموں میں چندہ دے کر شرکت کرتے ہیں ان کو اس سورہ سے ہدایت کا نورانی سبق حاصل کرنا چاہیے اور ایمان رکھنا چاہیے کہ توحید اور شرک کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے جو موحد ہوگا وہ کبھی مشرک نہیں ہوسکتا اور جو مشرک ہوگا وہ کبھی موحد نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۷۰﴾ اللہ تعالی کی چند صفتیں

کفارِ عرب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے سوال کیے کوئی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نسب اور خاندان کیا ہے؟ اس نے ربوبیت کس سے میراث میں پائی ہے؟ اور اس کا وارث کون ہوگا؟ کسی نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سونے کا ہے یا چاندی کا؟ لوہے کا ہے یا لکڑی کا؟ کسی نے یہ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کیا کھاتا پیتا ہے؟

ان سوالوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ نازل فرمائی اور اپنی ذات وصفات کا واضح بیان فرما کر اپنی معرفت کی راہ روشن کردی اور کفار کے جاہلانہ خیالات واوہام کی تاریکیوں کو جن میں وہ لوگ گرفتار تھے اپنی ذات وصفات کے نورانی بیان سے دور فرمادیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص۱۰۸۶، پ۳۰، اخلاص: ۱)

ارشاد فرمایا کہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ﴿۴﴾ (پ۳۰، الاخلاص: ۱۔۴)

ترجمہ کنزالایمان:۔ تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

درسِ ہدایت:۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ قل ھو اللہ کی چند آیتوں میں ''علم الٰہیات'' کے وہ نفیس اور اعلیٰ مطالب بیان فرمادیئے ہیں کہ جن کی تفصیلات اگر بیان کی جائیں تو کتب خانے کے کتب خانے پُر ہوجائیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور الوہیت میں صفت

عظمت وکمال کے ساتھ موصوف ہے۔ مثل ونظیر وشبیہ سے پاک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

وہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ کسی کا محتاج ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

وہ قدیم ہے اور پیدا ہونا حادث کی شان ہے اس لئے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ اس کا کوئی مجانس ہے اور نہ اس کا عدیل ومثیل ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کی فضیلتوں کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اسکو تہائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے یعنی اگر تین مرتبہ اس سورہ کو پڑھا جائے تو پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔

ایک شخص نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اس سورہ سے محبت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۸۶، پ ۳۰، اخلاص: ۱)

﴿۷۱﴾ علوم و معارف کا نہ ختم ہونے والا خزانہ

قرآن مجید اللہ تعالٰی کی وہ جلیل القدر اور عظیم الشان کتاب ہے، جس میں ایک طرف حلال وحرام کے احکام، عبرتوں اور نصیحتوں کے اقوال، انبیائے کرام اور گزشتہ امتوں کے واقعات و احوال، جنت و دوزخ کے حالات مذکور ہیں اور دوسری طرف اس کے باطن کی گہرائیوں میں علوم و معارف کے خزانوں کے بے شمار ایسے سمندر موجیں مار رہے ہیں جو قیامت تک کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اس عظیم الشان جامعیت کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

لَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ

قرآنی مضامین کا احاطہ کر کے کبھی علماء آسودہ نہیں ہوں گے اور بار بار پڑھنے سے قرآن

پرانا نہیں ہوگا اور قرآن کے عجیب وغریب مضامین کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی، ص ۱۸۶)

چنانچہ حضرت سیدنا علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اِطَّلَعَنِی عَلٰی مَعَانِیْ سُوْرَۃِ الْفَاتِحَۃِ فَظَھَرَلِیْ مِنْھَا مِائَۃَ اَلْفِ عِلْمٍ وَّاَرْبَعُوْنَ اَلْفِ عِلْمٍ وَتِسْعَمِائَۃٍ وَّ تِسْعُوْنَ عِلْمًا ط

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۂ فاتحہ کے معانی پر آگاہ فرمایا تو ان میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نوسو ننانوے علوم مجھ پر منکشف ہوئے۔

(الدولۃ المکیۃ، النظر الخامس فی دلائل المدعی من الاحادیث والاقوال والایات، ص ۷۹)

اسی طرح امام شعرانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب میزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ

قَدِ اسْتَخْرَجَ اَخِیْ اَفْضَلُ الدِّیْنِ مِنْ سُوْرَۃِ الْفَاتِحَۃِ مَائَتَیْ اَلْفِ عِلْمٍ وَّ سَبْعَۃً وَّاَرْبَعِیْنَ اَلْفِ عِلْمٍ وَّتِسْعَ مِائَۃٍ وَتِسْعَۃً وَّ تِسْعُوْنَ عِلْمًا

میرے بھائی افضل الدین نے سورہ فاتحہ سے دولاکھ سینتالیس ہزار نوسو ننانوے علوم نکالے ہیں۔

(الدولۃ المکیۃ، النظر الخامس فی دلائل المدعی من الاحادیث والاقوال والایات، ص ۷۹)

ان روایتوں سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید اگرچہ ظاہر میں تیس پاروں کا مجموعہ ہے لیکن اس کا باطن کروڑوں بلکہ اربوں علوم و معارف کا ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا کسی عارف باللہ کا مشہور شعر ہے کہ

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ   تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْھَامُ الرِّجَالِ

یعنی تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر وکوتاہ ہیں۔

الحاصل قرآن مجید میں صرف علوم و معارف ہی کا بیان نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں پوری کائنات اور سارے عالم کی ہر ہر چیز کا واضح اور روشن تفصیلی بیان ہے یعنی آسمان کے ایک

ایک تارے، سمندر کے ایک ایک قطرے، سبزہ ہائے زمین کے ایک ایک تنکے، ریگستان کے ایک ایک ذرے، درختوں کے ایک ایک پتے، عرش و کرسی کے ایک ایک گوشے، عالم کائنات کے ایک ایک کونے، ماضی کا ہر ہر واقعہ، حال کا ہر ہر معاملہ، مستقبل کا ہر ہر حادثہ قرآن مجید میں نہایت وضاحت کے ساتھ تفصیلی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (پ۷،الانعام:۳۸)

ترجمہ کنزالایمان:۔ ہم نے اس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا۔

لیکن واضح رہے کہ قرآن کی یہ اعجازی شان ہمارے تمہارے اور عام لوگوں کے لئے نہیں ہے بلکہ قرآن کی اس اعجازی شان کا کامل ظہور تو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور صرف آپ ہی کا یہ معجزہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے تمام مضامین و معانی کو تفصیلی طور پر جان لیا اور پورا قرآن نازل ہو جانے کے بعد کائنات عالم کی کوئی شے، ماضی و حال اور مستقبل کا کوئی واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوشیدہ نہیں رہا اور آپ نے ہر غیب و شہادت کو تفصیلی طور پر جان لیا کیونکہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (پ۱۴،النحل:۸۹)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور ہم نے تم پر یہ قرآن اُتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں بعض اولیاء کرام اور علماء عظام کو بھی بقدر ظرف ان کے باطنی علوم و معارف سے حصہ ملا ہے جن میں سے کچھ کتابوں کے لاکھوں صفحات پر ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں اور کچھ سینوں کے صندوق اور دلوں کی تجوریوں میں اب تک مقفل ہی رہ گئے ہیں جو آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک صفحات قرطاس پر جلوہ ریز ہوتے رہیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس غیبی خبر وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ کا وقتاً فوقتاً ظہور ہوتا رہے گا اور امت مسلمہ ان کے فیوض و برکات سے مستفیض و مالا مال ہوتی ہی رہے گی۔ بہرحال یہ یقین و

ایمان رکھنا چاہئے کہ ہم نے ''عجائب القرآن'' اور ''غرائب القرآن'' میں جو قرآن کے چند عجیب وغریب مضامین کا ایک مختصر مجموعہ تحریر کیا ہے اور ہم سے پہلے بہت سے علماء کرام نے مضامینِ قرآن پر ہزاروں کتابیں اور لاکھوں صفحات تحریر فرمائے ہیں، قرآن مجید کے علوم ومعارف کے سامنے ان سب تحریروں کو وہ نسبت بھی حاصل نہیں جو ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے اور ایک ذرہ کو تمام روئے زمین سے حاصل ہو، کیونکہ قرآن مجید تو علوم ومعارف کا وہ خزانہ ہے جو کبھی ختم ہی نہیں ہوسکتا بلکہ قیامت تک علماء کرام اس بحرِ ناپیدا کنار سے ہمیشہ عجیب وغریب مضامین کے موتی نکالتے ہی رہیں گے اور ہزاروں لاکھوں کتابوں کے دفتر تیار ہوتے ہی رہیں گے۔

میں اگرچہ اس پر بہت خوش ہوں کہ قرآن کریم کے چند مضامین پر دو مختصر مجموعے لکھ کر میں ان علماء کرام کی جوتیوں کی صف میں جگہ پا گیا جنہوں نے اپنے نوکِ قلم سے قرآنی آیات کے ایسے ایسے درشہوار اور گوہر آبدار صفحات قرطاس پر بکھیر دیئے جن کی چمک دمک سے مومنین کے ایمان وعرفان میں ایسی تابانی وتابندگی پیدا ہوگئی جو قیامت تک روشن رہے گی مگر میں انتہائی متاسف اور شرمندہ ہوں کہ اپنی علمی کوتاہی اور کم فہمی کی وجہ سے اور پھر اپنی علالت کے باعث کچھ زیادہ نہ لکھ سکا اور نہ کوئی ایسی نادر بات لکھ سکا جو اہل علم کے لئے باعثِ کشش وقابل مسرت ہو۔

بہر حال دعا گو ہوں کہ خداوند کریم بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میری اس حقیر خدمت کو قبول فرما کر اس کو مقبولیت دارین کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

تمت

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحۡبِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ

برحمتہٖ وھو ارحم الراحمین

ابتدائے تصنیف: یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۳ھ

ختم تصنیف: ۲۳ / رمضان ۱۴۰۳ھ

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

عجائب القرآن کے ماخذ ومراجع

کتاب کا نام	مصنف کا نام	مطبوعہ
قرآن مجید	کلام باری تعالیٰ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	اعلیٰ حضرت احمد رضا خان	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تفسیر صاوی	علامہ احمد بن محمد الصاوی	مطبوعہ دار الفکر بیروت
تفسیر مدارک	امام عبداللہ بن احمد النسفی	صدیقیہ کتب خانہ اکوڑہ خٹک
تفسیر روح البیان	الشیخ اسماعیل حقی البروسوی	کتبہ عثمانیہ کوئٹہ
تفسیر جمل	الشیخ سلیمان الجمل	قدیمی کتب خانہ کراچی
تفسیر خازن	علامہ علاء الدین علی بن محمد	صدیقیہ کتب خانہ اکوڑہ خٹک
تفسیر خزائن العرفان	محمد نعیم الدین	مطبوعہ پاک کمپنی اردو بازار لاہور
بخاری شریف	ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	درالکتب العلمیۃ بیروت
مشکوۃ المصابیح	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	دار الفکر بیروت
کنز العمال	علامہ علاء الدین علی المتقی	دار الکتب العلمیۃ بیروت
شرح الزرقانی	علامہ قسطلانی	دار الکتب العلمیۃ بیروت
کشف الخفاء	الشیخ اسماعیل بن محمد	دار الکتب العلمیۃ بیروت
مرقاۃ المفاتیح	نور الدین علی بن سلطان (ملا علی قاری)	دار الفکر بیروت
بہار شریعت	مولانا امجد علی اعظمی	مکتبہ رضویہ کراچی
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام	دار المعرفہ بیروت
مدارج النبوۃ	مولانا عبدالحق محدث دہلوی	نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور
الخیرات الحسان	شیخ شہاب الحمد بن حجر	مدینہ پبلشنگ کمپنی لاہور
حدائق بخشش	اعلیٰ حضرت احمد رضا خان	مکتبۃ المدینہ کراچی

كلیات اقبال	ڈاکٹر اقبال	مطبوعہ شمع بک ایجنسی لاہور
المستدرک علی الصحیحین	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم	مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید	دارالمعرفہ بیروت

غرائب القرآن کے ماخذ ومراجع

کتاب کانام	مصنف کے نام	مطبوعہ
تفسیر معالم التنزیل للبغوی	علامہ ابومحمد حسین بن مسعود	دارالکتب العلمیۃ بیروت
تفسیر ابن کثیر	علامہ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی	دارالکتب العلمیۃ بیروت
تفسیر جلالین	علامہ جلال الدین السیوطی وجلال الدین المحلی	قدیمی کتب خانہ کراچی
موضح القرآن	شاہ عبدالقادر صاحب	تاج کمپنی لمیٹیڈ لاہور کراچی
صحیح مسلم	ابوالحسن امام مسلم بن الحجاج بن مسلم	دارابن حزم بیروت
فتح الباری	امام احمد بن علی العسقلانی	قدیمی کتب خانہ کراچی
تذکرۃ الانبیاء	قاضی عبدالرزاق چشتی بھترالوی	مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی
البدایہ والنہایہ	ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی	لدار احیاء التراث العربی بیروت۔
الدولۃ المکیۃ	اعلی حضرت امام احمد رضا خان	موسسۃ رضا لاہور
فضائل الشہور والایام		

مجلس المدینۃ العلمیۃ کی طرف سے پیش کردہ قابلِ مطالعہ کتب

﴿شعبہ کتبِ اعلیٰ حضرت﴾

(۱) **کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات:** یہ کتاب(کفل الفقیہ الفاھم في أحکام قرطاس الدراھم) کی تسہیل وتخریج پر مشتمل ہے۔جس میں نوٹ کے تبادلے اوراس سے متعلق شرعی احکامات بیان کئے گئے ہیں۔(کل صفحات:۱۱۵)

(۲) **ولایت کا آسان راستہ**(تصورِشیخ): یہ رسالہ(الیاقوتۃ الواسطۃ) کی تسہیل وتخریج پر مشتمل ہے۔جس میں پیر ومرشد کے تصوّر کے موضوع پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔(کل صفحات:۶۰)

(۳) **ایمان کی پہچان** (حاشیہ تمہیدِ ایمان): اس رسالے میں تمہیدِ ایمان کے مشکل الفاظ کے معانی اورضروری اصطلاحات کی مختصر تشریحات درج کی گئی ہیں۔(کل صفحات:۷۴)

(۴) **معاشی ترقی کا راز** (حاشیہ وتشریح تدبیرفلاح ونجات واصلاح):اس رسالے میں پورے عالمِ اسلام کے لیے چارنکات کی صورت میں معاشی حل پیش کیا گیا ہے۔(کل صفحات:۴۱)

(۵) **شریعت وطریقت** : یہ رسالہ(مقال العرفاء بإعزاز شرع وعلماء) کا حاشیہ ہے۔اس عظیم رسالے میں شریعت اورطریقت کوالگ الگ ماننے والے جاہلوں کی صحیح رہنمائی کی گئی ہے۔(کل صفحات:۵۷)

(۶) **ثبوتِ ہلال کے طریقے**(طرق إثبات هلال): اس رسالے میں چاند کے ثبوت کے لیے مقررشرعی اصول وضوابط کی تفصیلات کا بیان ہے۔(کل صفحات:۶۳)

(۷) **عورتیں اور مزارات کی حاضری:** یہ رسالہ(جمل النور في نهي النساء عن زيارة القبور) کاحاشیہ ہے۔اس رسالے میں عورتوں کے زیارتِ قبور کے لیے نکلنے سے متعلق شرعی حکم پر وارد ہونے والے اعتراضات کے مسکت جوابات شامل ہیں۔(کل صفحات:۳۵)

(۸) **اعلیٰ حضرت سے سوال جواب**(إظهار الحقّ الجلي): اس رسالے میں امامِ اہلِ سنّت علیہ رحمۃ الرحمٰن پر بعض غیر مقلّدین کی طرف سے کیے گئے چندسوالات کے مدلل جوابات بصورتِ انٹرویو درج کیے گئے ہیں۔(کل صفحات:۱۰۰)

(۹) **عیدین میں گلے ملنا کیسا؟** یہ رسالہ(وشاح الجید في تحليل معانقة العيد) کی تسہیل وتخریج پر مشتمل ہے۔اس رسالے میں عیدین میں گلے ملنے کو بدعت کہنے

والوں کے رد میں دلائل سے مزین تفصیلی فتویٰ شامل ہے۔(کل صفحات:۵۵)

(۱۰) راہِ خداعزوجل میں خرچ کرنے کے فضائل: یہ رسالہ (رادّ القحط والوباء بدعوة الجيران ومواساة الفقراء) کی تسہیل وتخریج پر مشتمل ہے۔یہ رسالہ پڑوسیوں اور فقراء سے خیر خواہی اور وباء کو ٹالنے کے لیے صدقہ کے فضائل پر مشتمل احادیث وحکایات کا بہترین مجموعہ ہے۔(کل صفحات:۴۰)

(۱۱) دعاء کے فضائل: یہ رسالہ(أحسن الوعاء لآداب الدعاء معه ذيل المدعا لأحسن الوعاء) کی حاشیہ وتسہیل اور تخریج پر مشتمل ہے،جس میں دعاء سے متعلق تفصیلی احکام کا بیان ہے اور ہر ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے (کل صفحات:۱۴۰)

شائع ہونے والے عربی رسائل:

ازامام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا احمد رضاخان علیہ رحمۃ الرحمٰن

(۱)**كفل الفقيه الفاهم** (کل صفحات:۷۴)۔(۲)**تمهيد الايمان** ۔(کل صفحات:۷۷) (۳)**الاجازات المتينة** (کل صفحات:۶۲)۔ (۴)**اقامة القيامة** (کل صفحات:۶۰)۔(۵) **الفضل الموهبي** ۔(کل صفحات:۴۶) (۶)**أجلى الاعلام** ۔(کل صفحات:۷۰) (۷)**الزمزمة القمرية** (کل صفحات:۹۳) (۸)**حسام الحرمين على منحر الكفر والمين**۔(کل صفحات:۱۹۴)

﴿شعبہ اصلاحی کتب﴾

(۱) خوفِ خدا عزوجل: اس کتاب میں خوفِ خدا عَزَّوَجَلَّ سے متعلق کثیر آیاتِ کریمہ، احادیثِ مبارکہ اور بزرگانِ دین کے اقوال واحوال کے بکھرے ہوئے موتیوں کو سلکِ تحریر میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے۔(کل صفحات:160)

(۲) انفرادی کوشش: اس کتاب میں نیکی کی دعوت کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے انفرادی کوشش کی ضرورت،اسکی اہمیت،اس کے فضائل اور انفرادی کوشش کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں اسلاف کی انفرادی کوشش کے''۹۹''منتخب واقعات کو بھی جمع کیا گیا ہے،جس میں بانیٔ دعوت اسلامی امیرِ اہلِ سنت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ کے''۲۵''واقعات بھی شامل ہیں نیز کتاب کے آخر میں انفرادی کوشش کے عملی طریقے کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔(کل صفحات:200)

(۳) شاھراہ اولیاء: یہ رسالہ سیدنا امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیف "**منہاج العارفین**" کا ترجمہ و تسہیل ہے۔اس رسالے میں امام غزالی علیہ الرحمۃ نے مختلف موضوعات کے تحت منفرد انداز میں غور و فکر یعنی "**فکر مدینہ**" کرنے کی ترغیب ارشاد فرمائی ہے۔مثلاً انسان کو چاہئے کہ دن اور رات پر غور کرے کہ جب دن کی روشنی پھیل جاتی ہے تو رات کی تاریکی رخصت ہو جاتی ہے اسی طرح جب نیکیوں کا نور انسان کو حاصل ہو جائے تو اس کے اعضاء سے گناہوں کی تاریکی رخصت ہو جاتی ہے۔مسجد میں داخل ہوتے وقت غور کرے کہ کس عظمت والے رب عزوجل کے گھر میں داخل ہو رہا ہے؟ اسی طرح عبادت کرتے وقت غور کرے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ تو رب تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، علیٰ ھذا القیاس۔ (**کل صفحات:36**)

(۴) فکرِ مدینہ: اس کتاب میں فکرِ مدینہ (یعنی محاسبہ) کی ضرورت، اسکی اہمیت، اس کے فوائد اور بزرگانِ دین کی فکرِ مدینہ کے "131" واقعات کو جمع کیا گیا ہے جس میں **بانیٔ دعوت اسلامی امیرِ اہلِ سنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتھم العالیہ** کے ۴۱ واقعات بھی شامل ہیں نیز مختلف موضوعات پر فکرِ مدینہ کرنے کا عملی طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ (**کل صفحات:164**)

(۵) امتحان کی تیاری کیسے کریں؟ اس رسالے میں اُن تمام مسائل کا حل بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک طالب علم کو امتحانات کی تیاری کے دوران درپیش ہو سکتے ہیں۔یہ رسالہ بنیادی طور پر درسِ نظامی کے طلباء اسلامی بھائیوں کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا ہے، لیکن اسکول و کالج میں پڑھنے والے طلباء (Students) کے لئے بھی یکساں مفید ہے۔اس لئے انفرادی کوشش کرنے والے اسلامی بھائیوں کو چاہئے کہ وہ یہ رسالہ اِن طلباء تک بھی پہنچائیں کیونکہ اس رسالہ میں اپنے مدنی مقصد "**مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے، ان شاءاللہ عزوجل**" کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سے مقامات پر نیکی کی دعوت بھی پیش کی گئی ہے۔ (**کل صفحات:132**)

(۶) نماز میں لقمہ دینے کے مسائل: نماز میں لقمہ دینے کے مسائل پر مشتمل ایک کتاب جس میں مختلف صورتوں کا حکم اکابرین رحمہم اللہ کی کتابوں سے ایک جگہ جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے تا کہ عوام الناس کی ان مسائل تک آسانی سے رسائی ہو سکے اور اس مسئلہ کے بارے میں لوگوں میں جو مختلف قسم کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ (**کل صفحات:39**)

(۷) جنت کی دو چابیاں: اس کتاب میں پہلے جنت کی نعمتوں کا بیان کیا گیا ہے، پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے زبان و شرم گاہ کی حفاظت سے متعلق دی گئی ایک

بشارت ذکر کی گئی ہے۔اس کے بعد تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ ہم اس ضمانت کے حق دار کس طرح بن سکتے ہیں۔حسبِ ضرورت شرعی مسائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔امید واثق ہے کہ زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کے بارے میں ایک مقام پر اتنی تفصیل آپ کو کسی دوسری کتاب میں نہ ملے گی۔ **ذلک فضل اللہ العظیم** (کل صفحات:152)

(۸) کامیاب استاذ کون؟ اس کتاب میں ان تمام امور کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کا تعلق تدریس سے ہوسکتا ہے مثلاً سبق کی تیاری، سبق پڑھانے کا طریقہ، سننے کا طریقہ علی ھذا القیاس۔یہ کتاب بنیادی طور پر شعبہ درسِ نظامی کو مدِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے لیکن حفظ وناظرہ کے اساتذہ بھی معمولی ترمیم کے ساتھ اس سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتے ہیں نیز اسکول وکالجز میں پڑھانے والے اساتذہ کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں ہے۔(کل صفحات:43)

(۹) نصاب مدنی قافلہ: اس کتاب میں مدنی قافلہ سے متعلق امور کا بیان ہے، مثلاً مدنی قافلہ کی اہمیت، مدنی قافلہ کیسے تیار کیا جائے، مدنی قافلہ کا جدول، اس جدول پر عمل کس طرح کیا جائے، امیر قافلہ کیسا ہونا چاہئیے؟ علاوہ ازیں موضوع کی مناسبت سے امیرِ اہل سنت بانی دعوتِ اسلامی مدظلہ العالی کے عطا کردہ مدنی پھول بھی اس کتاب میں سجا دیئے گئے ہیں۔اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے۔(کل صفحات:196)

(۱۰) حسنِ اخلاق: یہ کتاب دنیائے اسلام کے عظیم محدث سیدنا امام طبرانی علیہ الرحمۃ کی شاہکار تالیف "**مکارمُ الاخلاق**" کا ترجمہ ہے۔اس کتاب میں امام طبرانی علیہ الرحمۃ نے اخلاق کے مختلف شعبوں کے متعلق احادیث جمع کی ہیں۔امیدِ واثق ہے کہ یہ کتاب شب وروز انفرادی کوشش میں مصروف رہنے والے اسلامی بھائیوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی ان شاء اللہ عزوجل۔(کل صفحات:74)

(۱۱) فیضانِ احیاء العلوم: یہ کتاب امام غزالی علیہ الرحمۃ کی مایہ ناز کتاب "**احیاء العلوم**" کی تلخیص وتسہیل ہے جسے درس دینے کے انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔اخلاص، مذمت دنیا، توکل، صبر جیسے مضامین پر مشتمل ہے۔(کل صفحات:325)

(۱۲) راہِ علم: یہ رسالہ "**تعلیم المتعلم طریق التعلم**" کا ترجمہ وتسہیل ہے جس میں ان امور کا بیان ہے جن کی رعایت راہ علم پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے۔اوران باتوں کا ذکر ہے جن سے اجتناب معلم ومتعلم کے لئے ضروری ہے۔(کل صفحات:102)

(۱۳) حق وباطل کا فرق: یہ کتاب حافظ ملت عبدالعزیز مبارکپوری رحمہ اللہ کی تالیف ہے

''جسے حق وباطل کا فرق'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔مصنف علیہ الرحمۃ نے عقائد حقہ وباطلہ کے فرق کو نہایت آسان انداز میں سوالاً جواباً پیش کیا ہے جس کی وجہ سے کم تعلیم یافتہ لوگ بھی اس کا آسانی سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔(کل صفحات:50)

(۱۴) تحقیقات: یہ کتاب فقیہ اعظم ہند، مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ تالیف ہے، تحقیقی انداز میں لکھی گئی اس کتاب میں بدمذھبوں کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔متلاشیانِ حق کے لئے نور کا مینارہ ہے۔(کل صفحات:142)

(۱۵) اربعین حنفیہ: یہ کتاب فقیہ اعظم حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف نقشبندی علیہ الرحمۃ کی تالیف ہے۔جس میں نماز سے متعلق چالیس احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور اختلافی مسائل میں حنفی مذہب کی تقویت نہایت مدلل انداز میں بیان کی گئی ہے۔ (کل صفحات:112)

(۱۶) بیٹے کو نصیحت: یہ امام غزالی علیہ الرحمۃ کی کتاب ''**ایھاالولد**'' کا اردو ترجمہ ہے۔ بچوں کی تربیت کے لیے لاجواب کتاب ہے اس میں اخلاص، مذمت مال اور توکل جیسے مضامین شامل ہیں۔ (کل صفحات::64)

(۱۷) طلاق کے آسان مسائل: اس فقہی کتاب میں مسائل طلاق کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے جس کی بنا پر طلاق سے متعلق عوام الناس میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا کافی حد تک ازالہ ہو سکتا ہے۔(کل صفحات:30)

(۱۸) توبہ کی روایات وحکایات: اس کتاب کی ابتداء میں توبہ کی ضرورت کا بیان ہے، پھر توبہ کی اہمیت وفضائل مذکور ہیں۔اس کے بعد تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ سچی توبہ کس طرح کی جاسکتی ہے؟ اور آخر میں توبہ کرنے والوں کے تقریباً 55 واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔امید واثق ہے کہ یہ کتاب اصلاحی کتب میں بہترین اضافہ متصور ہوگی۔**ان شاء اللہ عزوجل** (کل صفحات:124)

(۱۹) الدعوة الی الفکر (عربی): یہ کتاب محقق جلیل مولانا منشاء تابش قصوری مدظلہ العالی کی مایہ ناز تالیف ''دعوتِ فکر'' کا عربی ترجمہ ہے جس میں بدمذہبوں کو اپنی روش پر نظر ثانی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (کل صفحات:148)

(۲۰) آداب مرشدِ کامل (مکمل پانچ حصے): فی زمانہ ایک طرف ناقص اور کامل پیر کا امتیاز مشکل ہے تو دوسری طرف جو کسی کامل مرشد کے دامن سے وابستہ ہیں بھی تو انہیں اپنے مرشد کے ظاہری وباطنی آداب سے آشنائی نہیں۔اِن حالات میں اس بات کی اَشد ضرورت

محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی تحریر ہو جس سے شریعت کی روشنی میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ناقص اور کامل مرشد کی پہچان بھی ہو سکے اور کامل مرشد کے دامن سے وابستگان آدابِ مرشد سے مطلع ہو کر ناواقفیت کی بنا پر طریقت کی راہ میں ہونے والے ناقابلِ تصور نقصان سے بھی محفوظ رہ سکیں۔ اس حقیقت کو جاننے اور مرشدِ کامل کے آداب سمجھنے کیلئے آدابِ مرشدِ کامل کے مکمل پانچ حصوں پر مشتمل اس کتاب میں شریعت و طریقت سے متعلق ضروری معلومات پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ (کل صفحات: تقریباً 200)

(۲۱) ٹی وی اور مُووی: فی زمانہ حالات بڑی تیزی کے ساتھ تنزلی کی طرف بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ایک طرف بے عملی کا سیلاب اپنی تباہی مچا رہا ہے تو دوسری طرف بدعقیدگی کے خوفناک طوفان کی ہولناکیاں بربادی کے بھیانک مناظر پیش کر رہی ہیں۔ ان حالات میں میڈیا کا طرزِ عمل بھی سب کے سامنے ہے۔

"T.V اور مُووی" نامی اس رسالے میں ٹی وی اور مُووی کے ناجائز استعمال کی تباہ کاریوں اور جائز استعمال کی مختلف صورتوں اور فی زمانہ اس کی ضرورت کا بیان ہے۔ (کل صفحات: 32)

(۲۲) فتاوی اهل سنت : اس سلسلے میں سات حصے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲۳) عجائب القرآن مع غرائب القرآن : اس کتاب کی جدید کمپوزنگ، پرانے نسخے سے مطابقت اور نہایت احتیاط سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے۔ حوالہ جات کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ (کل صفحات: 412)

(۲۴) جنت میں لے جانے والے اعمال : اس کتاب میں مختلف نیک اعمال مثلاً حصولِ علم، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، دیگر صدقات، تلاوتِ قرآن، صبر، حسنِ اخلاق، توبہ، خوفِ خدا عزوجل اور درود پاک کے ثواب کے بارے میں دو ہزار 2000 سے زائد احادیث موجود ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے خود میں عمل کا جذبہ بیدار ہوتا محسوس کریں گے ان شاء اللہ عزوجل۔ نیکی کی دعوت عام کرنے کا جذبہ رکھنے والے مسلمانوں کے لئے اس میں کثیر مواد موجود ہے۔ (تقریباً 1100 صفحات)

﴿شعبه درسی کتب﴾

(۱) تعریفاتِ نحویه: اس رسالہ میں علم نحو کی مشہور اصطلاحات کی تعریفات مع امثلہ و توضیحات جمع کر دی گئی ہیں۔ اگر طلباء ان تعریفات کا استحضار کر لیں تو علمِ نحو کے مسائل و ابحاث سمجھنے

میں بہت سہولت رہے گی، ان شاءاللہ عزوجل۔(کل صفحات:45)

(۲) کتاب العقائد: صدرالافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی تصنیف کردہ اس کتاب میں اسلامی عقائد اور حدیثِ پاک کی روشنی میں قیامت سے پہلے پیدا ہونے والے تیس جھوٹے مدعیانِ نبوت (کذابوں) میں سے چند کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب کئی مدارس کے نصاب میں بھی شامل ہے۔(کل صفحات:64)

(۳) نزھة النظر شرح نخبة الفکر: یہ کتاب فنِ اصول حدیث میں لکھی گئی امام حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی بے مثال تالیف "**نخبة الفکر فی مصطلح اھل الاثر**" کی عربی شرح ہے۔اس شرح میں قوت وضعف کے اعتبار سے حدیث کی اقسام، ان کے درجات اور محدثین کی استعمال کردہ اصطلاحات کی وضاحت درج کی گئی ہے۔طلبہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔(کل صفحات:175)

(۳) زبدة الفکرشرح نخبة الفکر: یہ کتاب فنِ اصول حدیث میں لکھی گئی امام حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی بے مثال تالیف "**نخبة الفکر فی مصطلح اھل الاثر**" کی اردو شرح ہے۔اس شرح میں قوت وضعف کے اعتبار سے حدیث کی اقسام، ان کے درجات اور محدثین کی استعمال کردہ اصطلاحات کی وضاحت درج کی گئی ہے۔طلبہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔(کل صفحات:91)

(۴) شریعت میں عرف کی اھمیت : یہ رسالہ امام سید محمد امین بن عمر عابدین شامی علیہ الرحمۃ کے عرف سے متعلق تحریر کردہ عربی رسالے "**نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف**" کا عربی ترجمہ ہے۔ تخصص فی الفقہ کے طلباء اس کا ضرور مطالعہ کریں۔(کل صفحات:105)

(۵) اربعین النوویه(عربی): علامہ شرف الدین نووی علیہ الرحمۃ کی تالیف جو کہ کثیر مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔اس کتاب کو خوبصورت انداز میں شائع کیا گیا ہے۔ (کل صفحات:121)

(۶) نصاب التجوید: اس کتاب میں درست مخارج سے حروفِ قرآنیہ کی ادائیگی کی معرفت کا بیان ہے۔مدارس دینیہ کے طلبہ کے لئے بے حد مفید ہے۔(کل صفحات:79)

(۷) گلدستہ عقائد واعمال:: اس کتاب میں ارکانِ اسلام کی وضاحت بیان کی گئی ہے

:۔ (کل صفحات:180)

﴿شعبہ تراجم کتب﴾

ان رسائل کے عربی تراجم شائع ہو چکے ہیں:

(۱) بادشاہوں کی ہڈیاں (عظام الملوک)

(مولف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۲) مردے کے صدمے (هموم الميت)

(مولف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۳) شجرۂ عالیہ قادریہ رضویہ عطاریہ،

(مولف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۴) ضیائے درود وسلام (ضياء الصلوة والسلام)

مولف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی

ان رسائل کے فارسی تراجم شائع ہو چکے ہیں:

(۱) ضیائے درود وسلام، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۲) غفلت، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۳) ابوجہل کی موت، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۴) احترام مسلم، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۵) دعوتِ اسلامی کا تعارف۔

اس کے علاوہ امیر اہل سنت مدظلہ العالی کے کئی رسائل کے سندھی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

اسلام جو مجدد (**سندھی**): (کل صفحات:52)



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرآن و سنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کے مہکے مہکے مدنی ماحول میں بکثرت سنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جمعرات مغرب کی نماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سنّتوں بھرے اجتماع میں ساری رات گزارنے کی مدنی التجا ہے۔ عاشقانِ رسول کے مدنی قافلوں میں سنّتوں کی تربیت کے لیے سفر اور روزانہ "فکرِ مدینہ" کے ذریعے مدنی انعامات کا رسالہ پُر کر کے اپنے یہاں کے ذمہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے، اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے پابندِ سنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کے لیے کُڑھنے کا ذہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذہن بنائے کہ "مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔" اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اصلاح کے لیے "مدنی انعامات" پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے لیے "مدنی قافلوں" میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- کراچی: شہید مسجد، کھارادر۔ فون: 021-3220311
- لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ۔ فون: 042-37311679
- سردارآباد (فیصل آباد): امین پور بازار۔ فون: 041-2632625
- کشمیر: چوک شہیداں، میرپور۔ فون: 058274-37212
- حیدرآباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن۔ فون: 022-2620122
- ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 061-4511192
- اوکاڑہ: کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال۔ فون: 044-2550767
- راولپنڈی: فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ۔ فون: 051-5553765
- پشاور: فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور اسٹریٹ، صدر۔
- خان پور: دُرانی چوک، نہر کنارہ۔ فون: 068-5571686
- نواب شاہ: چکرا بازار، نزد MCB۔ فون: 0244-4362145
- سکھر: فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ۔ فون: 071-5619195
- گوجرانوالہ: فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4225653
- گلزارِ طیبہ (سرگودھا): فیضانِ مدینہ۔ فون: 048-6007128

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)

فون: 021-34921389-93 Ext: 1284

Web: www.dawateislami.net / Email: ilmia@dawateislami.net